تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: مسائل اور امکانات کا جائزہ

(پڑھنے اور لکھنے کی مہارت کے حوالے سے)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اُردو)

مقالہ نگار:

محمد عمر فاروق سیال

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

©فروری 2023ء

تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: مسائل اور امکانات کا جائزہ

(پڑھنے اور لکھنے کی مہارت کے حوالے سے)

Teaching of Urdu as a Foreign Language: Thr Study of Problems and Prospects

(With the refrance to Reading and Writing skills)

مقالہ نگار:

محمد عمر فاروق سیال

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان و ادب)

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

© فروری 2023ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: مسائل اور امکانات کا جائزہ

پیش کار: محمد عمر فاروق سیال رجسٹریشن نمبر: 688-PhD/URD/S17

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبۂ اردو زبان و ادب

ڈاکٹر روبینہ شہناز _____

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی _____

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

میجر جنرل (ر) شاہد محمود کیانی، ہلال امتیاز (ملٹری) _____

ریکٹر

تاریخ: _____

اقرار نامہ

میں، محمد عمر فاروق سیال حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے پی ایچ ڈی اسکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر روبینہ شہناز کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

_____

محمد عمر فاروق سیال

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	ii
اقرار نامہ	iii
فہرست ابواب	iv
Abstract	ix
اظہارِ تشکر	ix
باب اول: تعارف اور بنیادی مباحث	1
الف: تمہید	1
i۔ موضوع کا تعارف	1
ii۔ بیان مسئلہ	1
iii۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	2
iv۔ تحقیق کی اہمیت	2
v۔ تحدید	3
vi۔ مقاصد تحقیق	3
vii۔ تحقیقی سوالات	4
viii۔ نظری دائرہ کار	4
ix۔ پس منظری مطالعہ	7
x۔ تحقیقی طریقہ کار	7
ب: تدریس زبان بنیادی مباحث	8
i۔ زبان کی ماہیت	8
ii۔ زبان کی بنیادی مہارتیں اور ان کی تدریس	11

iii۔ زبان کی بنیادی مہارتوں کے تدریسی ماڈل 13
۔ پڑھنے کی مہارت کے تدریسی ماڈل 14
۔ لکھنے کی مہارت کے تدریسی ماڈل 19
۔ سننے کی مہارت کے تدریسی ماڈل 22
۔ بولنے کی مہارت کے تدریسی ماڈل 27
ج: تدریسِ زبان کے مباحث 30
i۔ تدریسِ زبان اور تدریسِ غیر ملکی زبان میں فرق 30
ii۔ تدریسِ غیر ملکی زبان کے اغراض و مقاصد 35
د: تدریس غیر ملکی زبان کے مباحث 40
i۔ تدریسِ غیر ملکی زبان سے مخصوص مسائل 41
ح۔ تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان کے مباحث 46
i۔ تدریسِ اردو کی روایت: اجمالی جائزہ 46
ii ۔ تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان کی روایت 47
۔ حوالہ جات 49

باب دوم: تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: روایت اور پیش رفت 51
الف: تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان کی روایت 51
i۔ نقطہ آغاز: فورٹ ولیم کالج 56
ii۔ غیر ملکی جامعات میں اردو کی تدریس 65
iii۔ پاکستانی جامعات میں اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان 76
ب: تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان کے مباحث 80
i۔ تدریسی کتب کا جائزہ 80
۔ تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان کی با قاعدہ کتب 80
۔ حوالہ جات 90

باب سوم: تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: مسائل کا تجزیہ 93

الف: تدریسِ اردو: پڑھنے کے مسائل 93

i۔ رسم الخط کے مسائل 94

ii۔ پڑھنے میں املا کے مسائل 98

iii۔ پڑھنے میں ہجا کے مسائل 104

Iv۔ نقطوں کی ضرورت اور اہمیت 108

ب: تدریسِ اردو: لکھنے کے مسائل 109

i۔ املا کے مسائل 110

ii۔ رسم الخط کے مسائل 112

iii۔ تدریس اردو میں سننے کے مسائل 115

ج: ادائیگی کے مسائل 118

۔ حوالہ جات 124

باب چہارم: تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: امکانات کی جستجو 126

الف: تدریسِ اردو: پڑھنے کے مسائل کا حل 126

i۔ رسم الخط کے مسائل کے ممکنہ حل 128

ii۔ املا کے مسائل کے ممکنہ حل 130

iii۔ ہجا کے مسائل کے ممکنہ حل 135

iv۔ نقطوں کے مسائل کے ممکنہ حل 139

ب: تدریسِ اردو: لکھنے کے مسائل کے ممکنہ حل 141

i۔ املا کے مسائل کے ممکنہ حل 141

ii۔ رسم الخط کے مسائل کے ممکنہ حل 142

ج: جدید دور میں اردو کی بطور غیر ملکی زبان تدریس: معاون ذرائع 147

د: اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان: ماہرین کی آراء کا جائزہ 151
۔ حوالہ جات 169

باب پنجم: مجموعی جائزہ، نتائج اور سفارشات 170
الف: مجموعی جائزہ 170
ب: نتائج 195
ج: سفارشات 199
۔ کتابیات 200
ضمیمہ جات 205

Abstract

Title:

Teaching of Urdu as a Foreign Language: Thr Study of Problems and Prospects

(With the refrance to Reading and Writing skills)

Abstract:

Teaching of a language as foreign language is a phenomenon that have different features than that of teaching of the language to native speakers of the same language. A number of models can be found on teaching foreign langue based on different approaches and contexts. However, in spite of the fact that Urdu is being taught as foreign language for more than two centuries, very few works are available on the topic. Originality and quality is another issue as most of the works are just compilation or repetition of previous works. In this situation there is a continuous need of new studies with modern approaches as the number of students opting Urdu to learn as foreign language is on increase.

This study is an effort to identify problems faced by the students at different levels and possible solutions and techniques to overcome or mitigate them. The study is delimited to two of the four skills i.e. reading and writing. Initial part of this study reviews and analyzes the previous works on the topic. Afterwards problems faced by the students and their possible solutions are presented in successive chapters.

Both quantitative and qualitative methods of research are used on different stages of the study. Findings and result are also presented in both forms i.e. narration and tabulation.

The study reveals that contrary to the popular perception that Urdu is a difficult language to learn as a foreign language, sounds, script and structures of Urdu are not much complicated. However, methodology and techniques often used to teach Urdu need improvement and innovation.

اظہارِ تشکر

میں اس تحقیق کی تکمیل پر خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار ہوں کہ جس کی توفیق نے مجھے اس قابل بنایا اور سلام ہے اس ذات پر جس کو بہترین معلم بنا کر بھیجا گیا۔ میں اپنے والدین کی محبتوں کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ جنہوں ے اپنی محنت اور شفقت سے تنگ دستی اور دنیاوی تعلیم کی کمی کے باوجود ہمیں حصول علم کی راہ پر گامزن کیا اور اپنی توجہ، حوصلہ افزائی سے کبھی علم کی راہ سے گمراہ نہیں ہونے دیا۔

میں سب سے زیادہ شکر گزار ہوں اپنی مشفق استاد اور نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شہناز کا جنہوں نے قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی، راہنمائی کی اور ہر ممکن مدد کی کہ میں اس تحقیق کو تکمیل تک پہنچا پایا۔ انہوں نے ہمیشہ میری کوتاہی اور سستی پر سرزنش کرنے کی بجائے احساس کو اجاگر کیا، میں جتنا بھی ان کا شکریہ ادا کروں کم ہے کہ انہی کی نگرانی کی بدولت میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر پایا۔ برادر بزرگ عابد حسین سیال جو کہ میرے استاد بھی ہیں اور موٹیویشنل سپیکر بھی کہ انہوں نے ہمیشہ میرے جذبے کو ابھارے رکھا۔ میرے دوسرے دونوں بھائی ہمیشہ میرا حوصلہ رہے اور میری بہن کی دعائیں مشکلات کی راہ میں ڈھال بنی رہیں۔

میں نمل کے اساتذہ اور جو اب میرے رفقائے کار ہیں میں سے سب سے پہلے صدر شعبہ ڈاکٹر فوزیہ اسلم کا شکر گزار ہوں جنہوں نے روزانہ کی بنیاد پر میرا حوصلہ بڑھایا کہ اس کام کی تکمیل کر پایا۔ ان کے بعد محترم ڈاکٹر نعیم مظہر میرے استاد جنہوں نے رفیق کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مخلص دوست کی طرح قدم قدم پر ساتھ دیا اور مہربان بھائی کی طرح ہمیشہ اصلاح کی، میں ہمیشہ ان کا شکر گزار ہوں۔ میری استاد، کو آرڈینیٹر اور شفیق دوست ڈاکٹر صائمہ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر طرح کی تکنیکی راہنمائی کی۔ ان کے علاوہ دیگر رفقا نے ہمیشہ میری مدد کی۔

اس کام کی تکمیل میں اپنے دوستوں اور خاص طور پر امجد کلّو کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس نے اس مقالے کی کمپوزنگ اور تکنیکی معاملات میں ہمیشہ خلوص سے ساتھ دیا۔ دیگر دوستوں اور ہمدردوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی حوصلہ افزائی ہمیشہ مجھے کامیابی کی طرف بڑھاتی رہتی ہے۔

محمد عمر فاروق سیال

باب اول

تدریسِ زبان: بنیادی مباحث

الف: تمہید

1۔ موضوع کا تعارف

اردو زبان اٹھارویں صدی میں ہی ایک غیر ملکی زبان کے طور پر فورٹ ولیم کالج میں پڑھائی جانے لگی اور غیر ملکی زبان کے طور پر اس کی تدریس کے حوالے مشکلات سامنے آنے لگیں۔ اردو بھی دوسری کئی زبانوں کی طرح ایک مرکب زبان ہے جس میں الفاظ کئی دوسری زبانوں سے شامل ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے الفاظ، حروف اور قواعد ایسے ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات صوتی، معنیاتی، صرفی، نحوی اور کئی سطح پر مختلف ابہام اور مشکلات پیدا ہو گئیں۔ یہ ابہام نئے سیکھنے والوں کے لیے نہ صرف مشکلات پیدا کرتے ہیں بلکہ زبان کو سیکھنے کے عمل کو سست بھی کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف اردو زبان کا شمار دنیا کی چند زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں ہوتا ہے، پاکستان کی سرکاری زبان ہونے کے ناطے اور برصغیر میں رابطے کی زبان ہونے کے ناطے عالمی سطح پر فروغ حاصل کر رہی ہے۔

کسی بھی زبان کو پڑھاتے ہوئے چار بنیادی مہارتوں کے ساتھ قواعد کو مد نظر رکھا جاتا ہے ان مہاتوں میں پڑھنا، لکھنا، سننا اور بولنا شامل ہیں۔

اس مقالے میں ان چار بنیادی مہارتوں میں سے پڑھنے اور لکھنے کی مہارت کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔ اور یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی کہ ابتدا سے لے کر اب تک ان مہارتوں کو پڑھاتے ہوئے کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کس حد تک ہوتی رہی ہے اور وہ کیا کیا مسائل ہیں جو اردو کو غیر ملکی زبان کے طور پر پڑھانے کے سلسلے میں سامنے آتے ہیں اور یہ مسائل کس سطح کے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان مسائل کے حل کے امکانات کیا کیا ہیں۔

2۔ بیان مسئلہ

مندرجہ بالا تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ زبان کی بنیادی مہارتوں میں سے پڑھنے اور لکھنے مہارتوں کے حوالے سے دنیا بھر کی جدید زبانوں کی غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس کے کیا کیا انداز اور

طریقے اپنائے جارہے ہیں اور تدریس اردو بطور غیر ملکی زبان کے ضمن میں اردو میں اب تک کیا کام ہوا ہے، یہ کس حد تک جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور اس میں مزید پیش رفت کے امکانات کیا ہیں۔

3۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق

اردو میں تدریس کے حوالے سے خاطر خواہ تحقیقی و تنقیدی کام دستیاب نہیں۔ اس سے پہلے جو چند ایک مقالے لکھے بھی گئے ہیں ان میں تدریس اردو کی چاروں بنیادی مہارتوں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی وجہ سے ان میں موضوع کے ساتھ انصاف کرنا ممکن نہیں ہو سکا اور ان مہارتوں کے صرف تعارف تک ہی بات کی جا سکی ہے۔ اس مقالے میں صرف دو بنیادی مہارتوں کو موضوع بنا کر تحقیق کی جائے گی اور اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالی جا سکے۔

اردو کی غیر ملکیوں کو تدریس کے حوالے سے ایم فل کی سطح پر ایک مقالہ پہلے لکھا جا چکا ہے جس کا حوالہ درج ذیل ہے:

- غیر ملکیوں کے لیے تدریس اردو مسائل اور ان کا حل، مقالہ نگار عطیہ غنی، زیر نگرانی ڈاکٹر عطش درانی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2008ء

یہ مقالہ ایک سو پینتیس صفحات پر مشتمل ہے جس میں نہ صرف تدریس زبان کی چاروں مہارتوں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں اور پڑھانے والے اداروں کا تعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے جو کہ ایک ناکافی کوشش ہے کیونکہ ایک وسیع موضوع کو لکھنے کے لیے اتنی ضخامت کافی نہیں۔

اردو کی تدریس کی حوالے سے جو کچھ کتب اور مقالات دستیاب ہیں وہ زیادہ تر مقامی طالب علموں کو مختلف سطحوں پر اردو کی تدریس کے مسائل و مباحث سے متعلق ہیں۔ غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس کے حوالے سے مندرجہ بالا مقالے کے علاوہ کوئی کام دستیاب نہیں اس کے ساتھ تدریس کے طریق کار، اس کے مسائل اور ان کے ممکنہ حل پر کوئی مربوط اور مبسوط کام دستیاب نہیں۔

4۔ تحقیق کی اہمیت

اردو مختلف سیاسی و ثقافتی وجوہات کی بنا پر دنیا کے مختلف خطوں میں اپنی دلچسپی کا دائرہ وسیع کر رہی ہے اور اردو سیکھنے والے طالب علموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن اردو کی تدریس کے حوالے سے تحقیقی و تنقیدی مباحث کے فروغ اور تدریسی طریق کار میں پیش رفت کی رفتار وہ نہیں جو ہونی چاہیے۔ اسی

طرح اس میدان میں اب تک ہونے والی پیش رفت کا بھی کوئی جائزہ یا تجزیہ نہیں کیا گیا تا کہ نادر یافت گوشوں کی طرف پیش قدمی کی جا سکے۔ یہ تحقیق کسی نہ کسی سطح پر ان زاویوں سے نئے مباحث اور نئے نتائج کو سامنے لانے کی ایک کوشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

5۔ تحدید

زبان کی تدریس کے حوالے سے اس کو مختلف بنیادی مہارتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، لیکن موجودہ تحقیق کو صرف پڑھنے اور لکھنے کی مہارت تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔

جبکہ غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس کی دو نمایاں جہات ہیں جن میں ایک پاکستان میں مقامی اساتذہ کی مدد سے غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس ہے اور دوسری بیرون ملک اداروں میں پاکستانی / بھارتی اردو اساتذہ کی مدد سے غیر ملکیوں کو اردو تدریس ہے۔ ایک تیسری صورت بیرون ملک اداروں میں غیر ملکی اردو ماہرین کی مدد سے غیر ملکی طالب علموں کو اردو کی تدریس کی بھی ہے۔ یہ تحقیق ان میں سے پاکستان میں موجود جامعات میں مقامی اساتذہ کی مدد سے غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس کے مسائل تک محدود رکھا گیا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں: اول یہ کہ بیرون ملک سے طالب علموں اور اساتذہ سے ڈیٹا اکٹھا کرنے کے وسائل فراہم کرنا بہت مشکل ہے اور دوم یہ پاکستان میں جاری تدریسی کلاسوں میں مختلف قومیتوں اور ملکوں کے طالب علم زیر تعلیم ہیں، اس لیے مختلف لسانی پس منظر رکھنے والے طالب علموں کا تنوع دستیاب ہے جس سے مسائل کے ادراک کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔

6۔ مقاصد تحقیق

اس مقالے میں درج ذیل تحقیقی مقاصد پیش نظر رکھے گئے ہیں:

1. زبان اور غیر ملکی زبان کی مختلف لسانی مہارتوں میں خصوصی طور پر تحریری مہارتوں کی تدریس کے مختلف طریقوں کا تجزیہ کرنا۔
2. غیر ملکی زبان بالعموم اور اردو بطور غیر ملکی زبان کی تدریس کی تحریری مہارت کے مسائل کا بالخصوص تجزیہ کرنا۔
3. بطور غیر ملکی زبان اردو کی تدریس میں درپیش مسائل کا دیگر زبانوں کی تدریسی مشکلات پر قابو پانے میں پیش رفت کی روشنی میں حل تلاش کرنا۔

4. بطور غیر ملکی زبان اردو کی تدریس میں لکھنے اور پڑھنے کی مہارت میں درپیش مسائل کے ممکنہ حل کا تجزیہ کرنا کہ آیا یہ حل اردو زبان کے حوالے سے قابلِ عمل ہیں یا نہیں۔

7۔ تحقیقی سوالات

1۔ زبان اور غیر ملکی زبان کی مختلف لسانی مہارتوں تحریری مہارت کے تدریسی ماڈل کیا ہیں؟

2۔ مختلف لسانی پس منظر رکھنے والے طالب علموں کو اردو بطور غیر ملکی زبان کی تدریس میں پڑھنے اور لکھنے کے حوالے سے درپیش مسائل کیا ہیں؟

3۔ دیگر عالمی زبانوں کے تدریسی ماڈلز اور پاکستانی جامعات میں غیر ملکیوں کو اردو پڑھانے والے اساتذہ کے تجربے کی روشنی میں ان مسائل کے ممکنہ حل کیا ہیں؟

8۔ نظری دائرہ کار

ہر زبان اپنے مخصوصی جغرافیائی اور ثقافتی پس منظر کی وجہ سے اپنا ایک صوتی اور علامتی تحریری نظام رکھتی ہے۔ مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان سیکھنے والے شخص کے تدریسی مسائل کا تعلق بہت حد تک اس فرق سے تعلق رکھتا ہے جو اس کی مادری زبان اور اس کی زیرِ آموزش زبان کے مابین موجود ہے۔ اردو کو غیر ملکی زبان کی حیثیت سے سیکھنے والوں میں مختلف زبانوں کے بولنے والے شامل ہیں۔

زبان ملکی ہو یا غیر ملکی پڑھنا لکھنا دوسری دونوں مہارتوں یعنی سننا اور بولنا کی نسبت دیر سے شروع کیا جاتا ہے۔ اسی لیے پڑھنا سیکھنے کے حوالے سے مختلف نظریات اور تصورات موجود ہیں جن کی بنیاد مختلف زبانوں کی نوعیت کے حوالے سے رکھی گئی ہے۔ لیکن اس تحقیق کی بنیاد جس نظریے پر رکھی گئی ہے وہ ذو اساسی تصور یا Duel Route Concept کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس نظریے کی بنیاد سوسیر (Saususre) کے ایک قول پر رکھی گئی ہے۔ جو کچھ اس طرح ہے:

> "There is also the question of reading. We read in two ways; the new or unknown word is scanned letter after letter, but a common or familiar word is taken in at a glance, without bothering about the individual letters: its visual shape functions like an ideogram."

ترجمہ: پھر سوال متن خوانی کا بھی ہے ہم دو طریقے سے پڑھتے ہیں اور ہمارے لیے نیا لفظ حرف بہ حرف سکین کیا جاتا ہے۔ لیکن عام اور معروف لفظ ایک نگاہ میں ہی اس کے انفرادی حروف پر توجہ دیے بغیر سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس کی بصری شکل صورت ایک علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔

اس قول کو بنیاد بنا کر 1980ء میں کلودر Coltheart نے متن خوانی کے حوالے سے دو اصطلاحات استعمال کی جو بالترتیب Lexical اور Non lexical یعنی با معنی یا معلوم لفظ اور بے معنی یا غیر معلوم لفظ کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

سوسیر کے قول اور کلودر کی اصطلاحات کو بنیاد بناتے ہوئے 2001ء میں ذو اساسی تصور پیش کیا جس میں پڑھنے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ماہرین کے مطابق انسان پڑھتے ہوئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

سب سے پہلے ہم اسے حرف شناسی کہہ سکتے ہیں کہ جس کے لیے کلودر نے Non Lexical کی اصطلاح استعمال کی ہے اس کے مطابق جب طالب علم کسی زبان کو پڑھنے کی ابتدائی کوشش کرتا ہے تو وہ حرف حروف کی آوازوں سے آشنائی حاصل کرتا ہے۔ وہ اس کی اصوات اور صوتیاتی قواعد کی مدد سے کسی لفظ کی انفرادی صورت، اس کے درست ہجا کی مدد سے ادا کرتا ہے۔ اس وقت تک وہ لفظ کے لغوی یا اصطلاحی معنوں سے نابلد ہوتا ہے۔ سادہ الفاظ میں ہم اسے ناظرہ پڑھنا بھی کہہ سکتے ہیں کہ حروف اور اعراب کی مدد سے لفظ کو پڑھ لینا جبکہ دوسرے مرحلے پر تفہیم کا عمل ہے۔ جس کو کلودر نے Lexical یا با معنی / معلوم الفاظ کہا ہے۔ یہاں آکر زبان کا ادراک شروع ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک ہی وقت میں بہت سے زاویے سے پرکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی اس لفظ کا لغوی معنی، اصطلاحی معنی، حالت، جنس زمانہ وغیرہ سب لفظ اور اس کی ساخت کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ سب ملا کر کسی لفظ کی تفہیم کی جا سکتی ہے۔

اسی تصور کو بنیاد بنا کر تحقیق میں پڑھنے یا متن خوانی کے حوالے سے مباحث کو چھیڑا گیا ہے کہ کس طرح اردو کو غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس کرتے ہوئے ابتدائی اور ثانوی سطح کے طلبا کو پڑھا جا سکتا ہے

اس تحقیق میں دوسری مہارت لکھنے کی شامل ہے۔ لکھنا پڑھنے کا Out Put ہے۔ طالب علم پڑھتے وقت جن الفاظ جملوں، شکلوں اور علامتوں کو دیکھتا جاتا ہے انہی کو تحریر کر سکتا ہے۔

لکھنے کے حوالے سے بھی ایک تصور (Freedman) نے 2014ء میں پیش کیا جس میں لکھنے کی بنیادوں Cognative اور Meta Cognative سیکھنے کے طریقوں پر رکھتے ہیں۔ جن کو ادراک اور مہا ادراک سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

ادراک (Cognatives) سے مراد یہ ہے کہ لکھنے کے عمل میں انسانی دماغ میں موجود تصور اور رسم الخط کے ذریعے وضع کی گئی علامتوں کے درمیان کوئی ربط پیدا کیا جاتا ہے۔ کیا جب کوئی شخص کچھ لکھتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک عملی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس تمام سلسلے میں یاداشت توجہ، فیصلہ کرنے اور مسئلے کا حل کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اس طرح وہ استدلال کرتے ہیں، لفظوں کا چناؤ کرتے ہیں کہ ان کے مافی الضمیر میں کیا ہے اور اس کا اظہار کرنے کے لیے وہ ان علامتوں اور اشاروں کا انتخاب کریں گے جن کو پہلے سے سیکھ چکے ہوتے ہیں۔ یہ ایک عملی طریقہ ہے جو انسانی دماغ میں موجود تصورات اور لفظوں کے درمیان تعلق کو واضح کرتا ہے۔

اس سے بعد کا تصور مہا ادراک یا Meta Cognative ہے۔ جو ادراک کے سلسلے کو آگے بڑھاتا ہے اور اس درجہ پر لکھنے والا منصوبہ بندی کرتا ہے اور اپنے فہم کے ذریعے اہداف حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مہا ادراک ایک عمومی ادراک اعلیٰ درجے تک لے جانے میں مدد کرتا ہے۔

یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادراک طالب علم کو لکھنے میں مدد کرتا ہے جبکہ مہا ادراک طالب علم درست اور نتیجہ خیز لکھنے میں مدد کرتا ہے۔

مہا ادراک دو سطحوں پر کام کرتا ہے۔ پہلا یہ کہ وہ اپنے علم کے ذریعے اپنی تحریر کو بہتر بناتا ہے جبکہ دوسرا یہ کہ وہ اپنے تجربے کا استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا تحریر میں کسی بھی سطح کے غیر ملکی طالب علم کے سامنے دو مسائل ہیں پہلے درجے میں وہ ادراک کے ذریعے تحریر کرتا ہے جبکہ دوسرے درجے میں مہا ادراک کی سطح پر پہنچ جاتا ہے اور اپنی تحریر میں ربط پیدا کر سکتا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں تصورات کی روشنی میں مذکورہ تحقیق سرانجام دی گئی ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح غیر ملکی طلبا اردو زبان سیکھتے ہوئے مختلف مشکلات سے گزرتے ہیں اور ان مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے زبان کی چاروں مہارتوں، درپیش مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ان مسائل کے حل کے لیے مختلف ماہرین کی آرا سوالنامے کی صورت میں حاصل کرنے کے بعد راقم کے تجربے کی روشنی میں غیر

ملکیوں کو در پیش مسائل کو دور کرنے کے امکانات کو پیش کیا گیا ہے۔

تحقیق اس امر کے تعین کی سعی کرے کہ مختلف طالب علموں کو اس ضمن میں کس نوع کے تعلمی مسائل در پیش ہیں اور ان کا حل کیا ہو سکتا ہے۔

9۔ پس منظری مطالعہ

انگریزی میں اور دیگر زبانوں میں غیر ملکی زبان کی تدریس کے مسائل کے حوالے سے بہت کام ہوا ہے۔ راقم نے اپنی استعداد کے مطابق ان سے استفادے کی سعی کی ہے۔ مزید بر آں اردو میں اس حوالے سے جو کام ہوا اور جس کی تفصیل کتابیات میں دی گئی ہے، اس سے بھی استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس سے ہٹ کر غیر ملکیوں کی کمرہ جماعت ار آن لائن تدریس کے تجربے کو بنیاد بنا کر بہت سے مسائل اور مشکلات کو دیکھا گیا۔ روزانہ کی بنیاد پر طلبا کو در پیش مشکلات اور ان کے کیے گئے سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل کا اندازہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد مقامی اور غیر ملکی ایسے اساتذہ سالہاسال سے غیر ملکیوں کو اردو سکھا رہے ہیں۔ ان کے تجربے سے استفادہ کیا گیا ہے جو اس کے بعد طلبا کے سامنے مختلف سوال رکھے گئے ہیں جن جوابات کی روشنی میں اس تخلیق کو مکمل کیا گیا ہے۔

10۔ تحقیقی طریقہ کار

تحقیق کا موضوع چونکہ نظری کے ساتھ ساتھ اطلاقی پہلو بھی رکھتا ہے جس میں فیلڈ ریسرچ بھی شامل کی گئی ہے۔ اس لیے تحریری و الیکٹرانک مواد کے ساتھ ساتھ سوال نامے اور انٹرویو کا طریق کار بھی اختیار کیا گیا ہے۔ یہ سوال نامے اور انٹرویو مختلف لسانی پس منظر رکھنے والے طالب علموں اور اساتذہ سے لیے گئے ہیں۔ انٹرنیٹ اور جدید ٹیکنالوجی کے وسائل بھی حسبِ ضرورت بروئے کار لائے گئے ہیں۔ تحقیق کے طریقہ کا کی مزید وضاحت درج ذیل ہے

1۔ متعلقہ کتب، رسائل و جرائد میں مضامین اور اس حوالے سے لکھے گئے مقالہ جات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

2۔ اردو پڑھنانے والے غیر ملکی اساتذہ اور زبان کے ماہرین سے انٹرویو لیے گئے ہیں۔

3۔ اردو سیکھنے والے غیر ملکی طالب علوں سے انٹرویو لیے گئے ہیں۔

4۔ دو طرح کے سوالنامے تیار کیے گئے تھے جن میں ایک اساتذہ کو در پیش مسائل سے متعلق جبکہ دوسرا

غیر ملکیوں کو بطور طالب علم درپیش مسائل سے متعلق اور تیسرے سوالنامے میں اساتذہ اور ماہرین سے ان مسائل کے حل کے متعلق سوالات شامل کیے گئے تھے۔

ان میں کل 15 اساتذہ اور 10 طالب علم شامل تھے۔ اساتذہ میں 10 پاکستانی استاد جبکہ 5 غیر ملکی استاد شامل ہوئے۔ جبکہ طلبہ میں بھی گئی قومیتوں جسے چینی، فارسی، انگریزی وغیرہ جیسے پس منظر رکھنے والے طالب علم شامل ہوئے۔

ب۔ تدریس زبان: بنیادی مباحث

i. زبان کی ماہیت:

زبان گوشت کا وہ ٹکڑا جو انسان کے منہ میں ہے یہ جہاں ذائقوں میں تمیز کرتا ہے وہاں یہ اظہارِ خیالات کا کام بھی سر انجام دیتا ہے۔ مختلف زبانوں میں بولنے والی زبان اور اس پارۂ گوشت کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے اردو فارسی میں زبان، انگریزی میں ٹنگ (Tung) یا عربی میں لسان وغیرہ۔ اردو میں اس پارۂ گوشت کے لیے جیبھ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیبھ اور زبان (بولنے والی) میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ اس بات کا اندازہ لگانا کہ پہلے پہل زبان یا لسان، ٹنگ وغیرہ کا لفظ کس کے لیے استعمال ہوا ہو گا بہت مشکل کام ہے۔

ماہرینِ لسانیات زبان کو ایک زندہ شے تصور کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے بھی وہ ہی کام اور خصوصیات ہیں جو جانداروں میں پائی جاتی ہیں جیسے یہ بڑھتی ہے، پھیلتی ہے زندہ رہتی، مردہ ہو جاتی ہے، اس میں ارتقاء ہوتا ہے اور یہ نئی زبانوں کو جنم دیتی ہے وغیرہ۔

مختلف ماہرینِ لسانیات نے اس کی مختلف انداز میں تعریف کی ہے اور اس کی ماہیت پر بھی روشنی ڈالی ہے دتاتریہ کیفی لکھتے ہیں: "زبان تخیل اور خیال کے ظاہر کرنے یا مطلب ادا کرنے کا آلہ ہے"[1]

پنڈت کیفی کے خیال میں زبان اظہار اور ادائے مطلب کا ایک آلہ ہے جس سے انسان اپنے مطلب مفاہیم کو ادا کرتا ہے جب کہ سہیل بخاری لکھتے ہیں: "زبان انسانی آوازوں کا وہ بامعنی نظام ہے جس کے ذریعے افراد یا جماعت میں رابطہ استوار ہوتا ہے۔"[2]

ڈاکٹر سہیل بخاری کے نزدیک زبان بامعنی آوازوں کا ایک نظام ہے یعنی زبان میں ہر وہ آواز شامل

نہیں کی جاسکتی جو کوئی انسان اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ بلکہ صرف ایسی آوازیں ہی شامل ہو سکتی ہیں جن سے لوگوں کی کسی جماعت میں ابلاغ ہوتا ہو۔ لیکن انہوں نے اس تعریف میں حرکات و سکنات، اشاروں یا پھر body language کو شامل نہیں کیا یہ سب حرکات بھی زبان میں شامل ہوتی ہیں کیونکہ بولتے وقت انسان کی حرکات و سکنات، لہجے کے اتار چڑھاؤ، آواز کی شدت وغیرہ اس کے الفاظ کے مفہوم کو بدل دیتی ہیں۔
جب کہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کہتے ہیں:

"پس زبان کی واضح تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ زبان انسانی خیالات اور احساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوت گویائی شامل ہے اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے اور جس وقت چاہے اپنے ارادے سے دُہرا سکتا ہے۔"[3]

قادری زور نے ایک جامع تعریف کی ہے جس میں انہوں نے خاص طور پر جسمانی حرکات اور تمام اعضاء کو شامل کیا ہے اور آخر میں اس بات کا اعادہ بھی کیا ہے کہ انسان اس کو اپنے ارادے سے دہرا بھی سکے۔ یعنی زبان کسی خاص وقت یا کیفیت کے اشارے نہیں بلکہ انسان کی زندگی کے معمولات کی طرح ایک ارادی عمل ہے۔ جبکہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق:

" A system of conventional spoken, manual, (signed) or written symbals by meems of which kumam being, as member of a Social Group and participants in its culture, express themselves. The functions of language include communication the expression of identity, play imaginative expression and emotional release"[4]

برٹانیکا کے مطابق زبان نہ صرف بول چال ہے اور لکھنے پڑھنے سے متعلق ہے بلکہ یہ کلچر سے بھی متعلق شے ہے اس کے ساتھ ہی زبان شناخت کے اظہار بھی زبان کے افعال میں شامل ہوتا ہے۔ زبان کا تصور بہت وسیع ہے۔ کیونکہ زبان ہمیشہ کسی علاقے کی پہچان شناخت اور اس کی واحد کی علم دار رہی ہے۔ زبان کی مختلف تعریفوں کے پیش نظر اس بات کو سمجھنا قطعاً مشکل نہیں رہتا کہ زبان ایک اجتماعی نظام ہے جس کے ذریعے انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار لفظوں یا علامتوں کی صورت میں کرتا ہے اور یہ زبان اپنے اندر کئی طرح کے

ذیلی نظام بھی رکھتی ہے۔ یہ سب نظام مل کر زبان کی شکل بناتے ہیں جس کو زبان کی ماہیت کہا جاسکتا ہے۔
زبان کی ماہیت کے بارے میں خلیل صدیقی نے چند پہلو واضح کیے ہیں وہ لکھتے ہیں:
زبان کی ماہیت سے متعلق یہ انستباط کیا جاسکتا ہے کہ زبان:

1۔ انسان کی تکلمی یا نطقی آوازوں سے تشکیل پاتی ہے۔
2۔ علامتی حیثیت رکھتی ہے۔
3۔ اختیاری اور متفق علیہ (Arbitrary) ہوتی ہے۔
4۔ ایک نظام ہے۔ اور
5۔ ابلاغ کا ذریعہ بنتی ہے۔[5]

خلیل صدیقی کے ان الفاظ میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ زبان کی حیثیت تکلمی یا نطقی ہے۔ یعنی جو چیز انسان کو دوسری مخلوقات سے ممیز کرتی ہے وہ اس کی قوت گویائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زبان تکلم یا آوازوں کے بغیر وجود میں نہیں آتی اور انسان اپنی قوت گویائی سے ہی ابلاغ کرتا ہے۔ زبان کی بنیادی سطح پر دو خوبیاں ابلاغ اور اظہار ہیں۔ بعض اوقات انسان اظہار تو کرتا ہے لیکن وہ ابلاغ نہیں کر پاتا۔ یا پھر اگر کوئی شخص قوت گویائی سے محروم ہے تو اس کے لیے بھی ابلاغ اور اظہار مشکل ہوتا ہے۔ یہ بات مانی جاسکتی ہے کہ اس شخص کے قریب رہنے والے لوگ اس کی حرکات یا مخصوص آوازوں کو سمجھتے ہوں لیکن اس اظہار کو ابلاغ نہیں کہا جاسکتا۔

دوسرا نکتہ زبان کی علامتی حیثیت ہے زبان دراصل علامتوں کا ایک نظام ہے۔ فقروں، حرکتوں، آوازوں کے اتار چڑھاؤ، جسمانی حرکات وغیرہ کی حیثیت علامتی ہوتی ہے۔ جو انسان اپنے معاشرے میں مل کر قبول کر لیتے ہیں اور یہی وہ علامتیں ہیں جو کسی جماعت کے افراد کے درمیان ابلاغ اور اظہار کا وسیلہ بنتی ہیں۔

تیسرا نکتہ بہت اہم ہے کہ زبان اختیاری ہوتی ہے اور پورا معاشرہ اس کو قبول کرتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ زبان بولی سے لے کر زبان بننے تک ایک طویل ارتقائی سفر طے کرتی ہے جس میں وہ مختلف تجربات سے گزرتی ہوئی آہستہ آہستہ تبدیلیوں کو قبول کرتی جاتی ہے اور معاشرے میں رواج پاتی جاتی ہے۔ حرکات و سکنات، آوازیں، محاورے، معنی، علامتیں سب آہستہ آہستہ پورا معاشرہ قبول کرلیتا ہے اور اس طرح یہ پورے معاشرے کے حافظے کا حصہ بن جاتی ہے۔ جو اسے قبول کر لینے کے بعد اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور

زبان پورے معاشرے کو اپنے قبضے میں لے لیتی ہے۔

چوتھی اہم بات خلیل صدیقی نے کی وہ یہ ہے کہ زبان کا ایک نظام ہوتا ہے، زبان کے جدید مطالعے نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ زبان کا تعلق صرف آوازوں کے معانی یا اظہار سے ہی نہیں بلکہ زبان اپنے اندر ایک پورا معاشرہ اور اس معاشرے کی روایت، رسوم ورواج اس کے جغرافیے، رہن سہن، حتیٰ کہ مذہبی اور معاشرتی عقائد تک اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ جس سے انسان نہ صرف اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے بلکہ یہ قاعدے یا یہ ضابطہ اس کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں گھر کر جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ ان کو ہی سوچتا سمجھتا یا بولتا ہے۔ کسی زبان کا مطالعہ نہ صرف اس زبان میں ابلاغ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ اس معاشرے کے رہن سہن رسم ورواج اور لوگوں کی سوچ کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

زبان کی مختلف ماہرین نے کئی تعریفیں کی ہیں جن میں سے بعض میں بہت سی خوبیاں اور بعض میں خامیاں ہیں، زبان کیونکہ انسانی رویہ ہے اس لیے اس کی کوئی خاص یا جامع تعریف نہیں کی جاسکتی، جیسے جیسے انسانی رویے بدلتے جاتے ہیں زبان کی حیثیت اور تعریف بھی بدلتی جاتی ہے۔ اس لیے زبان کی جامع تعریف کرنا ناممکن ہے۔ یہ تعریفیں نامکمل تو ہو سکتی ہیں لیکن ان کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ii. زبان کی بنیادی مہارتیں اور ان کی تدریس:

زبان ہمیشہ سے انسان کے لیے ایک معمہ رہی ہے۔ انسان کے سامنے جو پہلے پہل بڑے سوال آئے ہیں ان میں بھی زبان کے بارے میں نظریات ملتے ہیں۔ اور انسان ہر دور میں ہی اس کھوج میں رہا کہ زبان کیا ہے؟ اور یہی نہیں بلکہ انسان اس کی وجہ سے احساسِ تفاخر میں مبتلا بھی رہا چنانچہ اکثر معاشرے اپنے آپ کو اہلِ زبان تصور کرتے تھے اور دوسروں کو کمتر یا پھر گونگا سمجھتے تھے۔ انسان کی ہزاروں سالوں کی اس کھوج نے زبان کی کئی صورتیں اور کئی مباحث اور علوم وضع کیا ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا زبانوں کے بارے میں نظریات بھی تبدیل ہوتے گئے۔ چنانچہ وہ اقوام جو دوسری زبانوں کو کم تر سمجھتی رہیں انہوں نے دوسری زبانوں کو سیکھنے کی بنیاد رکھی، اور وہ دور آگیا کہ لوگوں نے دوسری زبانیں سیکھنی شروع کیں۔ اس ضرورت نے زبان کی بطور مضمون اور نصاب بنیاد رکھی۔ ابتدا میں لوگوں کا یہ خیال کہ زبان کسی قاعدے یا ضابطے سے سیکھی یا سکھائی نہیں جاتی اس کے برعکس زبان کو پڑھانے کے طریقے وضع ہونے لگے۔

جب زبان کو بطور نصاب ترتیب دیا گیا تو اس میں چار بنیادی اجزاء بنائے گئے یعنی:

1۔ سننا

2۔ بولنا

3۔ پڑھنا

4۔ لکھنا

تقریباً تمام ماہرینِ تعلیم ان چار مہارتوں پر اتفاق کرتے ہیں۔ البتہ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ زبان کی مہارتوں میں سمجھنے کا عنصر بھی شامل ہے۔ یعنی کوئی زبان سیکھ لینے کا مطلب اس کے حروف کو پڑھ لینا اور اس کی آوازوں کو دہرا لینا ہی نہیں بلکہ اپنے مافی الضمیر یا دوسرے کے مفہوم کو سمجھنا بھی زبان سیکھنے میں شامل ہے۔

بعض کے نزدیک قواعد کا سیکھنا ضروری بھی ہے اور بعض اس کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ ان چاروں مہارتوں میں دو کی حیثیت بنیادی ہے یا جس کو انگریزی میں Input کہا جا سکتا ہے یعنی سننا اور پڑھنا جب کہ دوسرے اجزا میں بولنا اور لکھنا ان اجزا کارِ دِ عمل، حاصل یا Output ہوتے ہیں۔

یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ بچہ بولنا سننے سے ہی سیکھتا ہے وہ اپنے ارد گرد کے ماحول میں جو کچھ اور جیسا کچھ سنتا ہے وہی سیکھتا ہے اور بولتا ہے اس کی زبان تلفظ، لہجہ، ذخیرۂ الفاظ سب اس کے ماحول کی دین ہوتے ہیں۔ جیسے ہی بچہ کسی تعلیمی ادارے میں جاتا ہے تو اس کو حروف کی پہچان اور ان کی آوازیں سکھائی جاتی ہیں اور اس کے بعد ان حروف کو اپنی کاپی یا تختی پر لکھنے کو کہا جاتا ہے جیسے جیسے وہ پڑھنا سیکھتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ لکھنا سیکھتا ہے۔ اس حوالے سے معین الدین لکھتے ہیں۔

تدریس اردو کے چار عام مقاصد بیان کیے جاتے ہیں:

1۔ آوازوں کے ذریعے یعنی بول کر مافی الضمیر کے اظہار کی مہارت پیدا کرنا۔

2۔ علامتوں کے ذریعے یعنی لکھ کر مافی الضمیر کے اظہار کی مہارت پیدا کرنا۔

3۔ سُنی ہوئی بات کو سمجھ کر تفاعل کی صلاحیت پیدا کرنا۔

4۔ لکھی ہوئی بات کو پڑھ کر تفاعل پر قدرت حاصل ہونا۔[6]

تدریس کا مطلب عام طور پر معلومات کا انتقال لیا جاتا ہے لیکن علم التعلیم میں اس کا مفہوم قدرے مختلف ہوتا ہے یعنی کسی بھی معنوں کو اس کے نفس مضمون کے ساتھ معیاری انداز سے پڑھنا جس میں اس کے نفسیاتی تقاضے پورے ہوتے ہوں اور آخر میں طلبہ اس قابل بھی ہو جائیں کہ حقائق کو دریافت کر سکیں۔

تدریس اصل میں ایک ترقی پذیر عمل ہے یہ کوئی ایسا ہنر نہیں جو کسی خاص وقت میں سیکھ لینے کے بعد انسان اس میں طاق ہو جائے بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو زندگی گزرنے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا جاتا ہے اور جیسے جیسے انسان کی زندگی کے تقاضے بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے اس میں بہتری آتی جاتی ہیں اور مہارت وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔

زبان کی تدریس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مکمل ماحول فراہم کیا جائے۔ پاکستان میں خاص طور پر تدریسِ اردو اور دوسرے کئی ترقی پذیر یا کم ترقی یافتہ ممالک میں بھی تدریس کا عمل بہت عمدہ نہیں لیکن پھر بھی مختلف ماہرین نے اس کے اصول و ضوابط مرتب کیے ہیں اور تدریس کا ایک پورا نظام بنایا ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی کے مطابق تدریس کے درج ذیل اصول ہوتے ہیں:

1۔ مقصد
2۔ ترتیب
3۔ انتخاب
4۔ تقسیم
5۔ مصروفیت
6۔ دلچسپی اور آمادگی
7۔ زندگی سے رابطہ
8۔ اجتماعیت / گروہی نظام
9۔ انفرادیت
10۔ مضامین میں ربط۔[7]

ان دس نکات میں تعلیم کا پورا عمل سامنے آجاتا ہے کچھ کام کمرۂ جماعت میں انجام دیے جاتے ہیں اور کچھ کام ایسے ہیں جو کمرۂ جماعت میں جانے سے پہلے ایک مدرس کو مرتب کرنے پڑتے ہیں جیسے ترتیب، انتخاب، تقسیم اور مضامین میں ربط ایک مدرس کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے ہی طے کرے گا یعنی وہ اپنے مضمون کے حساب سے مواد کے لیے آسان سے مشکل کی طرف ایک ضابطہ بنائے گا اور کچھ مواد اس کے لیے پہلے سے ترتیب دے گا اس سارے مواد کو مختلف حصوں میں تقسیم کرے گا کہ تدریس کے کس مرحلے اور کس نوعیت میں کیا چیز زیادہ سود مند ثابت ہو گی۔ جب کہ اس کے علاوہ وہ مواد کو مرتب کرنے میں اس بات کا

خیال بھی رکھے گا کہ جو مواد اس نے مرتب کیا ہے اور جو مضامین وہ پڑھانے جارہا ہے ان کے درمیان کوئی رابطہ یا تعلق بھی پیدا ہوا رہا ہے یا سب کچھ بکھرا ہوا اور الجھا ہوا ہے باقی عمل دورانِ تدریس کمرۂ جماعت میں سرانجام دیے جائیں گے۔

زبان کی بنیادی مہارتوں کی تدریس کے ماڈل:

زبان بنیادی طور پر مہارتوں کا مجموعہ ہوتی ہے اس لیے مختلف ضروریات کے تحت مختلف مہارتوں کا استعمال کر کے انسان اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ یہ مہارتیں بنیادی طور پر چار ہیں۔ ان کی تدریس کے ماڈل بھی ان کی اپنی خصوصیات کے حوالے سے ہیں۔

پڑھنے کی مہارت کے تدریسی ماڈل:

پڑھنا ایک ثانوی لسانی مہارت ہے پڑھنے کا عمل ایک سست اور ترقی پذیر عمل ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کسی بھی زبان کی ابتدا بولنے سے ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی زبان کو سیکھتا ہے تو وہ بولنا ہی سیکھتا ہے لیکن صرف بولنے والا شخص تعلیم یافتہ یا پڑھا لکھا نہیں کہلاتا۔ اس لیے کسی بھی زبان کی تعلیم حاصل کرنے میں لکھنے کا عمل بھی ضروری ہے۔

پڑھنا ایک ایسا عمل ہے جس میں عام طور پر انسان خود کلامی کی سی کیفیت سے دوچار رہتا ہے یعنی وہ پہلے سے سیکھے ہوئے الفاظ، حروف یا آوازوں کو دہراتا ہے اور ان کی سماعت کرتا ہے۔ اس عمل سے اس کے دماغ میں موجود اشارات کا ایک وسیع سلسلہ چلتا ہے جو ایک بتی کی طرح جلتا بجھتا رہتا ہے اور انسان دماغ پر اشارے کو ایک ترتیب دیتا جاتا ہے اور اس ترتیب کے پیچھے ایک مکمل عمل ہوتا ہے جو ان اشاروں کے مفہوم کو سمجھتا ہے اور یہ بات سلسلہ وار چلتی رہتی ہے اس طرح انسان حروف سے لفظ اور لفظوں سے تصورات اخذ کر کے پڑھتا ہے اور اس طرح جملے پورا عمل واضح کرتے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک جملہ، "احمد آیا تھا" پڑھا جائے تو اس میں بظاہر تین لفظ ہیں لیکن انسانی دماغ اس میں موجود دس حروف سات آوازوں ایک جنس ایک فعل، ایک زمانہ، ایک ترتیب نحوی کی تصورات سے گزرتا ہے جب کہ لکھنے میں بھی یہ پورا عمل ہوتا ہے اور انسان لفظوں کو آوازوں، آوازوں کو حرفوں، حروف سے لفظ میں منتقل کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں ہوتا کہ انسان ان سب چیزوں سے واقف بھی ہو کہ اس کے

اندر کیا چل رہا ہے۔

پڑھنے کے عمل کو سلیم فارانی نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1۔ حروف شناسی یا ابجد خوانی

2۔ عبارت خوانی

3۔ مطالعہ۔[8]

اگر ان تینوں عناصر کو مد نظر رکھا جائے تو مختلف زبانوں میں اس کی نوعیت مختلف ہو گی۔ دنیا کی بڑی بڑی زبانوں کو پڑھنے اور لکھنے کے حوالے سے عام طور پر تین طرح کی خصوصیات ہیں:

1۔ الگ الگ حروف والی زبانیں

2۔ تصویری زبانیں

3۔ پیچیدہ حروف والی زبانیں

پہلی قسم کی زبانیں ایسی ہیں جن میں حروف کو عام طور پر الگ الگ لکھا جا سکتا ہے اور لفظ بنانے کے لیے وقفے کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے رومن رسم الخط میں لکھی جانے والی تمام زبانیں، یورپ کے بیشتر ممالک کی زبانیں بھی اسی طرز سے لکھی جاتی ہیں۔ کسی حد تک ہندی اسی طرز میں لکھی جاتی ہے اور لفظ بنانے کے لیے حروف کو ایک خط سے ملایا جاتا ہے اور بعض آوازوں اور علامتوں کو ظاہر کرنے کے لیے کچھ ماترے لگائے جاتے ہیں۔ دوسری طرح کی زبانیں ایسی ہیں جن کو لکھنے میں کسی صوتی نظام کی مدد نہیں لی جاتی بلکہ الفاظ کی جگہ مختلف شکلیں بنائی جاتی ہیں اور ہر ایک شکل میں بعض اوقات کئی ذیلی شکلیں موجود ہوتی ہیں جو الگ الگ مختلف آوازوں کی حامل ہوتی ہیں لیکن مل کر ان کی آوازیں اور ہو جاتی ہیں ان کی مثال چینی، جاپانی اور تبتی زبان وغیرہ ہیں۔

تیسری طرح کی زبانیں وہ ہیں جن میں عام طور پر عربی، فارسی رسم الخط یا ابجد رائج ہے۔ ان میں حروف کو ملا کر لفظ بنائے جاتے ہیں اور مختلف حروف مختلف طرح سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ان کے جوڑ لگانے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور ایک ہی حرف کئی کئی شکلیں تبدیل کرتا ہے۔ عربی، فارسی قدیم ترکی کے علاوہ اردو کا شمار بھی ایسی ہی زبانوں میں ہوتا ہے اس لیے اگر ہم یہاں سلیم فارانی کی رائے کے پہلے حصے کو دیکھیں تو پہلی اور تیسری قسم کی زبانوں میں حروف شناسی ہو سکتی ہے لیکن دوسری قسم کی زبان میں

حروف شناسی ممکن نہیں کیوں کہ اس زبان میں حروف موجود ہی نہیں ہوتے جب کہ آخری طرح کی زبانوں میں کیوں کہ عام طور پر حروف اپنی شکلیں تبدیل کرتے ہیں اس لیے انہیں ابجد شناسی میں صرف حروف کی ابتدائی شکل کو یاد رکھنا ہی نہیں پڑتا بلکہ ایک ہی حروف کی کئی کئی شکلوں کو یاد رکھنا پڑتا ہے۔ اردو بھی ایسی ہی زبانوں میں سے ایک ہے جس میں حروف کی شکلوں کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی آوازوں میں جو تنوع پیدا ہوتا ہے اس کو یاد رکھنا اور بعض اوقات مختلف حروف کے ایک دوسرے سے ملنے سے آوازوں میں پیدا ہونے والے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

ابجد خوانی کے بعد عبارت کو پڑھنا ضروری ہے، عبارت میں حروف کی بجائے الفاظ کی پہچان ضروری ہے۔ پہلی دو طرح کی زبانوں میں عبارت کے لفظوں کی پہچان کر لینے کے بعد ان کو پڑھنا آسان ہے یعنی ایسی زبانیں جن میں حروف کو ملایا نہیں جاتا ہے ان میں الفاظ بنانے کے لیے ہر لفظ میں ایک مناسب وقفہ دیا جاتا ہے جس سے ایک لفظ دوسرے سے مختلف کرنا آسان ہوتا اور ہر لفظ ایک کے بعد ایک نظر آتا ہے۔

دوسری طرف تصویری رسم الخط میں بھی ہر تصویر الگ الگ ہوتی ہے جس کی بِنا پر ان میں فرق کرنا قدرے آسان ہے۔

لیکن تیسری طرح کی زبانوں میں ایسا کرنا کچھ مشکل امر ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ حروف کی شکلیں بدلتی ہیں اس لیے پیچیدہ حروف جیسے: چار حرفی یا اس سے زیادہ حروف پر مشتمل لفظوں میں آوازوں کو پہچاننا جب کہ دوسری طرف لفظوں میں وقفہ نہ ہونے کی وجہ سے ان حروف کی الگ الگ پہچان یعنی کون سا حرف کہاں سے شروع ہو رہا ہے اور کہاں ختم ان میں فرق کرنا مشکل ہے۔

اُردو زبان بھی ایسی زبانوں میں سے ایک ہے جس میں عام طور پر حرکات یا علامات علت لگانے کا رواج بھی موجود نہیں، جس کی بنا پر حروف کی اصل آواز کی پہچان کرنا مشکل ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہ اردو میں حروف اپنی ذیلی شکلوں میں آ کر دوسرے حروف سے مل سکتے ہیں۔ اس لیے مختلف لوگ مختلف طریقے سے لکھتے ہیں کبھی دو دو حروف جو عام طور پر ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں ان کو ملا کر لکھ دیا جاتا ہے۔ جیسے کے لیے، کیلیے، کون سے، کونسے، ان کی، انکی، ایسی ہی ایک الجھن سابقوں لاحقوں یا تراکیب میں بھی موجود ہے بعض احباب کی رائے میں تراکیب میں الفاظ الگ الگ لکھے جانے چاہیے بعض کے خیال میں ملا کر لکھنا بہتر ہے جیسے: چونکہ، چوں کہ، سخنور، سخن ور، شاہکار، شاہ کار، قلمبند، قلم بند وغیرہ جیسے الفاظ کو پڑھنا ایک مشکل کام ہے۔

ڈاکٹر سلیم فارانی کی رائے میں آخری شے تفہیم ہے کہ کسی عبارت کو پڑھ لینے کے بعد اس کے مفہوم کو سمجھا جا سکے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ قاری زبان کے مزاج، ثقافت، محاورات، مرکبات، علم بیان کی کچھ نہ کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔

پڑھنا سکھانے کے لیے دنیا میں مختلف ماڈل رائج ہیں۔ ڈاکٹر سلیم فارانی، معین الدین، ڈکٹر عطش درانی وغیرہ نے مختلف ماڈل اپنی کتابوں میں پیش کیے ہیں۔ درج ذیل طریقے ہیں:

1۔ ترکیبی و تحلیلی طریقہ۔
2۔ صوتی طریقہ۔
3۔ لفظ داری کا طریقہ۔
4۔ جملہ داری کا طریقہ۔
5۔ قصہ داری کا طریقہ۔

ان طریقوں کو الگ الگ دیکھا جا سکتا ہے۔

ترکیبی طریقہ:

یہ ایک روایتی طریقۂ تدریس ہے اس طریقے کو معین الدین نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ حروف تہجی کا طریقہ۔
2۔ صوتی طریقہ۔[9]

جب کہ عطش درانی نے اس کو نصابی طریق یا طریق تہجی قرار دیا ہے۔[10] اس طریقے کو سب سے قدیم ترین طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ طلبہ کو حروف کی شکلیں اور ان کے نام یاد کروائے جاتے ہیں پھر ان حروف کی الگ الگ پہچان کرائی جاتی ہے۔ ان حروف کی آوازوں کو ملا کر چھوٹے چھوٹے لفظ بنوائے جاتے ہیں اور ان سے پیچیدہ الفاظ اور حرکات یا علامات علت سکھائے جاتے ہیں اس طرح آہستہ آہستہ طلبہ آوازوں کو پہچان لیتے ہیں اور پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

جب کہ صوتی طریقہ میں اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں بس فرق اس طریقے میں یہی ہے کہ حروف تہجی کے نام سکھانے کے بجائے ان کی اصوات سکھائی جاتی ہیں مثال کے طور پر "الف" (ا) کا نام اور آواز الگ الگ بتانے میں صرف صوت متعارف کرایا جائے گا۔ اس کا قاعدہ یہ ہوتا ہے بچے پڑھ بھی جاتے ہیں، لکھنا بھی

سیکھ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی لکھتے ہیں: "بچوں کو ہر لفظ کے ایک ایک حرف کی اچھی طرح شناخت ہو جاتی ہے بچے اپنے طور پر حروف کی مدد سے الفاظ بنانے کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں۔ "[11] جب یہ طریقہ بچوں کو سکھایا جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کو کچھ تصویریں بھی دکھائی جاتی ہیں جن کی ناموں کی ابتدائی آوازیں ان حروف سے شروع ہوتی ہیں۔

تحلیلی طریقے:

یہ ترکیبی طریقے کی نسبت جدید طریقہ ہے اس طریقے میں ترکیبی طریقے سے متضاد انداز میں سکھانے کی سفارش کی جاتی ہے معین الدین کا خیال ہے کہ "یہ طریقہ قدیم ترکیبی طریقے کے رد عمل یا اس کے خلاف احتجاج کے طور پر سامنے آتا ہے"۔[12]

لفظ داری طریقہ:

اس طریقے میں سب سے پہلے بچوں کو کچھ ایسے الفاظ سکھائے جاتے ہیں جن کو وہ پہلے سے ہی بول سکتے ہی عام طور پر اسما سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس میں استعمال ہونی والی آوازوں کو الگ الگ کیا جاتا ہے اور بچوں کو ایک ایک آواز کی پہچان کرائی جاتی ہے اس کے بعد ان آوازوں کے حروف بنائے جاتے ہیں ۔ مثلاً پہلے بچے کو آم کی تصویر دکھائی جاتی ہے اور لفظ پوچھا جاتا ہے اس کے بعد اس لفظ کی پہلی آواز "آ" کی پہچان کرائی جاتی ہے دوسری یا آخری آواز "م" کی پہچان اس طرح سے ایک لفظ کو دو حروف میں یا ایک کلمہ کو دو اصوات میں تبدیل کر کے سکھایا جاتا ہے ڈاکٹر سلیم فارانی لکھتے ہیں: "اس میں ایک لفظ مکمل طور پر دکھایا اور کہلایا جاتا ہے متعلم اسے ایک وحدت کی حیثیت سے دیکھتا ہے اس کی طرف اس کی توجہ شکل، آواز، معنی تینوں لحاظ سے بیک وقت منعطف کرائی جاتی ہے۔ "[13] یہ ایک ایسا طریقۂ تدریس ہے جس میں لفظوں کی تحلیل کر کے ان کی آوازیں سکھائی جاتی ہیں اس میں دلچسپی کا عنصر حروف تہجی والے طریقے سے زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ بچے حروف کی بجائے الفاظ میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اس طرح وہ لفظ اور آوازیں ایک ساتھ سیکھتے ہیں۔

جملہ داری طریقہ:

جملہ داری طریقہ بھی تحلیلی طریقہ تدریس ہے اس میں مدرس لفظ کی بجائے پورے جملے کا انتخاب کرتا ہے اس جملے کو لکھ دیتا ہے اور ساتھ میں اس سے متعلق کوئی تصویر یا حرکت دکھائی جاتی ہے۔[14]

تدریس کے اس طریقے میں دو پہلو نمایاں ہوتے ہیں پہلا تو یہ کہ جملہ لفظ سے زیادہ با معنی اور سمجھ میں

آنے والی شے ہوتا ہے اس لیے طالب علم اس میں لفظ داری طریقے سے زیادہ دلچسپی لیتا ہے دوسری طرف اس طریقے میں اسما و افعال کے علاوہ صفات، جذبات و احساسات وغیرہ کی ترجمانی بھی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح طالب علم پر اس کے ذریعے نہ صرف لفظ اور حرف بلکہ جملہ اور اس کے ارکان قواعد اور جملے کی ترتیب وغیرہ بھی واضح ہو جاتی ہے۔

قصہ داری کا طریقہ:

قصہ داری کے طریقے میں بھی تمام روایتی اقدامات کیے جاتے ہیں جن کو جملہ داری کے طریقے میں بیان کیا گیا ہے لیکن ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مقداری طریقے میں طالب علم زیادہ دلچسپی سے کہانی سنتا ہے۔ اس کہانی میں اس کی دلچسپی کی وجہ سے اس کو سیکھنے، اس کی ساخت کو سمجھنے یا اس جیسی کہانی لکھنے یا کہنے پر آمادگی کا اظہار کرتا ہے جو بعد میں اس پر واضح کر دی جاتی ہیں۔

اوپر دیے گئے تمام طریقوں میں اپنی اپنی خوبیاں اور خامیاں ہیں اور جیسے کہ ترکیبی طریقے میں دلچسپی کا عنصر کم ہے اور یہ کسی نفسیاتی پہلو کو بھی واضح نہیں کرتا بلکہ ایک طرح سے چیزیں بچوں کو رٹا دی جاتی ہیں جب کہ تحلیلی طریقوں میں دلچسپی کا سامان تو موجود ہوتا ہے لیکن طالب علم الفاظ کی ذیلی شکلوں سے ناآشنا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حروف کی پہچان اور ان کے تلفظ کی غلطیاں بار بار کرتے ہیں۔ اور ان کو یاد رکھنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی طریقہ مکمل یا کامل نہیں۔ بلکہ اس میں مدرس کی مہارت علم اور تجربہ ہی سب سے بہتر شے ہے جو طالب علموں کو زبان سیکھنے میں مدد دیتا ہے۔

لکھنے کی مہارت کے تدریسی ماڈل:

لکھنا ایک ہنر ہے اور پڑھنے کے آؤٹ پٹ (out put) یا نتیجہ ہے۔ عام طور پر پڑھنا اور لکھنا ایک ساتھ سکھایا جاتا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں رسم الخط اپنے مزاج کے حوالے سے مختلف ہوتے ہیں جن کا انحصار زبان کی نوعیت پر ہوتا ہے۔ بعض زبانوں کے رسم الخط صوتی بنیادوں پر ترتیب دیے جاتے ہیں اور بعض زبانوں نے دوسری زبانوں سے اخذ کیے ہوتے ہیں۔ لہٰذا رسم الخط بنیادی طور پر کسی زبان میں موجود آوازوں کی علامتوں کا نظام ہوتا ہے جس کو استعمال کر کے کوئی شخص اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ لکھنا بولنے کا قائم مقام ہوتا ہے لیکن بولنے میں انسان حرکات و سکنات، اشارات وغیرہ سے اپنے احساسات و جذبات کی ترجمانی

کرتا ہے لیکن تحریر میں ان کے اظہار کے لیے مختلف علامتوں سے مدد لی جاتی ہے۔ لکھنے کی مہارت کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ حروف نویسی

2۔ انشاپردازی

عام طور پر زبان کی بنیادی مہارتوں میں حروف نویسی کو سب سے پہلے سیکھا جاتا ہے اردو میں اس طریقے کو ابجد نویسی بھی کہا جاتا ہے ابتدائی درجوں میں یا چھوٹی کلاسوں میں اس میں کافی محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس میں بچوں کو لکھنے کی طرف راغب کرنا، قلم پکڑنے کا ہنر سکھانا، حروف کی نوعیت کے حساب سے دائرے، اور لکیریں، سکھانا، ڈرائنگ کرانا اور زیادہ سے زیادہ ایسا ماحول مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے کہ بچے اس کو سیکھنے پر آمادگی ظاہر کریں۔

ابجد نویسی کے چند مشہور اور مقبول طریقوں میں معین الدین اور سلیم فارانی ابجدی طریقہ، پستالوزی طریقہ، مانٹسوری طریقہ اور پڑھو اور لکھو کا طریقہ بتاتے ہیں جب کہ نسرین زہرا نے پورنے اور نقل کا طریقہ بھی متعارف کرایا ہے۔[15]

ابجدی طریقے میں پڑھنا سکھانے کے مختلف طریقوں میں سے ایک قدیم طریقہ ہے اس کو الف بائی طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طریقے میں طالب علم کو کسی بھی زبان کے بنیادی حروف سکھائے جاتے ہیں اور ان کی مختلف شکلوں سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ رومن حروف والی زبانوں میں وقفہ دینا حروف کو جدا کرنا اور چھوٹے چھوٹے حروف لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ جب کہ ابجد رسم الخط والی زبانوں میں حروف لکھنا ان کی ذیلی شکلیں بنانا اور ان کے جوڑ لگانا سکھائے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ نفسیاتی طریقوں سے میل نہیں دکھاتا بلکہ یہ حروف کی ترتیب کے ساتھ ہی سکھایا جاتا ہے اس لیے اس کو سیکھنا دلچسپ نہیں۔

پستالوزی طریقہ (Pestalozzi method)

پستالوزی سوئس ماہر زبان اور مدرس تھا۔ اس نے پوری زندگی تعلیم اور تدریس تعلیم کے حوالے سے کام کیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ تعلیم ہر انسان سیکھ سکتا ہے اگر اس کو نفسیاتی طریقوں سے پڑھایا جائے تو، خاص طور پر اس کا کہنا تھا کہ تعلیم حاصل کرنے میں بچوں کو صرف پڑھانا ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایسی جگہ اور ماحول مہیا کرنا ہے کہ جس میں بچے خود کو اجنبی محسوس نہ کریں بلکہ اس ماحول میں گھل مل کر علم حاصل کریں۔ پستالوزی کا ماننا

تھا کہ سیکھتے وقت انسان کا صرف دماغ ہی اس کی مدد نہیں کرتا بلکہ اس کا پورا جسم اس کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ اپنے دل، دماغ، ہاتھ، آنکھوں یعنی پورے جسم کو جب تک اس عمل میں شامل نہیں کرتا وہ سیکھ نہیں سکتا۔

پستالوزی کا خیال ہے کہ بچوں کو لکھنا سکھانے سے پہلے ان میں صرف اور صرف لکیریں لگانا سکھائی جائیں یعنی وہ سیدھی اور ترچھی اور افقی اور عمودی لکیریں لگانا سیکھ لیں جب وہ سیکھ جائیں گے تو اس کے بعد ان کو قلم پکڑنا اور اس کو استعمال کرنا آسان محسوس ہو گا۔ اس عمل کے بعد ان لکیروں کو جوڑ کر ان کو حروف بنانا سکھائے جائیں تو وہ بہت جلدی سیکھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی لکھتے ہیں: "پستالوزی نے ایک طریقہ ایجاد کیا تھا اس نے حروف کو خط مستقیم اور خط منحنی میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد لکھنا سکھانے کے لیے اس نے خط کشی کی مشق پر زور دیا۔"[16] یہ طریقہ بنیادی طور پر رومن رسم الخط سکھانے کا طریقہ ہے کیوں کہ رومن رسم الخط عام طور پر ان دو طرح کے خطوط سے مل کر ہی بنتا ہے۔ اس لیے ان خطوط کی مشق کے بعد طالب علم اس قابل ہو جاتا ہے کہ حروف کو آسانی سے لکھ سکے۔

دوسری زبانوں کے حروف بنانے میں بھی یہ طریقہ کار آمد ثابت ہو سکتا ہے جیسے اردو، ہندی، چینی رسم الخط وغیرہ میں بھی یعنی خط کی نوعیت جس طرح کی ہو گی اس کے لیے پہلے صرف لکیروں کی مشق کرائی جائے گی اس کے بعد ان کو ملا کر حروف بنائے جاسکتے ہیں اور پھر لفظوں میں بدلا جاسکتا ہے۔

مانٹسوری کا طریقہ (Montessori Method)

ماریہ مونسٹری یا مانٹی سوری کا تعلق اٹلی سے ہے جو کہ ایک خاتون ماہر فزیشن اور ماہرِ تعلیم تھیں، انھوں نے تعلیم دینے کا ایک سائنسی طریقہ دریافت کیا۔ ان کے ہاں بنیادی نظریہ تو چھوٹے بچوں کو ابتدائی تعلیم دینے کا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ابتدا میں بچوں کو پڑھانا ضروری نہیں بلکہ ان کو ایسا ماحول مہیا کرنا ضروری ہے جس میں وہ خود کو پڑھنے کی طرف راغب کر سکیں اور اس کے ساتھ ساتھ بچہ جس طرف راغب ہو تعلیم کا رُخ اسی طرح موڑ دینا چاہیے تا کہ وہ اپنی مرضی اور پسند کی چیز سیکھ سکے۔

لکھنا سکھانے کے حوالے سے انہوں نے ایک طریقہ ایجاد کیا کہ لکڑی یا کسی بھی دوسری کھردری شے سے حروف کو کاٹ لیا جائے اور اس پر بچوں کو انگلی پھیرنے کو کہا اس طریقے کو ایک حسیاتی طریقہ بھی کہا جاسکتا ہے جس میں بچے محسوس کر کے حروف لکھنا سیکھ سکتے ہیں۔ اس ضمن میں معین الدین نے لکھا ہے:

"بنیادی طور پر یہ حسیاتی طریقہ ہے۔ سکھانے کے خاطر حروف کی شکلیں لکڑی، گتے

یا ریگ مال پر کاٹ لی جاتی ہیں ان پر بچے انگلی پھیرتے ہیں اس طرح حروف کی شکلیں
بچوں کے ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔"[17]

اس طریقے کی بھی اپنی خوبیاں اور خامیاں ہیں جو مختلف زبانوں کے سکھانے میں سامنے آسکتی ہیں۔ بعض زبانیں تو اس طرح سیکھ لینے میں آسان ہو سکتی ہیں لیکن دوسری کئی زبانیں مشکل ہوں گی جیسے اردو، عربی، فارسی وغیرہ حروف کا کاٹنا تو شاید آسان ہو لیکن لفظوں کو کاٹنا انتہائی مشکل عمل ہے اور حروف کی کئی کئی شکلیں نہیں کاٹی جاسکتیں۔

پُورنے اور نقل کا طریقہ:

یہ مشرقی انداز ہے جس سے ایک طویل عرصے سے استاد بچوں کو لکھنا سکھا رہے ہیں۔ اس طریقے سے بچوں کو لکھنا بہت جلدی اور اچھی طریقے سے آجاتا ہے۔ نقل کے طریقے میں استاد خوش خط انداز میں تختہ سیاہ یا کسی چارٹ وغیرہ پر حروف اور لفظ لکھ دیتا ہے اور بچوں کو کہا جاتا ہے کہ ان کی نقل کرنے کی کوشش کریں جو بچے کچھ دقت محسوس کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پکڑ کر قلم کو حرکت دینا سکھاتا ہے اس طرح سے بچے نقل کر کے سیکھ جاتے ہیں۔

پورنے کے انداز میں استاد لفظوں کی مدد سے یا پھر کسی کچی پنسل سے تختی وغیرہ پر حروف اور لفظ لکھ دیتا ہے اور بچے ان حرفوں اور لفظوں کے اوپر اوپر اپنا قلم پھیرتے ہیں اور اس طرح سے وہ لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور لکھنا سیکھ جاتے ہیں۔

"بچوں کو حروف لکھنے کی مشق کرانے کے لیے پنسل یا چاک سے حروف لکھ کر دیے
جاتے ہیں جن کے اوپر وہ قلم پھیرتے ہیں اس عمل کو پورنے کہتے ہیں اسی طرح
بچوں کو ایک نمونہ دے کر اس کی نقل کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔"[18]

یہ بھی ایک قدیم طریقہ ہے جدید دور میں ایسے حروف پر مشتمل مشقی کاپیاں بازاروں میں دستیاب ہوتی ہیں جن کو ورک بک (Work book) کہا جاتا ہے۔ ان پر پہلے بچوں کو مشق کرائی جاتی ہے اس کے بعد بچے خود ہی لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض استاد تو تیر کے نشان سے حروف کی سمت بھی ظاہر کر دیتے ہیں کہ قلم کو کس رخ سے چلانا ہے جیسے اردو میں "ن" لکھنے کے قلم کو دائیں سے بائیں حرکت دی جاتی ہے جب کہ "ع" لکھنے کے لیے قلم کو بائیں سے دائیں حرکت دی جاتی ہے اسی طرح جو بچے انگریزی میڈیم سکولوں سے پڑھتے ہیں وہ

بعض اوقات "ب" یا اس طرح کے دوسرے حروف کو بائیں سے دائیں لکھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی عادت راسخ ہو جاتی ہے اور املا میں خوش خطی بھی نہیں آتی اور رفتار بھی سست رہتی ہے۔

مندرجہ بالا پیش کیے گئے مختلف طریقوں کو بیشتر مغربی ماہرین تعلیم نے پیش کیا ہے جن کے سامنے رومن رسم الخط تھا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقے ابتدائی درجوں میں سکھانے کے لیے کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں لیکن ہر طریقے میں خوبیاں اور خامیاں موجود ہیں۔ زبانوں کے مزاج اور رسم الخط کے مزاج اور نوعیت کے ساتھ ساتھ موجود مسائل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے اردو اور اس طرح کی دوسری زبانوں اور پاکستان جیسے محدود وسائل والے ملک میں جدید سہولیات کا فقدان بھی بعض طریقوں کو قابل عمل ہونے سے روکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی لکھنا سکھانے کے لیے استاد کا طریقہ اس کا مزاج اس کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا خط بھی معنی رکھتا ہے جو نہ صرف بچوں کو لکھنا سکھانے کے لیے مددگار ہو سکتا ہے بلکہ بچوں میں اس بات کا شوق بھی پیدا کر سکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح خوب صورت لکھیں۔

سننے کی مہارت کے تدریسی ماڈل:

سننا ایک قدرتی عمل ہے جو ہر ذی روح کو قدرت نے ودیعت کیا ہے لیکن جدید تحقیق کہتی ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ سے سننے کا عمل شروع کر دیتا ہے اور اس کے مطابق ردِ عمل بھی کرتا ہے۔ سننا دو طرح کا ہے انگریزی میں سننے کے حوالے سے دو طرح کے لفظ استعمال ہوتے ہیں یعنی Listing and Hearing دونوں میں کچھ فرق ہے Hearing سے مراد ہر طرح کی آوازوں کو سننا ہے جیسے ہم شور کی آواز سنتے ہیں جب کہ Listing کا مطلب ہے کسی آواز کو سن کر اس کی تفہیم کرنا یا اس پر رد عمل ظاہر کرنا ہے۔

ان میں سے پہلا عمل قدرتی ہے جب کہ دوسرا اکتسابی یعنی انسان سننا تو پیدائش سے پہلے ہی شروع کر دیتا ہے جب کہ اس کی سمجھ وہ وقت اور تجربے سے حاصل کرتا ہے عام طور پر بچے اپنی مادری زبان سیکھتے ہیں۔ اس کے بعد کئی طرح کی زبانوں اور بولیوں سے ان کا زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔

لیکن جب کوئی شخص نئی زبان سیکھتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زبان بنیادی مہارتیں حاصل کرے، ڈاکٹر عطش درانی اردو کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں: "خاص طور پر جن کے لیے اردو ثانوی زبان ہے۔ انھیں سننا بولنا سکھانا ضروری ہے۔"[19] اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ثانوی زبان کو سیکھنے

کے لیے ضروری ہے کہ اس کو سننا بھی سکھایا جائے تا کہ طالب علم سن اور بول سکے۔ سننے کے عمل سے انسان میں بولنے کے لیے احساسات، جذبات و خیالات کی ترسیل ہوتی ہے۔[20] اس لیے سننے کی مشق نہایت ضروری ہے تا کہ طالب علم کے خیالات میں اضافہ اور بولنے کے لیے اس کے پاس ذخیرہ الفاظ جمع ہو سکے اور وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار بہتر طریقے سے کرنے کے قابل ہو سکے۔

مختلف ماہرین نے سننے کی مہارت سکھانے کے لیے مختلف طریقے متعارف کرائے ہیں۔ معین الدین کے مطابق مختلف نوعیت کی آوازیں، بات چیت، گفتگو یا کہانی سنا کر بولنا سکھایا جا سکتا ہے۔[21] جب کہ پروفیسر نسرین زہرا اور عطش درانی نے فطری طریقہ، تلازمی طریقہ، تکراری طریقہ موسیقی کا طریقہ، حکم کا طریقہ، صوتی امتیاز کا طریقہ، پیالی کا طریقہ، اور سمعی و بصری معاونت کا طریقہ بتائے ہیں۔[22]

یہ تمام طریقے کسی بھی زبان کو سکھانے کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل یوں ہے۔

فطری طریقہ:

سننا ایک فطری عمل ہے اور انسان سننا فطری طریقے سے سیکھتا ہے۔ فطری طریقہ ٹریسی ٹیرل (Tracy Terrell) کا پیش کردہ ہے۔ ٹیرل یونیورسٹی آف کیلیفورنیا میں زبان کا استاد تھا اور اس نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ زبان کی تعلیم اور تحقیق پر صرف کیا۔ ٹیرل کے ساتھ اس کے ایک دوست کریشن نے بھی کام کیا۔ ٹیرل کا خیال ہے کہ زبان کسی اصول یا ضابطے یا قاعدہ سے نہیں سکھائی جا سکتی کیوں کہ زبان سیکھنا ایک نفسیاتی عمل ہے۔ اس حوالے سے عطش درانی کا خیال ہے "اس طریقے میں طالب علم کی مقامی زبان اور قواعد کی مدد کے بغیر زبان سیکھنے پر زور دیا جاتا ہے۔"[23] ٹیرل کے مطابق کہ جس طرح بچہ زبان اپنے ماحول یا والدین سے سیکھتا ہے اور اس عمل کے دوران وہ کسی سے قواعد کی مدد نہیں لیتا اور والدین بھی جب بچے کی اصلاح کرتے ہیں تو صرف اس کو درست جملہ یا لفظ بتاتے ہیں نہ کہ کوئی قاعدہ یا اصول۔ جیسے جیسے بچے کے ماحول میں تبدیلی آتی جاتی ہے ویسے ویسے وہ نئے الفاظ اور جملے سیکھتا جاتا ہے اور یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور بچہ آہستہ آہستہ زبان بولنے لگتا ہے۔

ٹیرل نے اسی کو بنیاد بنا کر نظریہ پیش کیا کہ بچے کو تعلیم دینے کے لیے وہی طریقہ اپنانا چاہیے جو نفسیاتی یا راست طریقہ ہے اس سے زبان کو بولنا آسان ہو جاتا ہے۔

تلازمی طریقہ:

تلازمی طریقہ طالب علم کو عمل اور ردِ عمل کے طریقے سے سکھایا جاتا ہے۔ تلازم سے مراد تصورات کا آپس میں ربط ہے کوئی بھی زبان بنیادی طور پر تلازمات کا ہی نظام ہوتی ہے مختلف آوازیں جن کو کلمہ کہا جاتا ہے اپنے پیچھے ایک تصور رکھتی ہیں، جیسے اگر کوئی شخص لفظ کتاب بولتا یا سنتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک شبیہ بنتی ہے۔ جس میں کاغذ، تحریر، موضوع، جلد بندی، سیکھنے کا تصور سب شامل ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص گائے کا لفظ سنتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک پورا تصور ہوتا ہے کہ ایک جانور ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، دودھ دیتی ہے وغیرہ۔

تو اسی تصور کو سامنے رکھتے ہوئے تلازمی طریقے سے تدریس کی جاتی ہے۔ یعنی طالب علم کو مختلف آوازیں ان کی تصویروں کے ساتھ دکھائی جاتی ہیں۔ اور اس تکرار سے اس کے دماغ میں آواز اور شکل کے درمیان ایک تلازمہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم کو جیسے ہی کوئی تصویر دکھائی جاتی ہے وہ اس کے نام سے آگاہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی کہتے ہیں:

> "تلازم تصورات کے باہمی ربط ہی کا تو نام ہے چنانچہ ضروری ہے کہ آوازوں اور ان کے مفاہیم، تصورات، بصری پہلو کے تلازم کو تدریس سماعت کا حصہ بنایا جائے سمعی، بصری معاون اسی تلازم کو پختہ کرنے کے لیے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔[24]

تلازم (association) سے مراد ہی یہ ہے کہ انسان کے تخیل اور دماغ میں موجود چیزوں کا آپس میں تعلق، لہٰذا انسان کے دماغ میں موجود تصورات ہی الفاظ کے ساتھ مل کر آوازوں، لفظوں یا جملوں کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔ تلازمی طریقے میں طالب علم کے دماغ میں مختلف آوازوں کے ساتھ تصورات کو جوڑ کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ اس لفظ کی آواز یا تحریری شکل کو دیکھ کر اس تصور کو ذہن میں لاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ یہ عمل غیر ارادی ہو جاتا ہے۔

اس طریقے سے الفاظ اور جملوں کو درست تلفظ میں ادا کر کے طالب علم کو سنایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کو تصویریں یا پھر کوئی عمل دکھایا جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اس کے دماغ میں آوازیں پختہ ہو جاتی ہیں اور وہ سن کر مفہوم کو سمجھنے لگتا ہے۔

تکراری طریقہ:

جیسے نام سے ظاہر ہے کہ یہ طریقہ آوازوں کی تکرار پر مبنی ہے۔یعنی سننا سکھانے کے لیے آوازوں کو بار بار سنایا جاتا ہے۔اور سن سن کر طالب علم ان آوازوں کو دماغ میں محفوظ کرتا جاتا ہے۔یہ ایک فطری طریقہ ہے کہ بچہ جب زبان بولنے لگتا ہے تو وہ اس زبان کے بار بار سننے سے یعنی تکرار الفاظ سے سیکھتا ہے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح وہ خود بخود سن کر ہی کر لیتا ہے۔اسی طریقے سے نئے سیکھنے والوں کو بھی زبان سکھائی جاتی ہے کہ وہ لفظ اور جملے آوازیں وغیرہ بار بار سنتے ہیں اور ان کو وہ غیر ارادی طور پر اپنے دماغ میں محفوظ کرتے جاتے ہیں اور یہ آوازیں وہ کچھ ہی وقت میں سیکھ کر بولنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

طریق موسیقی:

موسیقی کو روح کی غذا کہا جاتا ہے، شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کو آہنگ یا سر اچھا نہ لگتا ہو۔ہر دور اور ہر عمر میں انسان کو سر میں دلچسپی رہتی ہے۔چھوٹے بچوں کو لوریاں سنائی جاتی ہیں۔لوگ اپنی خوشی اور غمی کے اظہار کے مختلف گیت گاتے ہیں۔جنگوں میں ترانے بجائے جاتے ہیں جو دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لیے ہوتے ہیں یا پھر جوش کو بڑھانے کے لیے۔

اسی طرح انسان سر میں کہی گئی بات کو یاد رکھ سکتا ہے۔عموماً بچوں کو اسباق کی بجائے نظمیں ازبر ہوتی ہیں اس کی اصل وجہ بھی نظم میں موجود آہنگ ہے۔

اس بات کے پیش نظر موسیقی کے طریقے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ابتدائی سطح پر حروف تہجی، یا قاعدہ، اس کے بعد بنیادی جملے، ان کی ساخت، بچوں کے گیت اور نظمیں وغیرہ کو آہنگ سے بڑھ کر اور بول کر سکھایا جائے تو اس سے سیکھنے میں آسانی ہوتی ہے اور سننے والے کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔جماعت میں اگر باقاعدہ موسیقی کا اہتمام ہو سکے اور گیت گانے، کورس گانے پر توجہ دی جا سکے تو اس سے زبان سیکھنے میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔عطش درانی اپنی کتاب تدریسات اردو میں بھی اس طریقے کے استعمال کو سود مند سمجھتے ہیں۔

حکمیہ طریقہ:۔

یہ طریقہ ایک سرگرمی کی حیثیت رکھتا ہے۔اس طریقے سے معلم طلبا کو کچھ حکم دیتا ہے اور طالب علم اس کو سمجھ کر اس پر ردِ عمل کرتا ہے۔اس طریقے سے عام طور پر کچھ اعمال یا حرکات سکھائی جا سکتی ہیں۔یعنی استاد کسی خاص بچے کا نام پکار کر اس کو کھڑا ہونے کا کہے گا تو وہ کھڑا ہو گا یا وہ پڑھنے کا حکم دیتا ہے تو بچہ اس کے

مطابق عمل کرتا ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی کا خیال ہے کہ "متن کو سمجھنے کی تربیت دینے کے لیے حکم پر عمل کرنے کا طریقہ بہت مناسب رہتا ہے"[25]

جبکہ راقم کی رائے میں اس طریقے سے زبانوں میں فرق کو سکھانا اور بعض قواعد کی تدریس میں انتہائی مشکل پیش آئے گی یا شاید ناممکن ہو گی۔ اس سے صرف حرکات و سکنات ہی سکھائی جا سکتی ہیں۔

صوتی امتیاز کا طریقہ:۔

زبان چونکہ آوازوں کا نظام ہے، اس لیے کہ انسان اپنے مخصوص اعضائے تکلم سے مختلف آوازیں پیدا کر سکتا ہے۔ بعض آوازوں کے مخارج بہت قریب ہوتے ہیں۔ لکھنے میں تو لفظوں میں موجود حروف کو مختلف لکھا جاتا ہے۔ لیکن پڑھتے یا بولتے وقت ان میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا ہے۔ اردو زبان کی ہی اگر مثال لی جائے تو بہت سے ایسے حروف ہیں جن کے مخارج بہت قریب ہیں جیسے ا، اور ع، ت اور ط، ق اور ک، ز، ض، ذ، ظ وغیرہ جیسے حروف جن کو بولنے میں بہت فرق نہیں کیا جاتا اسی طرح، خ اور کھ، ج اور ذ، غ اور گ وغیرہ کی آوازیں بھی بعض اوقات بولنے میں ملا دی جاتی ہیں۔ اس طرح نئے سیکھنے والے ان آوازوں میں فرق کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔

صوتی امتیاز کے طریقے میں طلبہ کو قریب کے مخارج سے ادا ہونے والے الفاظ بار بار سنائے جاتے ہیں اور ان میں فرق کرنے کو کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر عطش درانی کہتے ہیں مشابہ آوازوں اور حرفوں کی شکلوں میں فرق کی یہ مشق ابتدا کی جماعتوں میں بہت ضروری ہے۔[26]

اردو میں خاص طور پر اس طریقے کی مشق کرائی جانی لازمی ہے کیونکہ اردو میں بہت سے حروف اور آوازیں مشابہ ہیں یا پھر بہت قریب کی ہیں۔ جن میں فرق سیکھنا ایک ضروری عمل ہے۔

زبان سننا سکھانے کے جتنے بھی طریقے اوپر بیان ہوئے ہیں یہ سب کے سب مفید ہیں۔ ہر کسی کی افادیت اپنی جگہ ایک الگ حیثیت رکھتی ہے۔ ہر طریقہ زبان کے کسی نہ کسی پہلو کو احاطہ کرتا ہے۔ جن میں سننے اور تفہیم حاصل کرنے میں نہ صرف طلبہ کی مدد ہوتی ہے بلکہ اس کی مشق سے وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ زبان کو سن اور سمجھ کر سیکھ سکیں اور ساتھ ہی اس کو بولنے میں بھی استعمال کر سکیں۔

بولنے کی مہارت کے تدریسی ماڈل:۔

کسی بھی زبان میں بولنا سب سے اہم اور ضروری عنصر ہوتا ہے۔ کوئی بھی زبان جاننے کا مطلب ہی اصل میں اس زبان کو بول پانا ہے کیونکہ زبان کا معیار نہ ہی اس کے قواعد ہیں اور نہ ہی اس کی تحریر۔ بلکہ زبان بنتی ہی بولنے سے ہے اور بولنا ہی ایسا عمل ہے جس سے زبان کا معیار متعین ہوتا ہے۔

مقامی اور غیر ملکی طلبا میں جو بنیادی چند فرق ہیں ان میں سے ایک زبان کا بول سکنا بھی ہے۔ مقامی طالب علم نے زبان سنی بہت ہوتی ہے اس لیے اس کو بولنے میں دشواری کا زیادہ سامنا نہیں کرنا پڑتا اور وہ ساتھ ہی وہ زبان کو کسی حد تک بولنا شروع کر دیتا ہے۔ کیونکہ سننے سے اس کے پاس بنیادی ذخیرہ الفاظ، بنیادی آوازیں، اور کسی حد تک زبان کا ڈھانچہ اس کے دماغ میں پہلے سے ہی موجود ہوتا ہے جس کو وہ استعمال کر کے اس سے اپنی مرضی سے نئے جملے بنا کر اپنے ماضی الضمیر کا اظہار کر سکتا ہے۔

بولنا سکھانے کے تدریسی ماڈل کچھ زیادہ وضع نہیں کیے گئے بس چند ایک ہی ایسے طریقے ہیں جو بولنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔

بولنا سکھانے میں غیر ملکی طلبا کو جو دشواری ہوتی ہے وہ ان کی عمر کا مسئلہ ہوتا ہے۔ چھوٹے بچوں میں جھجھک نہیں ہوتی۔ وہ غلط صحیح ہر طرح سے بولتے جاتے ہیں اور اپنی اصلاح خود کرتے جاتے لیکن بالغ طالب علم میں بہت زیادہ جھجھک پائی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ساتھیوں سے، اساتذہ سے اور ارد گرد کے لوگوں سے جھجھک کے باعث صلاحیت ہونے کے باوجود بولنے کی کوشش نہیں کرتا۔ ڈاکٹر عطش درانی نے اردو تدریسات میں چند طریقے بیان کیے ہیں جن میں

- گفتگو
- مشاہدات کا بیان

بنیادی طریقے ہیں ان ہی کی ذیل میں کہانی، لطیفہ گوئی، پیام رسانی، مکالمہ بحث وغیرہ کو رکھا ہے۔[27]

جبکہ سلیم فارانی نے اس میں پیغام رسانی اور تصویروں کی وضاحت کو بھی شامل کیا ہے۔

مکالمے کا طریقہ:۔

یہ ایک سادہ طریقہ ہے جس میں طالب علموں کو روزمرہ زندگی کے معمولات کے بارے میں کوئی موضوع دیا جاتا ہے اور اس حوالے سے چند ایک جملے بنا کر ان کے سامنے وضاحت کر دی جاتی ہے اور ساتھ ہی

اس موضوع سے متعلق الفاظ بھی ان کو دے دیے جاتے ہیں۔ پہلے طالب علم دیے گئے جملوں کو سمجھتے ہیں اور پھر ان کی مشق کرتے ہیں۔ استاد ساتھ ساتھ اصلاح کرتا جاتا ہے اور طالب علم ان کو سمجھ کر یاد کر لیتے ہیں۔ بعد میں وہ استاد کے ساتھ دہراتے ہیں اور پھر وہ آپس میں گفتگو کے انداز میں ان ہی جملوں کو بولتے ہیں۔ بعد میں ان کو نئے الفاظ شامل کرنے کا کام دیا جاتا ہے جس کا سہارا لے کر وہ خود سے نئے جملے بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چند ہی ہفتوں میں وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ کچھ بنیادی جملے بول سکیں اور ان سے ملتے جلتے جملے خود سے بنا سکیں۔ اس عمل سے مسلسل گزرنے کے بعد طالب علم اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ چند ایک ایسے جملے بنا سکے جو وہ اپنی کلاس میں سیکھ چکا ہوتا ہے۔ اور یہ ہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جس سے طالب علم اپنی جھجھک کو ختم کرتا ہے اور نئی زبان کو بولنا شروع کرتا ہے۔

تصویر کی وضاحت:۔

یہ بولنا سکھانے کا دوسرا مرحلہ ہے۔ جب طالب علم چند سادہ جملے بنا لینے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس میں اس بات کا حوصلہ پیدا ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ نئی زبان بول سکتا ہے۔ اس کے بعد اس کے سامنے چند سادہ تصاویر رکھی جاتی ہیں۔ جن میں مختلف لوگ روزمرہ کے کام سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ طالب علم کو کہا جاتا ہے کہ اس تصویر کے متعلق چند جملے بنائے جو وہ آسانی سے بنا سکتا ہے۔ اس تصویر میں موجود چیزوں سے متعلق اسما اور افعال وغیرہ پہلے ہی یا پھر ساتھ ساتھ اس کو بتا دیے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنی پوری توجہ جملہ بنانے پر مرکوز کرے نہ کہ لفظ تلاش کرنے پر۔

اس طریقہ میں سادہ سے پیچیدہ تصاویر کی طرف طالب علم کو منتقل کیا جاتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ بغیر جھجھک کے جملے بنانے لگتا ہے۔

اس سے اگلا مرحلہ وڈیو دکھانے کا ہے جس میں طالب علم کو کچھ وڈیو دکھائی جاتی ہیں۔ جن میں مختلف طرح کے مناظر اور حرکات و سکنات کو پیش کیا جاتا ہے طالب علم کو کہا جاتا ہے وہ بار بار اس وڈیو کو دیکھے، بالترتیب اس میں چیزوں کے نام، جانداروں کے نام، اس میں ہونے والی حرکات و سکنات اشیا ارد گرد کے ماحول رنگ،، تعداد وغیرہ کے متعلق پہلے پہل استاد سوال کرے جس کے جواب میں طالب علم مختصر جملے بنالیں۔ اس طرح دوسرے طالب ان جملوں کو سنیں اور لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیں بعد میں اس سے متعلق سوال کیا جائے کہ طالب علم چند جملوں میں اس کا خلاصہ کریں تاکہ وہ رواں بات کر سکیں۔

تیسرے مرحلے میں ایسی وڈیو دکھائی جائیں جن میں باتیں اور حرکات آپس میں میل کھاتے ہوں جیسے کوئی ڈاکومینٹری یا کسی ڈرامے کا حصہ وغیرہ اور طالب علم سے کہا جائے کہ اس حصے کو غور سے سنے اور اس عبارت کو سن اور سمجھ کر اس کے مطابق بولنے کی کوشش کرے۔ اس طرح سے وہ ان باتوں اور جملوں کو سن کر اور سمجھ کر ان کی نقل کرنے کی کوشش کریں گے۔

کہانی سنانے کا طریقہ:۔

یہ ایک کارآمد طریقہ ہے جس طالب علم کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے من پسند موضوع پر چند جملے بولے یا وہ کوئی واقعہ کہانی یا آپ بیتی کچھ بھی سنا دے انسان چاہے کسی بھی عمر میں ہو اس کو کہانی سننا اور کہنا پسند ہوتا ہے اور وہ اپنی کوشش سے واقعات کو مجتمع کر کے ان کو بیان کرنے کے واسطے دلچسپ بنانے کی کوشش کرتا ہے جس سے انسان بے اختیار اپنی صلاحیت اور ذخیرہ الفاظ کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس طریقہ میں طالب علم اپنی سہولت سے بولتا ہے۔ لفظوں کا اتار چڑھاؤ اور درست ادائیگی کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں بالغ طلبا سے ان کی بچپن کی یادیں، ان کے یادگار سفر، ان کے پسند کے موضوعات، کھیل، لوگ، کتابیں یا دوسرے علمی موضوعات پر سادہ اور ہلکی پھلکی آرا طلب کی جا سکتی ہیں۔ ان کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے بچپن میں پیش آنے والے دلچسپ واقعات سنائیں۔ طالب علم کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے اور مختصر جملوں کی مدد سے کہانی شروع کرے اور جب وہ کہانی سنا رہا ہو تو اس کو درمیان میں ٹوکنا درست نہیں کیونکہ اس طرح ایک تو حوصلہ شکنی ہوتی ہے دوسری طرف طالب علم کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے طالب علم مزید کچھ بول نہیں پاتا۔

پیغام رسانی کا طریقہ:۔

یہ ایک دلچسپ طریقہ ہے اس میں نہ صرف طالب علم سن کر سمجھنا ہوتا ہے بلکہ اس کو یاد رکھ کر دوسرے کو منتقل بھی کرنا ہوتا ہے۔ اور اس طرح قوت سماعت، قوت حافظہ اور پھر قوت گویائی کی مشق اور تربیت ایک ساتھ ہوتی ہے۔

اس طریقہ میں طالب علم کو مختصر آسان اور واضح الفاظ میں پیغام دیا جاتا ہے اور وہ طالب علم اس پیغام کو دوسرے طالب علم تک پہنچاتا ہے۔ اس عمل میں طالب علم ایک استاد کی بات سنتا ہے اور پھر وہ دوسرے طالب علم کے سامنے اس کو بیان کرتا ہے۔ ہم جماعت سے اس کی جھجک کم ہوئی ہوتی ہے اور روانی سے اپنی

بات کو اس تک پہنچاتا ہے۔ اس طرح طالب علموں میں ذہنی نشوونما ہوتی ہے اور جب اس عمل کو سراہا جاتا ہے تو ان کے حوصلے بھی بڑھتے ہیں۔

بات چیت کا طریقہ:۔

یہ بالکل سادہ اور آسان فہم طریقہ ہے اس میں کچھ زیادہ پیچیدگی نہیں ہے۔ بس استاد اور طالب علم غیر رسمی انداز میں آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ استاد سوال کرتا ہے جبکہ طالب علم اس کے جواب میں بولتا جاتا ہے۔ یہ سوال زیادہ مشکل نہیں ہوتے بلکہ آسان اور روزمرہ زندگی سے متعلق ہوتے ہیں، اس طرح سے بنیادی بول چال کے ذریعے مزید جملے طالب علم بولتا ہے۔ پھر اس سے اس کی پسند، ناپسند، اس کے اسباب وغیرہ کے متعلق سوال کیے جاتے ہیں۔ اس طرح اس کے مشاہدات مشاغل یا مرغوب اشیا سے متعلق پوچھ لیا جاتا ہے۔ اور یوں طالب علم اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ بات چیت کر سکیں اور آہستہ آہستہ بولنے کے قابل ہوتے جائیں۔

مندرجہ بالا تمام طریقے مختلف سطح پر اور مختلف درجو کے طلبا کو زبان کی مختلف مہارتیں سکھانے کے لیے مختلف اردو میں مختلف ماہرین نے پیش کیے ہیں، ان طریقوں کی خوبیاں اور خامیاں اپنی جگہ لیکن جب عملی طور پر زبان کسی بھی ملکی یا غیر ملکی طالب علم کو سکھائی جاتی ہے تو اس وقت مختلف مقاصد، مختلف مراحل اور مختلف ضرورتوں کے تحت ان میں اکثر طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

ج۔ تدریس زبان کے مباحث:

زبان کی تدریس، تعلیم یا آموزش ایک سائنس بھی ہے اور فن بھی ہے۔ زبان سیکھنا اور سکھانا مدت سے ایک فن کے طور پر لیا جاتا رہا ہے۔ لوگ اس فن میں مہارت رکھنے والوں کو اچھا معلم سمجھتے رہے ہیں۔ اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ اس فن میں جتنی مہارت ہو گی طالب علم اتنا ہی اچھا سیکھ پائے گا۔ لیکن زبان کی تدریس کو کبھی سائنس کے طور پر نہیں لیا گیا تھا۔

زبان سکھانے کے قدیم طریقوں میں صرف حروف، الفاظ اور قواعد وغیرہ سکھائے جاتے تھے۔ اس سب کے لیے ادب کو بنیاد بنایا جاتا تھا اور نصاب عام طور پر مروج ادب یعنی داستان، کہانی، شاعری وغیرہ پر مشتمل ہوتا تھا اور لغت کی صورت بھی عام طور پر شاعری تھی۔

جدید دور نے آکر جہاں ہر شے کو سائنس بنا دیا ہے اور علوم کی سائنسی بنیادیں تلاش کرنا شروع کی ہیں وہیں زبان کے علم کو بھی سائنس کا درجہ دیا گیا اور زبان کے سائنسی مطالعے کو لسانیات (Linguistic) کا نام دیا گیا اور اس سائنسی مطالعے سے ہی زبان کی تدریس بھی سائنسی اصولوں پر ہونے لگی۔ اس جدید سائنس نے تعلیم دینے کے نہ صرف جدید طریقے دریافت کیے بلکہ زبانوں کی تدریس کے سائنسی، نفسیاتی، عملی اور عالمگیر طریقہ دریافت کیے جس سے زبانوں میں مہارت تیز اور بہتر ہونے لگی۔

زبان کی تدریس اس وقت تین مختلف طرح کے طلبا کو کی جاتی ہے۔ ایک ایسے لوگ جو اپنی مادری زبان سیکھ رہے ہیں۔ دوسری طرح کے لوگ وہ ہیں جو کسی زبان کو بطور ثانوی زبان سیکھتے ہیں۔ تیسری طرح کے لوگ وہ ہیں جو کوئی اجنبی زبان یا غیر ملکی زبان کو سیکھ رہے ہوتے ہیں۔

مادری زبان تو ہر کوئی گھر اور ماحول سے سیکھتا ہے، اس کی تعلیم و تدریس میں زیادہ دقت نہیں اٹھانا پڑتی جبکہ ثانوی زبان سے مراد ایسی زبان ہے جو کسی شخص کی مادری زبان تو نہیں لیکن وہ اس علاقے، ملک یا خطے کی لنگوا فرینکا ہے۔ لوگ اپنی مادری یا علاقائی زبانوں کے ساتھ اس زبان کو بھی روزمرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں جیسے پاکستان میں لوگوں کی زبان پنجابی، سندھی، بلوچی، کشمیری، پشتو، گلگت بلتستان کی زبان ہے، لیکن وہ ساتھ ہی اردو کو بھی ثانوی زبان کے طور پر سیکھتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں ہندی، چین میں چینی، انگلستان میں انگریزی زبان وہاں کے مقامی لوگوں کے لیے بھی بعض اوقات ثانوی زبان ہے۔

زبان کی تدریس میں مادری اور ثانوی زبان میں کچھ ابتدائی مہارتوں کے علاوہ کوئی خاص مشکل نہیں ہوتی بلکہ ایک ہی طرح سے سیکھی اور پڑھی جا سکتی ہے یعنی طالب علموں کی تفہیم میں کوئی بڑی مشکل نہیں ہوتی۔ (تفصیلات آگے آئیں گی۔)

مادری اور ثانوی زبانوں کے لیے یہاں مقامی زبان نیز غیر ملکی زبانوں کے لیے اجنبی زبانوں کی اصطلاح استعمال کریں گے۔ مقامی زبان کی تعلیم و تدریس اور اجنبی زبان کی تعلیم و تدریس میں کئی طرح کے فرق ہوتے ہیں۔ پہلا فرق سننے کا ہے، مقامی زبان سیکھنے سے پہلے طالب علم کی سننے کی مشق ہوتی ہے اور وہ اس وقت سے ہو رہی ہوتی ہے جب طالب علم نے ابھی زندگی کا شعور بھی حاصل نہیں کیا ہوتا۔ جب طالب علم سکول یا کمرہ جماعت میں آتا ہے تو اس وقت وہ آوازوں کی پہچان کر سکتا ہے، وہ جملے بول سکتا ہے، جملے کی ساخت کو سمجھ رہا ہوتا ہے۔ جب اس کو قاعدے یا تختہ تحریر پر کوئی شکل نظر آتی ہے تو اس کا نام بول سکتا ہے،

وہ سوال کرنے کی اپنی خواہش اور ضرورت کا اظہار کرنے کے قابل ہوتا ہے، وہ آوازوں میں فرق کر سکتا ہے۔ اس کا سبب اس کا اسی علاقے سے متعلق ہونا ہے۔ اس لیے جب طالب علم کو قاعدہ (Primer) دیا جاتا ہے اور اس پر بنی تصویر سے متعلق سوال پوچھا جاتا ہے تو اس وقت وہ نہ صرف اس سوال کو سمجھ جاتا ہے بلکہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ لہٰذا مقامی زبان کا طالب علم آدھا کام تو پہلے سے کر چکا ہوتا ہے یعنی وہ سننے اور بولنے کی مہارت حاصل کر کے ہی سکول آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کو اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اکثر چیزیں ماحول سے سیکھ چکا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اجنبی زبان کے طالب علم کو اور طرح کے مسائل درپیش ہوتے ہیں یعنی جب وہ کوئی زبان سیکھنا شروع کرتا ہے تو اس کو چار مہارتوں پر عبور حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کو سننا اور پھر تفہیم کرنا بالکل نہیں آتا۔ اس اجنبی زبان کی تدریس میں سب سے پہلا قدم بنیادی آوازوں کی تدریس کا ہوتا ہے۔ اس میں طالب علم کو مختلف آوازوں کو سننا سکھایا جاتا ہے۔ صوتی مماثلتوں میں فرق کرنے کی تدریس کی جاتی ہے جس سے طالب علم مختلف آوازوں میں فرق کر سکتا ہے۔

مقامی اور اجنبی زبانوں کی تدریس میں دوسرا فرق قواعد کا ہے۔ مقامی زبان کا طالب علم اپنی زبان کو قواعد کے بغیر بولتا اور سیکھتا ہے بلکہ کہا جاتا ہے مادری یا مقامی زبان کی تدریس میں قواعد کی تدریس ضروری نہیں ہے کیونکہ بچہ خود ہی زبان کو سیکھتا ہے اور سن کر اصلاح کرتا ہے۔ وہ غلط جملے بولتا ہے اور غلطیوں کی اصلاح بھی وہ خود ہی کرتا جاتا ہے جو وہ بچپن میں کرتا رہا ہوتا ہے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے جب وہ پڑھنے کے قابل ہوتا ہے تو جملے کی تفہیم اس کے لیے زیادہ مشکل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اجنبی زبان کا طالب علم نہ ہی آوازوں سے مانوس ہوتا ہے، نہ ہی اسما و افعال سے اور نہ ہی جملے کی ساخت سے۔ یہ بات درست مانی جاسکتی ہے کہ زبان کی تدریس میں قواعد کی تدریس اضافی بوجھ ہوتا ہے اور اس کے بغیر بھی زبان سکھائی جاسکتی ہے۔ لیکن پھر بھی ابتدائی سطح پر جملے کی ساخت، سادہ، سوالیہ، منفی جملے اور زمانے کے ساتھ ساتھ تذکیر و تانیث، واحد جمع کے اصول وغیرہ سے روشناس کرانا ضروری ہوتا ہے تاکہ طالبعلم کچھ زبان سیکھ لینے کے بعد اس قابل ہو جائے کہ وہ خود جملے بنانے یا اپنی رائے کا اظہار کرنے اور سوال جواب کرنے کے قابل ہو سکے۔

تیسرا فرق کلچر کا ہے ماہرین زبان کو ایک زندہ شے تصور کرتے ہیں اور کوئی بھی زبان کسی بھی خاص علاقے کے کلچر کا حصہ ہوتی ہے اور اس علاقے کے رسم و رواج، رہن سہن، کھانے پینے کی عادات، لباس،

معاشرت، معیشت، عقائد، مذہب یہاں تک کہ احساس و جذبات سے لے کر فلسفے تک کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ کسی بھی زبان کو سمجھنے کے لیے اس علاقے کے کلچر کا جاننا انتہائی ضروری ہے اور اسی طرح کسی بھی کلچر کو سمجھنے کے لیے اس کی زبان کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

ہر انسان اپنے کلچر کو اپنے ارد گرد سے سیکھتا ہے اور یہ کلچر اس کی سوچ اس کی فہم اس کی عادت کا حصہ بن جاتا ہے اور الگ سے اپنی پہچان رکھتا ہے۔ اسی لیے جب کوئی مقامی طالب علم کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے آتا ہے تو وہ اس کی تفہیم میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا کیونکہ وہ ان رسم و رواج ان عادات و اطوار سے واقفیت رکھتا ہے۔

اجنبی زبان کی تدریس میں یہ ایک مشکل مرحلہ ہے کہ وہ استاد جہاں زبان کی تدریس کرے اس کے ساتھ ہی وہ زبان کا روزمرہ سکھانے کے لیے کلچر کی وضاحت بھی کرے گا جو نہ صرف ایک اضافی عمل ہے بلکہ طلبہ پر ایک طرح سے بوجھ بھی بنتا ہے۔

کلچر کی تفہیم میں ایک خاص شے مختلف خطوں میں عقائد کا فرق ہے۔ ہر خطہ اپنے رسم و رواج، اپنی روایت، اپنے تہواروں کو اپنے عقائد سے جوڑتا ہے اور کسی بھی عقیدے کے پابند لوگ دوسرے عقائد کو قبول کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ کبھی ان کی عادات اور کبھی ان کا اپنے عقیدے پر کٹر پن ان کی اس تفہیم میں رکاوٹ ہوتا ہے جس کی بنا پر مدرس کے لیے یہ کام دشوار ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ عقائد کی وضاحت کر پائے اور عقائد کی بنیاد پر زبان کے روزمرہ کی آموزش کر سکے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق

> A culture is the way of life of human group. It includes all the learnt and standardized forms of behavior which one uses and which others in one's group expect and recognize.[28]

انسائیکلوپیڈیا کے مطابق کلچر زندگی گزارنے کا طریقہ ہے جو پورے معاشرے نے اختیار کیا ہوتا ہے، اس کے معیار مقرر کیے ہوتے ہیں اور اس کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ اس لیے ضروری طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان کسی بھی کلچر کا بنیادی جزو ہے جس کے ذریعے وہ اپنے عقائد، اپنے رسم و رواج، اپنے معاملات، مہارتیں، خیالات و نظریات، ادبیات یعنی اس سے متعلق وہ تمام چیزیں جو ایک معاشرہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے

وہ اپنی اگلی نسلوں کو منتقل کرتا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کلچر کے حوالے سے لکھتے ہیں

''ثقافت کے معنی لسان العرب کے مطابق علوم و فنون و ادبیات پر قدرت و مہارت، کسی چیز کو تیزی سے سمجھ لینا اور اس میں مہارت حاصل کرنا، سیدھا کرنا۔ گویا یہ لفظ ان چیزوں سے تعلق رکھتا ہے جن کا تعلق ہمارے ذہن سے ہے۔''[29]

ڈاکٹر جالبی نے ثقافت کا تعلق ذہن سے بتایا ہے یعنی ذہن میں آنے والے تصورات اور ادبیات سے۔ یہ تمام چیزیں زبان کی محتاج ہیں کیونکہ زبان ہی ایسا وسیلہ ہے جس سے انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور اپنے جذبات و خیالات اور مہارتوں کو دوسرے لوگوں تک منتقل کرتا ہے۔

اس لیے زبان کے طالب علم کے لیے سب سے مشکل امر کسی زبان علاقے کے کلچر کو سمجھنا ہوتا ہے کیونکہ کسی کلچر کے ہر شعبے میں الفاظ، افعال، اسما مختلف اور مختلف المعانی ہوتے ہیں جن کو یاد رکھنا، سمجھنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ اس سے ہٹ کر زبان کلچر کے پورے نظام کو جنم دیتی ہے جس میں ہر سطح کا ہر طرح کا اعلیٰ سے ادنی، امیر سے غریب اچھے سے برے غرض ہر طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور اپنی اپنی زبان کا استعمال کرتے ہیں زبان کسی بھی معاشرے کا عکس ہوتی ہے جو اس کے تمام تر تقاضوں کو نبھاتی ہے۔ جیسے لوگ ہوں گے ویسا ہی نظام حیات ہو گا جیسا کھانا پینا، رہنا سہنا ہو گا اس علاقے کی زبان بھی ویسی ہی ہو گی۔ مثال کے طور پر زرعی معاشروں میں جانور کی عمر اور کیفیت کے لحاظ سے کئی نام بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح اناج اور پھلوں کی نوعیت کے لحاظ سے ایک ہی فصل یا پھل کے کئی کئی نام ہوتے ہیں جو الگ الگ کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح معاشرہ جیسے جیسے طبقوں میں تقسیم ہوتا جاتا ہے ان طبقات سے زبان میں بھی تنوع آتا جاتا ہے۔ ہر طبقہ اپنا الگ نظریہ اور الگ عادات و خصائل رکھتا ہے جو ہر سطح پر نئے خیالات کو جنم دیتا ہے اور زبان تبدیل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا خیال ہے کہ ''کلچر زبان میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے زبان کلچر کی ایک اہم ترین علامت ہے جیسا کلچر ہو گا ویسی زبان ہو گی جیسی زبان ہو گی ویسا کلچر ہو گا۔''[30] اسی طرح معاشرہ ایک فلسفہ حیات بھی رکھتا ہے جس میں مذہب اور عقائد کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ عقائد اور مذہب اس علاقے کے آرٹ پر خصوصی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جیسے ہندوستان کا ماحول ہندو عقائد پر بنیاد گزار ہے اور یہ عقائد ہندوستان کے ہر فن میں نظر آتے ہیں چاہے وہ رقص و سرور ہو، مصوری و سنگ تراشی یا پھر شعر و نغمہ۔ اسی طرح جب یہاں اسلام نے اپنے پاؤں جما لیے تو عقائد میں بھی تبدیلی آئی اور آرٹ بھی بدلنے لگا۔

بھجنوں اور اشلوکوں کی جگہ منقبت، حمد و نعت نے لے لی اور ایک نئے فلسفے نے ہندوستانی زندگی میں اپنا رنگ جمانا شروع کیا اور لباس، عقائد اور عبادات کا نظریہ بھی بدل گیا۔ اس طرح معاشرتی طبقات کے ساتھ ساتھ مذہبی طبقات بھی پیدا ہونے لگے ان طبقات میں تعلیم یافتہ، کم تعلیم یافتہ، غیر تعلیم یافتہ لوگوں نے اس تمام نظام کو اپنے اپنے نقطہ نظر، طرز حیات کے مطابق اپنالیا اور یوں معاشرے کے تقاضے بدلتے گئے اور زبان بھی تبدیل ہوتی گئی، اور معاشرہ اپنی ضروریات کے مطابق زبان کو بدلتا جاتا ہے۔ ڈاکٹر جالبی کا کہنا ہے کہ

> ''زندہ زبان معاشرتی تقاضوں سے وجود میں آتی ہے اور خیال اور احساس کے ایک ایسے نظام کو جنم دیتی ہے جس کے ذریعے زبان کا تعلق معاشرے کے مختلف طبقوں سے یکساں ہو جاتا ہے جس میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ، ادنیٰ اور اعلیٰ اور چھوٹے اور بڑے سب یکساں طور پر اپنی اپنی ضروریات اور صلاحیت کے مطابق شریک ہو جاتے ہیں۔[31]

اگر دیکھا جائے تو زبان الفاظ و جملوں، قواعد کا نام نہیں ہوتی۔ ایسے میں اگر کوئی شخص کسی زبان کے ذخیرہ الفاظ، قواعد اور دیگر تمام لوازمات کو سیکھ لیتا ہے تو بھی وہ زبان کو درست انداز میں بول سکنے کے قابل نہیں ہوتا اور نہ وہ زبان کو جاننے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ زبان کا علم حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کچھ وقت اس علاقے میں گزارا جائے لوگوں کے ساتھ بات چیت کی جائے جس سے مذکورہ زبان منسوب ہے تاکہ وہاں کے رہن و سہن، رسم و رواج، نظریات و عقائد وغیرہ کو سمجھا جا سکے۔

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مقامی زبان اور غیر ملکی زبان کو سیکھنے میں بہت بڑا بنیادی اور اہم ترین فرق کلچر سے متعلقہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی علاقے کی زبان کو سیکھنا چاہے تو اس کے لیے کلچر کو سیکھنا یا کم از کم کچھ وقت تک اس کلچر کا گہرا مشاہدہ کرنا ضروری ہے۔

زبان کی تدریس کے اغراض و مقاصد:۔

زبان کی تعلیم سیکھنے اور سکھانے والے فریقین کے لیے سب سے اہم شے مقاصد یا اغراض ہیں۔ کیونکہ سیکھنے والا اس بات کو طے کرتا ہے کہ وہ کیا اور کیوں سیکھنے جا رہا ہے۔ جبکہ سکھانے والا یعنی معلم یہ جانے بغیر کہ کوئی اس زبان کو کیوں سیکھنا چاہ رہا ہے۔ اپنا لائحہ عمل تیار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جب تک تدریس میں کیوں، کب، کیسے وغیرہ جیسے سوالات کی کھوج لگا کر ان کے جواب کی تکمیل کے لیے کوئی طریقہ نہیں بنایا جائے گا۔ اس وقت تک تدریس کی ابتدا ہی نہیں کی جا سکتی۔ بغیر مقصد کے تدریس بھٹکے ہوئے مسافر کا سفر ہے

جو شاید دیکھ تو بہت سی جگہیں لے گا لیکن کسی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ مقاصد تعلیم دو ہیں۔

1۔ عمومی

2۔ خصوصی

عمومی اغراض:۔

عمومی اغراض وہ ہیں جن کی بنیاد کسی خاص زاویے پر نہیں رکھی جاتی۔ بلکہ یہ کلی مقاصد ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کا اطلاق تدریس کے کسی خاص پہلو پر نہیں ہوتا بلکہ تعلیم کی تمام جزئیات پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔ ماسوائے کوئی خاص مقصد حاصل کرنے کے لیے تدریسی مواد کی چند ضروریات کو بدلا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم فارانی نے اپنی کتاب میں اردو زبان اور اس کی تعلیم ان پانچ عمومی مقاصد کی نشان دہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں تدریس اردو کے تمام مقاصد کی پانچ صورتیں ہیں۔

1۔ معاشرتی 2۔ سیاسی 3۔ ثقافتی 4۔ معاشی 5۔ علمی۔[31]

معاشرتی مقاصد سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی زبان کو معاشرے میں ایک فرد کی حیثیت سے بول، سن، پڑھ یا لکھ سکے، اس کی معاشرتی ضرورت میں مافی الضمیر کے اظہار کی صلاحیت کو پیدا کرنا یا بیدار کرنا شامل ہے۔ سادہ الفاظ میں زبان کسی معاشرے میں رابطے کا ذریعہ ہے اور اس کی عملی وضاحت انسان کے معاشرتی مقاصد ہیں۔

سیاسی مقاصد سے مراد یہ ہے کہ کسی قوم کا آپس میں اتحاد اور اتفاق بعض نظریات پر انحصار کرتا ہے اور یہ ہی نظریات کسی قوم کو بناتے ہیں۔ ان نظریات کی ترسیل کے لیے زبان ایک آلہ ہے۔ اس طرح مغربی ممالک نے انگریزی زبان کو فروخت کیا اور اپنے عالمی طاقت بننے میں اس سے مدد لی زبان کی مدد سے ہی انہوں نے اپنے نظریات کو دنیا میں پھیلایا۔

ثقافت کے جو عناصر گنوائے جاتے ہیں ان میں سے ایک اہم عنصر زبان ہے۔ ثقافت میں نیکی بدی، اچھائی برائی، فکر و تفہیم، فلسفہ غرض کہ ہر شعبہ زندگی کے نظریات موجود ہوتے ہیں۔ ان تمام نظریات کی اصطلاحات زبان میں مختلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا زبان، تہذیب، اخلاق، تخیل وغیرہ کی ترسیل کے ساتھ ساتھ ثقافت کی ترسیل اور فروغ کا سبب بھی بنتی ہے۔

معاشی مقاصد سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان کی سب سے بڑی ضرورت اس کی معاشی ضرورت ہے۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان عام طور پر زبان اس لیے بھی سیکھتا ہے کہ وہ دفتر، تجارت یا جو بھی وہ ذریعہ معاش اپنائے اس میں وہ لوگوں سے رابطے کے لیے کوئی نہ کوئی زبان استعمال کرے گا کیونکہ زبان کے بغیر ایسا کرنا ناگزیر ہے۔

جبکہ علمی مقاصد سے مراد یہ ہے کہ انسان تحصیل علم کے لیے اپنے تصورات اور تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما کے لیے علوم وفنون کو سیکھے اور علم کی دنیا میں داخل ہو کر اپنی معلومات، مطالعہ اور تجربات کو تقویت دے سکے۔

مندرجہ بالا تعلیم کے ایسے مقاصد ہیں جو ہر انسان کے مقاصد ہیں۔ وہ کوئی عالم ہو یا جاہل ہر جگہ ہر صورت حال اور ہر طرح کی ضروریات کے پیش نظر وہ کوئی نہ کوئی زبان ضرور سیکھتا ہے۔ اس طرح سکھانے والے استاد یا ادارے ان مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا کوئی نہ کوئی لائحہ عمل تشکیل دیتے ہیں۔ یا پھر اپنے نصاب مرتب کر سکتے ہیں۔

خصوصی اغراض:۔

زبان کو سیکھنے میں خصوصی مقاصد عام طور پر ثانوی یا غیر ملکی زبان میں ہی سامنے آتے ہیں۔ کیونکہ نئی یا غیر ملکی زبان کی تعلیم اور تدریس کے لیے سب سے پہلے طالب علم کوئی نہ کوئی مقصد طے کرتا ہے یہ مقاصد کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ:۔

1۔ کاروباری اغراض
2۔ علمی اغراض
3۔ دفتری ضروریات
4۔ شوق

زبان سیکھنے کے مقاصد میں کئی طرح کے مقاصد شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن کاروباری اغراض سب سے پہلے آتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس وقت دنیا جب ایک عالمی گاؤں کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ اس میں سب سے بڑی ضرورت کاروبار ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنے کاروباری مقاصد کے لیے دوسری زبانیں سیکھ رہے ہیں۔ جیسے اگر کوئی بھی شخص اپنے کاروبار کو دنیا بھر میں چلانا چاہتا ہے تو اس کے لیے انگریزی زبان سیکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ دنیا میں اس وقت رائج رابطے کی زبان انگریزی ہے۔ دوسری طرف کاروبار کی سرحدیں

اگر عرب ممالک میں چلانا چاہیں تو اس مقصد کے لیے عربی کا سیکھنا لازمی ہے۔

کاروبار کی غرض سے غیر ملکی زبان سیکھنے کا سب سے قدیم اور پرانا طریقہ ہے۔ ہمیشہ سے سے تاجر دوسرے ممالک کا سفر کرتے رہے اور زبانیں سیکھتے رہے ہیں۔ اردو زبان کی ابتدائی تدریس بھی فورٹ ولیم کالج سے شروع ہوئی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا منصوبہ تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کو سیاسی مقاصد بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کمپنی کا ابتدائی مقصد کاروباری تھا۔

علمی غرض میں ایسے مقاصد شامل ہیں جو عام طور پر ایسے لوگوں کے ہوتے ہیں جن کی کسی زبان پر پہلے ہی مہارت ہوتی ہے۔ علمی مقاصد میں پہلے نمبر پر ایسے لوگ آتے ہیں جو مختلف اداروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور علمی ادبی خدمات کو انجام دینے کے لیے کسی دوسری زبان کو سیکھتے ہیں۔ جیسے کوئی استاد کسی ادارے سے وابستہ ہو یا وہ کسی بیرونی ملک میں جا کر تعلیم دینا چاہتا ہے تو وہ وہاں کی زبان کو سیکھے گا۔ اسی طرح کچھ لوگ تراجم کے لیے یا پھر تقابلی مطالعات کے لیے بھی دوسری زبانیں سیکھتے ہیں۔ ان سب کے مقاصد علمی ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے سیکھنے والوں کو مشکل ہوتی ہے وہ پہلے سے کسی زبان کو بولنا جاننے کے ساتھ ساتھ اس زبان کی اکثر مہارتوں کو بھی جانتے اور سمجھتے ہیں۔ یا پھر وہ لوگ ماہر زبان و لسان ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی تدریس کا عمل اور طریقہ دونوں قدرے مختلف ہوتے ہیں۔

علمی غرض کے حامل لوگ ایسے ہوتے ہیں جو تراجم کرنے کے لیے یا درس و تدریس میں کوئی کردار ادا کرنے کے لیے کسی مخصوص زبان کو سیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں تدریس کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص کوئی زبان کسی دوسرے شخص کو سکھانا چاہتا ہے تو اس کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری مہارتوں کے ساتھ قواعد کی خصوصی تعلیم حاصل کرے اور زیادہ سے زیادہ کوشش کرے کہ اہل زبان کا سا لہجہ اپنائے۔ وہ زبان کے محاورے اور روزمرہ کو سمجھے اور جس قدر ہو سکے وہ اہل زبان کے قریب تر ہو جائے۔

جبکہ دفتری غرض کی ذیل میں ایسے سیکھنے والے آتے ہیں جن کو اپنی ملازمت کی ضروریات کے پیش نظر زبان سیکھنی ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال فوجی ہیں جو مختلف ممالک میں جاتے ہیں۔ اور اپنے ملک کی دفاعی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کے لیے دوسرے ممالک کی زبانیں سیکھنا لازمی ہوتا ہے تاکہ وہ زبان کی صورت حال کا جائزہ لے سکیں اور وہاں کے لوگوں سے بات چیت کے ذریعے مسائل کو حل کر سکیں۔ اسی طرح کچھ لوگ مختلف دفاتر میں بطور مترجم کام کرتے ہیں۔ جس میں کسی ملکی یا غیر ملکی عہدے دار کے ساتھ

رہتے ہیں اور دوسرے ممالک میں جاتے وقت رابطہ کار کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔ ان کے لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ دوسرے ممالک کی زبانیں سیکھیں۔

مقاصد کا تعین:۔

انسان اپنی زندگی کے ہر معاملے میں اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے کہ وہ کوئی کام کس وجہ سے انجام دے گا۔ اسی طرح جب کوئی انسان کسی زبان کو سیکھتا ہے تو اس کے پیچھے یا اس کے پاس ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مادری زبان کو سیکھنا بھی انسان کی معاشی اور سماجی ضرورت کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص غیر ملکی زبان کو سیکھتا ہے یا سیکھنا چاہتا ہے تو اس کے پیچھے کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔ یہ مقاصد کس طرح کے ہو سکتے ہیں۔

1۔**زبان**

- قانونی زبان
- ملازمت کی زبان
- تدریس کی زبان
- پیشہ وارانہ زبان

2۔**ادب**

- ادبی زبان
- ادب پارے

اس دور میں جب ایک عالمگیر معاشرہ بننے جا رہا ہے تو اس وقت ملازمت کا حصول یا پیشہ وارانہ زبان کی ضرورت و اہمیت دوچند ہے۔ اکثر طالب علم دوسرے ممالک کی زبانیں صرف اور صرف اس لیے سیکھ رہے ہیں کہ وہ تجارتی مقاصد میں دوسرے ممالک کا ساتھ دے سکیں۔ یا پھر دوسرے ممالک میں جا کر ملازمت حاصل کر سکیں۔ یا پھر اپنے کاروبار کو دوسرے علاقوں تک پھیلانے کے لیے لوگ ایسی زبانیں سیکھتے ہیں۔ جو ان کو اس مرحلے میں مدد دے سکیں۔

اس لیے زبان کو سکھاتے وقت اور اس کا نصاب ترتیب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے کہ سیکھنے والے کا مقصد کیا ہے۔ کیونکہ مقاصد ہی اس شے کا تعین کریں گے کہ سکھانے والا کس

نوعیت کا کورس مرتب کرے گا۔ اور پیش کیا گیا کورس مکمل کر لینے کے بعد طالب علم کس حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو پائے گا۔

ہمارے ہاں عام طور پر زبان سکھانے کے لیے جن طریقوں کا استعمال کیا جاتا ہے وہ قواعد و ترجمہ Grimen Translation کا طریقہ ہے۔ اور زیادہ تر اہم مصنفین کے ادب پاروں کو درسی کتاب کا حصہ بنایا جاتا ہے۔ اور اس طرح سے تدریس کے مقاصد کو پورا کرنے کی بجائے طالب علم کو ادب پڑھایا جاتا ہے۔

غیر ملکی زبان کی تدریس میں جن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ طالب علم کے مقصد اور غرض کو جان لیا جائے۔ اگر طالب علم کسی کاروبار کی غرض سے زبان سیکھنا چاہتا ہے تو اس کا نصاب بھی اسی طرح مرتب کیا جائے کہ وہ زبان کو زیادہ سے زیادہ بول اور سن سکتا ہو۔ عوامی زبان، عوامی محاورہ اور روزمرہ کے ساتھ ایسے اسباق ضروری ہیں جو طالب علم کو اس قابل بنا سکیں کہ وہ اپنے مقاصد پورے کر سکے۔

لیکن اگر کوئی طالب علم اردو ادب میں دلچسپی رکھتا ہے یا پھر وہ ادب کے تقابلی مطالعے کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو ابتدائی سطح پر اردو زبان سکھانے کے بعد جلد ہی اردو ادب کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ تاکہ طالب علم اپنی ضرورت اور دلچسپی کی بنیاد پر سیکھنا شروع کر دے۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں زبان پڑھاتے وقت یہ طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ زبان کو بطور مادری زبان پر رکھا جائے۔ ثانوی یا پھر غیر ملکی زبان اس کے بعد ہی طریقہ تدریس، مقاصد تدریس اور نصاب طے کیا جائے گا۔ سلیم فارانی نے زبان کی تدریس کو دو عمومی مقاصد میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ عام

2۔ خاص۔[33]

عام مقاصد سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے معاشرتی، معاشی، سیاسی، سماجی، ثقافتی یا علمی مقاصد کے لیے زبان کو سیکھ رہا ہوتا ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ زبان کے عام مقاصد مادری زبان سیکھنے کے ہوتے ہیں۔

خاص مقاصد سے مراد ایسے مقاصد ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یعنی کچھ لوگ زبان کو مخصوص ضرورت کے تحت سیکھتے ہیں اور ایسی ضروریات میں ان لوگوں کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے ہٹ کر ان کو اس زبان سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

د: تدریس غیر ملکی زبان کے مباحث

زبان کوئی بھی ہو اس کی کو دیکھا انہی چار حوالوں سے دیکھا جائے گا۔ بعض مسائل مشکلات یا معاملات ایسے ہیں جو عمومی طور پر زبان سیکھنے والے ہر طالب علم کو پیش آتے ہیں۔ اس لیے زبان اردو زبان کی تدریس کے حوالے سے خصوصی بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان مسائل کو دیکھا جائے کسی بھی زبان کے طالب علم کو پیش آسکتے ہیں۔ ذیل میں چند مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔

i. تدریس غیر ملکی زبان سے مخصوص مسائل

زبان کو سامنے رکھتے ہوئے ہم چار بنیادی باتوں کو مد نظر رکھتے ہیں۔

سننا ایک ایسا عمل ہے جو انسان اپنی پیدائش کے ساتھ ہی شروع کر دیتا ہے۔ سننا ہی بولنے کی بنیاد بنتا ہے جب تک انسان سنتا نہیں وہ بول نہیں سکتا ہے، جو بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے عام طور پر وہ سن بھی نہیں پاتے۔ انسان وہی کچھ بولتا ہے جو کچھ وہ سنتا ہے اس کی ایک عام سی مثال ہمارے بچے ہیں جو اپنی ماں سے یا خاندان اور ارد گرد کے دوسرے لوگوں سے سنتے ہیں اور اس کو دہرانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر وہی زبان اور وہی لہجہ اپناتے ہیں جسے سننے میں وہ اپنا وقت گزارتے ہیں۔

اب سننا دو طرح کا ہوتا ہے ایک طرح کا سننا کہ جو آواز بھی انسان کے پردہ سماعت سے ٹکراتی ہے انسان اس کو سنتا ہے۔ جیسے شور کی آواز کسی ہجوم میں، پارک میں سڑک پر چلتے ہوئے انسان کے پردہ سماعت سے طرح طرح کی آوازیں ٹکراتی ہیں جن کو شور کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان ان پر توجہ نہیں دیتا یا زیادہ سے زیادہ ان کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے لیکن ان کی نقل نہ وہ کرتا ہے اور نہ ہی ویسی آوازیں پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے اگر انسان کو مختلف جانوروں کی، مشینوں کی آواز سنائی جائے تو وہ ان میں تمیز کر سکتا ہے لیکن ان کی نقل نہیں کر سکتا۔ لیکن سننے میں اصل عمل تفہیم کا ہے یعنی دوسری طرح کا سننا جس میں انسان کسی شے کو سن کر سمجھ بھی جائے کہ کہنے والے کا مفہوم یا لباب کیا ہے۔

سننے کے اس عمل میں سب سے بڑا عمل دخل صوت کا ہے کہ انسان کیسی آواز سنتا ہے اور اس کو کس حد تک سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہاں یہ ہو گا کہ کوئی انسان اپنے کان میں پڑنے والی آواز کو سن کر ان آوازوں سے لفظ ترکیب معنی مفہوم غیرہ سمجھ سکے۔

اسی طرح الفاظ کو سننا، جملوں سے معنی اخذ کرنا، لفظوں کی ترتیب کو سمجھنا، یعنی جملے کی ترکیب نحوی اور ان کو اس طرح ادا کرنا کہ اہل زبان اس کو سمجھ سکیں۔[34]

صوت کے مسائل:

کسی بھی زبان کو سننے اور اس کی تفہیم کے لیے دو مسائل ہیں سب سے پہلا مسئلہ صوت کا ہے۔ کسی بھی زبان میں اصوات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ زبانیں دوسری کئی زبانوں سے متاثر ہوتی ہیں اور ان کی آوازیں یا ان کے رسم الخط کو اپنے اندر سمو لیتی ہیں اور اپنی ضروریات کے تحت ان میں تبدیلی کر کے اپنا لیتی ہیں۔ اسی طرح اردو نے بھی جو الفاظ عربی فارسی سے لیے اس کے ساتھ ہی اس کا رسم الخط بھی عربی، فارسی سے آیا اور کچھ ضروری اضافوں کے ساتھ ان کو رائج کر لیا گیا۔

جیسے جیسے الفاظ وارد ہوتے گئے ویسے ویسے ان کی اصوات مقامی زبان میں ڈھلتی گئی اور نئے تلفظ سامنے آنے لگے لیکن خاص طور پر عربی فارسی کے الفاظ کی اصوات تو ہمارے ہاں نہ آسکیں لیکن ان کے حروف اور املا رائج ہو گئے۔

مقامی لوگوں کے لیے زبان کا کوئی قاعدہ یا اصول نہیں ہوتا۔ وہ زبان کو اپنے ہی انداز سے سیکھتے ہیں اور جیسے سنتے ہیں ویسے ہی بولتے ہیں۔ یہی اردو کے ساتھ بھی ہوا لیکن جب اس زبان کو غیر ملکیوں کے سامنے رکھا گیا تو وہ ان کے لیے کئی طرح کی مشکلات پیدا کرتی ہے۔ اردو میں صوتی مسائل کو ہم درج ذیل زاویوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

قریب المخارج حروف :

جیسا کہ عام تجربے کی بات ہے کہ انسانی کان ہر طرح کی آواز سن سکتے ہیں جن میں کچھ آوازیں شور سے زیادہ معنی نہیں رکھتیں۔ لیکن کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن کو سننے والا سن کر سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس کے پیچھے سال ہا سال کا تجربہ کار فرما ہوتا ہے۔ اردو زبان جب کوئی ایسا شخص سنتا ہے جس کی مادری زبان اردو ہے یا کم سے کم اس نے اس کو زبان کو ابتدائی درجے میں سکول سے سیکھنا شروع کیا ہے تو اس کے لیے آواز میں تمیز کرنا آسان ہے۔ لیکن جب کوئی غیر ملکی زبان کو سنتا ہے تو وہ بعض حروف کی آوازوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔

قوت سماعت کے حوالے سے یہ بات دلچسپ ہے کہ انسان جب کچھ آوازوں کا عادی ہو جاتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی انسان کی سماعت کے اعضا دماغ کو صرف ان ہی آوازوں کی تحریک دیتے ہیں جن کو پہلے سے

سننے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں غیر ملکی قریب المخارج آوازوں میں اپنی سمجھ کی حد تک آوازیں سنتے ہیں مثلاً ''خ'' اور ''کھ'' کی آوازیں بہت قریب کی آوازیں ہیں۔ جب کسی نو آموز کو ان حروف اور الفاظ سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کے لیے ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً خدا اور کھدا، خانہ اور کھانا وغیرہ جیسے الفاظ جب کوئی ابتدائی سطح پر سنتا ہے ان میں فرق معلوم نہیں ہوتا اور ایک ہی لفظ سمجھتا ہے۔

اسی طرح ''غ''، ''گ'' کی آواز میں فرق کرنا بھی ایک مشکل امر ہے اور نو آموز ''غ'' کو ''گ'' اور ''گ'' کو ''غ'' سنتا اور سمجھتا ہے جیسے غر اور گھر، غول اور گھول، گم اور غم، غنہ اور گنا وغیرہ جیسے الفاظ مشکل کا سبب بنتے ہیں۔

ہم صوت الفاظ:

دوسری طرح کی مشکل ایسے الفاظ کو سننے میں آتی ہے جن کو متجانس الفاظ کہا جاتا ہے۔ یعنی جن کے تلفظ بہت قریب کے ہوتے ہیں اور بعض اوقات بولتے ہوئے زیادہ فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جب غیر ملکی الفاظ کو سنتا ہے تو ان کو سمجھنے میں اس کو مشکل پیش آتی ہے جیسے ا، ع جیسے علم اور الم، اثر اور عصر وغیرہ جیسے الفاظ۔ یا پھر ک، ق فرق کرنا۔ یہ بات درست ہے کہ جب لفظ لکھا جاتا ہے تو اس سے اس کے معنی میں فرق آ جاتا ہے اور کسی لفظ کے تناظر یا اس کے معنی کو واضح کرتا ہے۔ مادری زبان کے حوالے سے ایسی باتیں کرنا اور کہنا بالکل درست ہو سکتا ہے لیکن غیر ملکی زبان میں یہ معاملات اتنے سادہ نہیں۔ مثال کے طور پر قمر اور کمر، قاش اور کاش، قاری یا کاری، قصر اور کسر جیسے الفاظ کی اصوات میں فرق اردو بولنے والے نہیں کر پاتے اور سننے والا اگر غیر ملکی ہے تو وہ ان الفاظ یا اس طرح کے الفاظ میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح ث، س، ص یا ذ، ز، ض، ظ میں فرق کرنا یا ان الفاظ کو سمجھنا مشکل ہے۔ اردو کی ان آوازوں میں فرق نہیں۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''رہا اردو کی ان آوازوں کا معاملہ جن کے لیے ایک سے زیادہ علامتیں ہیں مثلاً س، ث، ص یا ز، ذ، ظ، ض، ان کے بارے میں اتنی بات خاطر نشاں رہنی چاہیے کہ اردو میں ان سب علامتوں کی اپنی اپنی الگ آوازیں نہیں۔''[35]

ان علامتوں کے استعمال کی لغت میں اہمیت سے انکار نہیں لیکن ان کی آوازوں کی مماثلت اس قدر ہے کہ ایک نو آموز غیر ملکی طالب علم کے سننے میں مشکل کا سبب ضرور ہیں۔

لہجے کے مسائل:

غیر ملکی زبان سیکھنے والوں کے لیے ان کا پہلا مدرس اور معلم بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نو آموز طالب علموں کا ذہن اس بچے کی طرح ہوتا ہے جو نیا نیا اس دنیا میں آیا ہو، اس کو جو کچھ سکھا دیا جاتا ہے وہ اس کے ذہن میں خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے سکھانے والے کا لہجہ بہت صاف واضح اور اہل زبان کا سا ہونا چاہیے۔

مقامی طالب علم چونکہ کئی طرح کے لوگوں سے سن چکا ہوتا ہے اور اس کے پاس سننے کی مشق بہت زیادہ ہوتی ہے جبکہ غیر ملکی کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی۔ اردو کے حوالے سے دیکھا جائے تو ہماری علاقائی زبانوں اور لہجوں کا اثر اردو بولنے والوں پر شدید نظر آتا ہے۔

اردو اور پنجابی آپس میں قریب کا تعلق رکھتی ہیں اس لیے پنجابی بولنے والے اردو الفاظ کو پنجابی لہجے میں عام بولتے ہیں۔ مثال کے طور پر وقت کو وقّت تشدید کے ساتھ بولنے، عمل اور عقل کو بھی اسی طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اٹک کے لوگ ہوئے کو ہویئے بولتے ہیں اور یہ ایسے مسائل ہیں جو کسی غیر ملکی کے لیے راسخ ہو جاتے ہیں۔ کہ جب غیر ملکی کی تدریس میں ان مسائل کو مد نظر نہیں رکھا جاتا اور ابتدا میں ہی ایسے تلفظ سکھائے جاتے ہیں تو ان کی عادت کا حصہ بن جاتے ہیں۔

ہلکی اور بھاری آوازیں:

اردو زبان میں چونکہ کئی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اور وہ نہ صرف اپنی حقیقی آوازوں کے ساتھ موجود ہیں بلکہ اردو بولنے والے ان الفاظ کے تلفظ ادا کر لیتے ہیں۔ اسی صورت حال کے پیش نظر ہمارے پاس مقامی زبانوں کے لاتعداد ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں بھاری آوازیں مستعمل ہیں۔ یعنی ب، بھ، پ، پھ، ت، تھ، اور اسی طرح دیگر حروف کی آوازیں اتنی قریب ہیں کہ ان میں فرق کرنا دشوار ہے۔ ایک غیر ملکی پل اور پھل، بھوت اور بہت، گر اور گھر، ڈول اور ڈھول، کوٹہ اور کوٹھا وغیرہ جیسے دوسرے کئی الفاظ ایسے ہیں جن میں فرق نہیں کر پاتے کیونکہ یہ سننے میں ایک جیسے محسوس ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے فرزانہ کوثر لکھتی ہیں۔ ”جب غیر ملکی طلبا اردو زبان سیکھنا شروع کرتے ہیں تو وہ سافٹ (Soft) اور ہارڈ (Hard) آوازوں میں فرق نہیں کر سکتے اور ان کو ایک ہی آواز سمجھتے ہیں۔“[36] اس طرح سے سننے والے جب سننے میں غلطی کرتے ہیں تو ان کو سمجھنے میں بھی دشواری ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ ان الفاظ کا استعمال

کرتے ہیں تو اس میں بھی وہ غلطی کرتے ہیں۔

معیاری اور عامیانہ زبان:

غیر ملکی طالب علم عام طور پر کتابوں سے پڑھتا ہے اور جدید دور میں اس کو سننا سکھانے کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جس میں کارٹون، ڈرامے، ٹی وی شو اور اس طرح کا دوسرا مواد ان کو سننے کے لیے دیا جاتا ہے۔ ان کو لکھنے والے عام طور پر زبان و ادب سے وابستہ لوگ ہوتے ہیں اور وہ ایک معیاری زبان کو لکھتے بھی ہیں اور بولتے بھی۔ طالب علم وہاں سے معیاری زبان سیکھ لیتا ہے اور اس طرح جب وہ کوئی ایسا کردار دیکھتا ہے یا کسی ایسے شخص سے ملاقات کرتا ہے جو معیاری زبان نہیں بولتا تو طالب علم اس کو سن اور سمجھ نہیں سکتا بلکہ وہ اس لہجے اور زبان کو کوئی دوسری زبان تصور کرتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

نقطوں کی ضرورت اور اہمیت:

اردو تحریر میں لفظوں کی اہمیت سے انکار نہیں حروف اور الفاظ کی پہچان اور ان میں فرق کی دو بنیادی خصوصیات اعراب اور نقطے ہیں۔ جبکہ بعض حروف میں زاویہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ نقطے اپنے مقام اور تعداد کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اور حرف کی پہچان خاص طور پر جب حرف اپنی آدھی شکل میں ہوتا ہے یعنی اس وقت صرف اور صرف نقطہ ہی لفظ کی صوت واضح کرتا ہے مثلاً ن اور ب دونوں میں نقطہ ایک ہی ہے۔ اسی طرح ت، ی میں دو، ج اور خ میں ایک، ث اور پ میں تین ہیں لیکن سب حروف کے نقطے بالترتیب اوپر نیچے ہیں۔ جب ان کو الفاظ میں استعمال کیا جاتا ہے تو ان کی جگہ اوپر اور نیچے ہونا ہی ان کی تخصیص ہے۔ مثلا بس، نس، بم، نم، خالی اور جالی خبر اور جبر، پوت اور ثبوت، بانی اور نانی وغیرہ اور اسی ذیل کے کئی حروف ایسے ہیں جو نہ صرف عام استعمال کے ہیں بلکہ سادہ حروف میں شمار کیے جاتے ہیں پھر بھی ان میں مشکلات ایسی ہیں کہ ایک نو آموز کے لیے ان کی پہچان کرنا اور ساتھ ہی ان میں فرق کرنا ایک مشکل عمل ہے۔ اسی طرح لکھنے میں ایک نکتہ دعا کو دغا میں بدل دیتا ہے اور شہباز کو شہناز بنا دیتا ہے۔

دوسری طرح کی دقت نقطوں کی تعداد کا ہے جیسے کہ سیاہی اور سپاہی، جرم اور چرم، خاک اور چاک، بجے اور بچے، بستی اور پستی، پانی اور ثانی وغیرہ حروف میں نقطوں کی جگہ بدل جاتی ہے یا تعداد، ایسے حروف کو پڑھنے اور لکھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

ایک اور طرح کی دشواری لفظوں میں نقطوں کی ترتیب ہے اس سے مراد ایسے لفظ ہیں جن میں دو یا

زیادہ حروف ایسے آجاتے ہیں جن میں نقطوں کی تعداد ایک جیسی ہوتی ہے جب لفظ کو لکھا جاتا ہے تو اس میں موجود شوشوں کی تعداد اور ترتیب کے ساتھ ان کے نقطے لگائے جاتے ہیں۔ نقطوں کی ترتیب سے لفظ کی صوت واضح ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ حبیب اور جیب میں صرف ایک شوشے اور نقطے کی جگہ کا فرق ہے حبیب میں شوشے کے نیچے نقطہ ہے جبکہ جیب میں ایک شوشہ کم اور نقطہ ج کے نیچے ہے۔ اسی طرح بنی اور نبی کی مثال دیکھیں دونوں میں ہی ایک نقطہ اوپر اور نیچے ہے لیکن ان کی ترتیب مختلف ہے۔

ح: تدریس اردو بطور غیر ملکی زبان کے مباحث

i. تدریس اردو کی روایت: اجمالی جائزہ

اردو اپنے ابتدائی دور میں کوئی بڑی اہمیت کی زبان نہ رہی جب تک کہ اسے سرکاری سرپرستی حاصل نہ ہوگئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ جب یہ پورے ہندوستان کی زبان بننے لگی تو اس کو پڑھنے پڑھانے کی طرف بھی توجہ ہوئی۔ لیکن اس تعلیم و تدریس کا محور عموماً ہر دور میں اردو ادب ہی رہا، زبان کی تدریس کی طرف توجہ اور دھیان کسی بھی دور میں نہیں رہا۔ ہمارے یہاں کے لوگ عام طور پر زبان کو خداداد صلاحیت کے طور پر لیتے ہیں اور اس کی تدریس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں جب قومی زبان کی حیثیت سے بھی زبان رائج ہوگئی اور اس کو سکولوں اور کالجوں میں بطور مضمون پڑھایا جانے لگا تو اس وقت بھی پرچہ الف اور ب دو الگ الگ پرچے رکھے جاتے تھے۔ جن میں سے "ب" پرچہ ہمیشہ قواعد اردو زبان دانی اور انشا پردازی کی مہارت کی تدریس سے متعلق ہوتا تھا۔ جب کہ کتاب کے بعض حصوں میں بھی زبان کے حوالے سے وضاحتیں موجود ہوتی تھیں۔ لیکن عملی طور پر اس پورے عمل پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ کبھی غیر ضروری سمجھ کر اور کبھی مشکل اور روکھا مضمون سمجھ کر اس کی تدریس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔

اس کے بعد ماسٹر کی ڈگری کی سطح پر دس پرچوں میں سے صرف ایک پرچہ زبان اور قواعد کے حوالے سے پڑھایا جاتا تھا۔ باقی نو پرچے ادب سے متعلق ہی رہے ہیں۔

انگریزی زبان سے اگر تقابل کیا جائے تو پاکستان کی اکثر یونیورسٹیوں میں انگریزی کے شعبہ جات دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ انگریزی ادب اور انگریزی لسانیات جبکہ اس کے مقابلے میں اردو کا ہر شعبہ زبان و

ادب پر ہی مشتمل رہا اور وہاں بھی زبان خال خال ہی نظر آتی ہے۔ زیادہ توجہ ادب کی طرف ہی ہے۔

اسے زبان کی بد قسمتی سمجھیں یا عدم توجہی لیکن دونوں صورتوں میں اردو زبان پر شائد ہی ایسا کوئی دور آیا ہو کہ اس کو بطور زبان بھی پڑھانے کی طرف توجہ دی گئی ہو۔

یہ رویہ صرف پاکستان کے اندر ہی نہیں بلکہ پاکستان کے باہر بھی اکثر جامعات جہاں پاکستان کے اساتذہ جا کر اردو کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ وہاں بھی زبان کی تدریس بذریعہ ادب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ii. تدریس اردو بطور غیر ملکی زبان کی روایت:۔

حکمرانوں کی زبان بننے کے بعد اردو کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ گئی لیکن اس سے پہلے اس زبان کو عمومی زبان کا درجہ حاصل تھا اور لوگ اس کو عمومی بول چال یا لین دین اور دیگر ضروریات کے لیے ہی استعمال کرتے تھے۔ جب دیگر اقوام نے ہندوستان کا رخ کیا تو اس وقت تک یہاں سرکاری زبان فارسی تھی لیکن وہ تمام متشرقین جو پہلے پہل یہاں حالات کا جائزہ لینے آتے رہے اور کچھ عیسائی مشنری بن کر یہاں آئے تو انہوں نے اس بات کو خوب محسوس کر لیا تھا کہ عوام کی زبان سیکھ کر ہی یہاں کے لوگوں کے مزاج کو سمجھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اردو زبان کو سیکھنے کی پہلے پہل کوشش میں ان غیر ملکیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ لیکن یہ باضابطہ تدریس نہیں ہوتی تھی بلکہ اکثر یورپی لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت زبان کو سیکھنا شروع کیا۔ جبکہ چند ایک نے یہاں کے مقامی آدمی کو اپنا استاد مقرر کر کے ان سے زبان سیکھی۔ ان سب زبان سیکھنے اور سکھانے والوں میں سے کسی کے پاس بھی باقاعدہ کوئی طریقہ یا مواد دستیاب نہیں تھا کہ جس کی مدد سے وہ زبان سیکھتے یا سکھاتے۔

اردو زبان کی غیر ملکیوں کو تدریس کے حوالے سے باقاعدہ کام فورٹ ولیم کالج میں ہوا جہاں ایک ادارے میں اردو کا شعبہ قائم کیا گیا اور کچھ مدرس یا منشی مقرر کر کے ان کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ کچھ مواد بھی تیار کریں اور غیر ملکی طلبا کی تدریس کا بندوبست کریں۔ یہاں نہ صرف ان غیر ملکیوں کی تدریس کا اہتمام کیا گیا۔ بلکہ بہت سی کتابیں بھی ترتیب دی گئیں۔ ان کتابوں کو اس دور کی زبان کی نسبت زیادہ عام فہم اور آسان بنایا گیا۔ (کالج کا طریقہ تدریس اور نصاب کی تفصیل آئندہ باب میں آئے گی۔)

فورٹ ولیم کالج کے بعد اردو کی تدریس ہندوستان کے باہر بھی ہونے لگی۔ اس میں سب سے پہلی کاوش گل کرسٹ نے ہی کی جو ہندوستان میں غیر ملکیوں کے لیے اردو زبان کی تدریس کے بانی ہیں۔ انہوں نے ولایت واپس جا کر اردو زبان کی تدریس کا کام جاری رکھا۔

اس کے بعد جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں اردو زبان کی تدریس پاکستان کے قیام سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی۔ اوساکا یونیورسٹی میں کئی دوسری زبانوں کے ساتھ اردو زبان کی تدریس بھی کی جاتی ہے۔ اس یونیورسٹی میں نہ صرف یہ کہ تدریس بہت پہلے شروع ہوئی بلکہ اردو کی قدیم کتب کا ایک بڑا ذخیرہ بھی محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ بھی جاپان میں دو اور یونیورسٹیوں میں اردو کی تدریس ہو رہی ہے۔

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہی چین میں بیجنگ، فارن سٹڈیز کا ایک انسٹیویٹ قائم کیا گیا جہاں دوسری غیر ملکی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی زبان کے طور پر سکھایا جانے لگا۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ چین میں اب تک تقریباً سات سے زائد یونیورسٹیوں میں اردو کے باقاعدہ شعبے قائم ہیں جہاں پر زبان کی تدریس کی جاتی ہے۔

یہ سلسلہ آہستہ آہستہ پوری دنیا میں پھیلتا گیا اس وقت کوئی بر اعظم ایسا نہیں جہاں پر اردو زبان کے ادارے قائم نہ ہوں یا اس کی بطور زبان غیر ملکیوں کو تدریس کا سلسلہ نہ چل رہا ہو۔ ایک اندازے کے مطابق اب تک ساٹھ سے زائد ممالک میں اردو کی ڈگری کی سطح کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ان ممالک کی تفصیل آئندہ باب میں پیش کی گئی ہے۔

حوالہ جات

1۔ برجموہن دتاتریہ کیفی، کیفیہ، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، 1975ء۔ ص35

2۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات، حصہ سوم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1991ء، ص13

3۔ محی الدین قادری زور، ڈکٹر، ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب لاہور، 1961ء ص33

4. https.//www.britannica.com/topic/angulge

5۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، بیکن بکس لاہور، 2009ء، ص17

6۔ معین الدین، ہم اُردو کیسے پڑھائیں، مکتبہ جامعہ نئی دہلی 2011ء، ص40

7۔ عطش درانی، اردو تدریسات، اردو سائنس بورڈ لاہور، 2007ء، ص117۔18

8۔ سلیم فارانی، ڈاکٹر، اردو زبان اور اس کی تعلیم، ادارۂ مطبوعات، فارانی لاہور (طبع پنجم) 200ء، ص197

9۔ معین الدین، ہم اردو کیسے پڑھائیں، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ دہلی، 2011ء، ص75۔76

10۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو تدریسات ص197

11۔ ایضاً

12۔ معین الدین، ہم اردو کیسے پڑھائیں، ص81

13۔ سلیم فارانی، ڈاکٹر، اردو زبان اور اس کی تعلیم, ص504

14۔ معین الدین، ہم اردو کیسے پڑھائیں، ص83

15۔ نسرین زہرا، پروفیسر تدریس اردو، (بی۔ ایڈ)، چار سالہ ایسوسی ایٹ ڈگری ان ایجوکیشن، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ص111

16۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو تدریسات، ص454

17۔ معین الدین، ہم اُردو کیسے پڑھائیں، ص92

18۔ نسرین زہرا، پروفیسر، تدریس اردو، ص112

19۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو تدریسات، ص218

20۔ معین الدین، ہم اُردو کیسے پڑھائیں، ص56

21۔ معین الدین، ہم اُردو کیسے پڑھائیں، ص56

22۔ نسرین زہرا، پروفیسر، تدریس اردو، ص133

23۔ عطش درانی، اردو تدریسیات، ص219

24۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو تدریسیات، اردو سائنس بورڈ لاہور، 2007ء، ص220

25۔ عطش درانی، ڈاکٹر، تدریسیات اردو، ص۔ 221

26۔ عطش درانی، اردو تدریسیات ص۔ 222

27۔ عطش درانی، اردو تدریسیات، ص۔ 233

28. William Benton, The new Encyclopedia Britannica, micro...., v II, London,1965, pg 831

29۔ جمیل، جالبی، ڈاکٹر پاکستانی کلچر طبع سوم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1985 ص48

30۔ ایضاً، ص185

31۔ ایضاً ص185

32۔ سلیم فارانی، اردو زبان اور اس کی تعلیم، ص430

33۔ ایضاً، ص429

34۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، اردو کتاب گھر دہلی 1964 ص16

35۔ ایضاً، ص27

36۔ فرزانہ کوثر، غیر ملکیوں کے لیے اردو سننے اور سمجھنے کے مسائل مشمولہ اخبار اردو صفحہ 13 مئی 2001

باب دوم

تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: روایت اور پیش رفت

زبانوں کو سیکھنے کی روایت کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی روایت بہت قدیم نہیں بلکہ مختلف تہذیبیں جیسے اپنے ہی خول میں بند رہیں اور وہ دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھتے تھیں۔ عرب والے دوسروں کو عجمی کہتے تھے اور عجمیوں کی زبان سیکھنا اچھا نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح سے ہندوستانی بھی دوسری اقوام کو ملیچھ کہتے تھے، جس کا مطلب کمتر یا ایسے لوگ ہیں جو صحیح طریقے سے بول نہ سکیں۔ لیکن پھر بھی ضرورت کے پیش نظر تمام ہی اقوام سفر کرتی رہی ہیں چاہے یہ سفر سیاسی رہے ہوں، جنگی یا پھر تجارتی، ان تمام ضرورتوں کے پیش نظر لوگوں نے سفر بھی کیے اور دوسرے لوگوں سے روابط بھی رکھے۔ ایسے روابط چاہے مقصدی ہوں لیکن لوگ لین دین میں کوئی نہ کوئی وسیلہ تو استعمال کرتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے کوئی نہ کوئی زبان بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ جب سے لوگ، تہذیبیں یا اقوام ایک دوسرے سے رابطہ کر رہے ہیں وہ کسی نہ کسی زبان کو سیکھ اور وسیلۂ گفتگو بنا رہے ہوتے ہیں۔

الف۔ تدریس اردو بطور غیر ملکی زبان کی روایت:

اس بات کے پیش نظر اگر ہندوستان کی تاریخ پر ایک نگاہ دوڑائی جائے تو یہاں پر بھی ارد گرد سے لوگ حملہ آور ہوتے رہے ہیں اور تجارت کی غرض سے بھی آتے رہے ہیں۔ نیز اپنی ضرورت کے پیش نظر یہاں کی مقامی زبانوں کو سیکھتے رہے ہیں۔ جب کہ حملہ آوروں نے یہاں کی مقامی زبانوں کو متاثر بھی کیا اور بعض اوقات اپنی مادری زبان کو یہاں پر نافذ بھی کیا۔

اگر ہم زیادہ دور نہ بھی جائیں تو فارسی کی روایت اور اس کے بعد اردو کی پیدائش اور اس کے نفاذ کی مثالیں بالکل سامنے ہیں۔ لیکن ایک بات تو طے ہے کہ ابتدا میں یہ زبانیں لوگوں نے انفرادی طور پر ہی سیکھیں اور ان کے سیکھنے کا کوئی ادارہ یا منظم طریقہ کار نہیں تھا۔

غیر ملکیوں کے اردو سیکھنے کے بارے میں جو کچھ شواہد ملتے ہیں ان میں سے ایک کا ذکر عتیق صدیقی نے کیا ہے کہ جہانگیر کے دور میں ایک انگریز فقیر تھا جو کہ یہاں کی زبان بھی جانتا تھا اور انگلش فقیر کے لقب

سے مشہور تھا۔ عتیق صدیقی نے لکھا ہے کہ :

"جان فریر (John Fryer) جس نے سترہویں صدی کی تیسری دہائی میں ہندوستان و ایران کی سیاحت کی تھی ایک انگریز درویش (Tom Coryate) کا ذکر کرتا ہے جو ۱۶۱۶ء میں ہندوستان میں تھا اور "انگلش فقیر" کے لقب سے مشہور تھا اس کو "انڈوستان زبان" پر پوری قدرت حاصل تھی۔"[1]

عتیق صدیقی کے اس اقتباس سے ہم کم از کم اس بات کا اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں کہ سترہویں صدی میں بے شک سرکاری زبان فارسی تھی لیکن اس وقت کی مقامی زبان یا بولی ہندوستانی زبان (اردو) ہی تھی اور اس حد تک اپنا مقام بنا چکی تھی کہ لین دین میں اور عام روابط میں ہی استعمال کیا جاتا تھا اور بیرونی ممالک سے آنے والے لوگ اگر عوام سے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے تو وہ اسی زبان کا سہارا لیتے تھے اور ساتھ ہی اس کو سیکھ بھی لیتے تھے۔

لیکن ہندوستانی یا اردو کی باقاعدہ تدریس کا کوئی کام نہیں کیا جاتا تھا ماسوائے چند ایسی کتابوں کے جن کو نصاب کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ بھی صرف اور صرف بچوں کو زبان سکھانے کے لیے ہی استعمال کیے جاتے تھے۔

اور لوگ لغت یا قواعد کو مرتب کرتے بھی کیوں؟ مادری زبان کوئی قواعد سے نہیں سیکھ سکتا بلکہ یہ تو ایک غیر ارادی عمل ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ انسان خود ہی سیکھ جاتا ہے۔ اس کا کوئی استاد یا سکول یا کوئی کتاب نہیں ہوتی بلکہ اس کا معاشرہ اس کا خاندان اس کا علاقہ اس کے استاد ہوتے ہیں۔

قواعد کی ضرورت اس وقت ہی پیش آتی ہے جب کوئی نووارد اس زبان کو سیکھنے کی کوشش کرتا ہے اس حوالے سے عتیق صدیقی نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جس میں ڈاکٹر گلکرسٹ کا ایک تجربہ بیان کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"وہ (گلکرسٹ) لکھتا ہے ہندوستانیوں سے جب اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت کی کتابوں کا مطالبہ کیا تو وہ حیرت سے منہ تکنے لگے اور انہوں نے جواب دیا کہ آج تک کسی نے قواعد اور لغت کی مدد سے بھلا اپنی زبان سیکھی ہے۔"[2]

یہ بات درست بھی ہے کہ کوئی اپنی ہی زبان قواعد سے کیوں سیکھے؟ قواعد تو شاید صدیوں بعد مرتب کیے جاتے ہیں اور زبانیں انسان کسی ترتیب کے بغیر ہی بولنے لگتے ہیں۔ (فصاحت کی بحث الگ ہے)

اردو زبان کو بطور زبان غیر ملکیوں نے ہی پڑھانا اور پڑھنا شروع کیا جس کے لیے باقاعدہ ایک ادارہ قائم کیا گیا یعنی فورٹ ولیم کالج۔

فورٹ ولیم کالج تو ایک باقاعدہ اور منظم ادارہ تھا لیکن اس سے پہلے ایک نظر اس سے پہلے کے دور پر بھی ڈالنی چاہیے جس میں چند غیر ملکی نہ صرف اس زبان کو سیکھ رہے تھے بلکہ اس کی چند کتابیں یا قواعد و لغات وغیرہ بھی مرتب کر رہے تھے۔ لہٰذا یہ کہنا درست ہو گا کہ اردو زبان جو اس وقت تک ہندوستانی زبان کے نام سے جانی جاتی تھی، اس کی قواعد اور لغت مرتب کرنے کا سہرا مستشرقین کے سر ہے۔ ماہرین چند ایسی لغات یا کتابوں کا ذکر بھی کرتے ہیں جن کا ابھی تک کوئی کھوج نہیں لگایا جا سکا لیکن دستیاب کتابوں میں پہلی کتاب جرمنی یا ڈچ زبان میں تحریر کی گئی اور اس کے مولف کا نام جون جوشوا کیٹلر (John Josua Ketelar) ہے۔ کیٹلر 1682 میں شپ مین کے طور پر کمپنی کی طرف سے ہندوستان آیا اور یہاں وہ ترقی کرتے کرتے ناظم تجارت یا جونیئر مرچنٹ بن گیا۔ اسی دور میں اس نے ہندوستان میں رہ کر یہاں کی زبان تجارتی مقاصد کے لیے سیکھی۔ اس نے ساتھ ہی فارسی میں بھی مہارت حاصل کی اور ہندوستانی بلکہ فارسی کا بھی ماہر تھا۔ اسی مقصد کے لیے اس نے ایک گرامر کی کتاب بھی مرتب کی۔ اس کتاب کے حوالے سے گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''اردو کی پہلی گرامر کا قصہ خاصہ دلچسپ ہے اس کا ڈچ مصنف جان جوشوا کیٹلر (John Josua Ketelar) اس کو ہندوستانی زبان کی گرامر کہتا ہے۔ گرامر کے قلمی نسخے کی واحد نقل جو The Hague کے اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہے، بمقام لکھنؤ ۱۶۹۸ء میں کتابت کی گئی۔ (امکان ہے کہ اصل گرامر اس سے کچھ پہلے لکھی گئی ہو)''[3]

گوپی چند کی اس وضاحت سے یہ بات تو طے ہو جاتی ہے کہ اردو زبان کو باقاعدہ یا انفرادی طور پر شاید سترہویں صدی کے اواخر میں ہی لوگوں نے سیکھنا شروع کر دیا تھا لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس وقت کیٹلر نے اس کام کا آغاز کیا اس وقت تک وہ نہ صرف پہلا قواعد نویس تھا بلکہ اس کے سامنے اردو زبان کی قواعد کا کوئی نمونہ بھی موجود نہیں تھا۔ اس حوالے سے غلام عباس گوندل لکھتے ہیں:

> ''وہ (کٹلر) ڈچ اور جرمن تو پہلے ہی جانتا تھا۔ ہندوستان آ کر ہندوستانی اردو فارسی سے اس قدر واقفیت ضرور حاصل کی کہ اس وقت لغت اور قواعد کی کتاب لکھنے کے قابل ہوا جب اس کے سامنے کوئی مثال موجود نہیں تھی۔''[4]

کیٹلر کی کتاب کے بارے میں بہت سے مباحث موجود ہیں جو کہ اس کی تاریخ تالیف، اس کے معیار

اور زبان کے بارے میں ہیں لیکن یہاں ان کا ذکر ایک غیر ضروری بحث ہے۔

اردو کی غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس میں اس کتاب کی حیثیت سنگ میل کی سی ہے کہ اس سے پہلے شاید کوئی باقاعدہ کوشش اس حوالے سے نظر نہیں آتی اور اگر اس طرح کا کوئی کام اس سے پہلے کیا بھی گیا ہے تو ابھی تک وہ نظروں سے اوجھل ہے۔

اس حوالے سے دوسری کوشش بنجمن شلز (Benjamin Schultze) کی ہے۔ شلز یا شلزے نسلاً جرمن تھا جبکہ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک مشنری راہب تھا، جس نے دینیات کی تعلیم حاصل کی تھی اور ایک مشن کے تحت ہندوستان میں تبلیغ کی غرض سے آیا تھا۔ ہندوستان آ کر اس نے کئی ہندوستانی زبانیں سیکھیں اور لوگوں کو تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے پہلی بار بائبل کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا جو کہ شاید کسی ہندوستانی زبان میں بائبل کا پہلا ترجمہ تھا۔

لیکن اس کی ہندوستانی زبان کی قواعد (grammatica Hindustanica) ۱۷۴۱ء میں مرتب ہوئی۔[5]

اس کتاب میں شلز نے نہ صرف قواعد لکھے بلکہ اس میں لغت بھی مرتب کی۔ اس کتاب کو یہ اہمیت بھی حاصل ہے کہ اس میں شلز نے حروف تہجی اسما، ساخت اعداد، ضمائر اور حروف وغیرہ کی تفصیلی بحث کی ہے۔ (ابواللیث صدیقی نے اس کا ترجمہ کر کے شائع کیا ہے) شاید شلز کی گرامر پہلی گرامر تھی جس میں ہندوستانی الفاظ عربی فارسی رسم الخط میں بھی لکھے گئے۔ اس حوالے سے عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

> ”دوسرا یورپین جس نے ہندوستانی زبان کے قواعد مرتب کرنے کی کوشش کی وہ مشہور عیسائی مبلغ بن جے من شولز تھا۔ اس نے گرامے ٹی کا ان ڈوس تانی کا (Grammatica Hindustanica) نام سے لاطینی زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جو ۱۷۴۵ء میں شائع ہوا۔۔۔ شولز کی تالیف کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس میں ہندوستانی الفاظ فارسی عربی رسم الخط میں بھی لکھے گئے تھے۔“[6]

شلز کی قواعد کی اہمیت دوچند ہے کیونکہ اس نے یہ کتاب شاید اپنے لیے ہی نہیں لکھی تھی بلکہ ایک عیسائی مشن کا سربراہ ہونے کے ناطے اس کے ماتحتوں نے بھی اس سے فائدہ حاصل کیا ہو گا اور اس طرح سے چند بائبل اور عیسائی مذہب کی تبلیغ میں شامل بھی ہوئے ہوں گے۔

اس سے اگلا نام گلسٹن (Gulston) کی قواعد ہے۔ گلسٹن ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے سیاسی

مقاصد کے حصول کے لیے اپنی جان پیش کی۔ 1767ء میں جنگ پلاسی ہوئی تو اس کے بعد بنگال میں انگریزوں کی باقاعدہ حکومت کا آغاز ہوا اور انہوں نے اپنے سیاسی نظریات کے تحت کام کرنا شروع کیا اور یہاں کی زبان اور ثقافت سیکھنے کی کوشش شروع کی۔

اس سلسلے میں گلسٹن ہی پہلا آدمی تھا جس نے یہ قواعد مرتب کرنا شروع کیے لیکن وہ جلد ہی کسی لڑائی میں مارا گیا اور یہ کام نامکمل رہا لیکن ڈاکٹر گلکرسٹ نے اس کا ذکر کیا اور اس کے مقالے کی تعریف کی۔ اس کے بارے میں عتیق صدیقی نے لکھا ہے:

> ''ایک نوجوان سول ملازم مسٹر گلسٹن کا نام اس اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ اس نے اس میدان میں پہل کی۔ وہ گورنر ون سی ٹارٹ (Vansitart) کا سیکرٹری اور فارسی مترجم تھا۔ ہندوستانی زبان کے قواعد پر اس نے انگریزی میں ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا۔''[7]

یہ لغت ایک مقالے کی صورت میں مرتب ہوئی اور شاید گلسٹن کے مر جانے کے بعد یہ مقالے کی صورت میں ہی رہی اور کسی کتابی صورت میں سامنے نہ آ سکی۔

بنگال کی فتح کے بعد انگریزوں نے جب حکومت بنالی تو اس کے بعد انہوں نے مقامی زبان سیکھنے کے لیے اپنے ملازمین کو وظیفے دینا شروع کیے۔ جس سے ان میں مقامی زبانیں سیکھنے کی جستجو اور بڑھ گئی۔ اس کے بعد سے ہندوستانی اردو کو سیکھنے اور سکھانے کا ایک باقاعدہ سلسلہ چل نکلا۔ اس سلسلے کی اگلی اور بہت اہم کڑی جارج ہیڈلی (George Hadly) کی اردو قواعد و لغت ہے۔ اس کی تخصیص یہ ہے کہ پہلی اردو زبان میں لکھی ہوئی لغت تھی۔

جارج ہیڈلے جب ہندوستان آیا تو اس وقت وہ ایک فوجی کیڈٹ تھا اور بعد میں ترقی کرتا گیا اور کیپٹن کے عہدے سے ریٹائر ہوا۔ اس نے اپنی خدمات تو بنگال میں انجام دیں۔ لیکن اردو یا ہندوستانی چونکہ لنگوا فرینکا کی حیثیت رکھتی تھی، اس لیے اس نے اس زبان کو سیکھنے اور اس کی لغت مرتب کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور خوش قسمتی سے اس کی یہ کتاب بہت مشہور ہوئی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو سب سے پہلے ۱۷۷۰ء میں لندن کے کسی پبلشر نے شائع کیا تھا۔ لیکن اس میں کئی خامیاں تھیں اس لیے ہیڈلے نے ۱۷۷۲ء میں خود اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ اس حوالے سے ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"اس (ہیڈلی) نے سن ۱۷۶۵ میں بقول خود اپنے سپاہیوں کے لیے اس زبان کے قواعد مرتب کیے جسے لندن کے ایک تاجر نے سنہ ۱۷۷۰ء میں شائع کیا۔ یہ گویا ہیڈلے کی قواعد کا پہلا ایڈیشن تھا۔۔۔۔۔ اس کے بعد ہیڈلے نے اس پر نظر ثانی کی اور انگریزی میں اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں شائع کیا۔"[8]

سر ولیم جونز کا نام بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لیکن ان کا کام کچھ دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف کئی زبانوں کے ماہر تھے بلکہ انہوں نے تقابلی لسانیات کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے ہندوستان آ کر نہ صرف زبان سیکھی بلکہ وہ پہلے سے کئی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے اور انہوں نے سنسکرت اور دوسری مقامی زبانوں میں مہارت حاصل کی اور سنسکرت کو ایک اعلیٰ درجے کی زبان قرار دیا اور اس بات پر بھی اپنے شکوک کا اظہار کیا کہ سنسکرت اور لاطینی فرانسیسی وغیرہ میں گہرے روابط ہیں۔

سر ولیم جونز کا سب سے اہم کارنامہ ایک سوسائٹی کا قیام تھا جس کا نام رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال تھا۔[9] اس سوسائٹی سے وہ ایک جنرل بھی نکالتے تھے جس کا نام سوسائٹی جنرل رکھا گیا۔ وہ اس سوسائٹی میں لیکچر کا اہتمام کرتے تھے اور خود بھی لیکچر دیتے تھے۔ سر ولیم جونز نے اردو میں کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس میں بیرونی ممالک سے آنے والوں نے مقامی زبانیں سیکھنے کی کوشش کو جاری رکھا۔

ان تمام مستشرقین کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے نہ صرف ہندوستان آ کر یہاں کی زبان کو سیکھا بلکہ اپنے اپنے طور پر اس میں حصہ لیا کہ کس طرح مقامی زبانوں اور خاص طور پر ہندوستانی اردو زبان کو سیکھا اور سکھایا جا سکتا ہے۔

i. نقطہ آغاز: فورٹ ولیم کالج:

اردو کی بطور غیر ملکی زبان تعلیم کا باقاعدہ آغاز فورٹ ولیم کالج سے ہوتا ہے جہاں پر نہ صرف اردو ادب کی خدمت کی گئی بلکہ فورٹ ولیم کالج نے ہندوستانی زبان کی جو خدمت کی اس کی مثال بعد میں کسی ادارے کے ہاں سے نہ مل سکی۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ فورٹ ولیم کالج کو سیاسی مقاصد کے تحت بنایا گیا یا مستشرقین کو یہ زبان سیکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی وغیرہ۔

اردو کی باقاعدہ غیر ملکی زبان کی تعلیم کی ابتدا فورٹ ولیم کالج سے کچھ پہلے ہوئی ہے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ اس زبان اور اس کی تعلیم کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوتا ہے، ایک سرجن کے طور پر ہندوستان آتا ہے، اس

کا شعبہ لغت کا تھا اور نہ اس کا اس شعبے میں کوئی لگاؤ تھا۔ گلکرسٹ کو ادب سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن ہندوستان میں آکر اس نے اپنی ذاتی دلچسپی کی بنا پر اردو زبان سیکھنا شروع کی[10]

لیکن اس کی اس لگن نے آنے والے وقتوں میں اس کو ایک ماہر لسانیات ثابت کیا۔ گلکرسٹ ۱۷۸۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہو کر ہندوستان پہنچا۔ یہاں آکر اس نے محسوس کیا کہ یہاں کی زبان سیکھنی چاہیے اس کے لیے اس نے دن رات محنت شروع کر دی ہے اور جلد ہی وہ ہندوستانی زبان سیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس تعلیم کے دوران اس نے کچھ مواد جمع کیا اور ایک بنیادی قواعد کی کتاب کا بھی مسودہ ترتیب دیا جس کو بعد میں لوگ رسالہ گلکرسٹ کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کی یہ کاوش اپنے تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس نے اپنی اس دلچسپی میں اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی شامل کر لیا اور ایک چھوٹا سا ادارہ اورینٹل سمینری کے نام سے ۱۷۹۹ء میں قائم کر لیا۔

"یہ ایک نیم سرکاری مدرسہ تھا جس میں گلکرسٹ اپنے ساتھیوں کو باقاعدہ زبان کی تعلیم دینے لگا۔"[11] یہ مدرسہ جلد ہی اپنے بہترین نتائج یا پھر سیاسی ضروریات کے تحت ایک کالج کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

عتیق احمد صدیقی کا خیال ہے کہ یہ مدرسہ ویلزلی کی ایما پر شروع کیا گیا تھا۔ اس مدرسے کے مقاصد اور محرکات کچھ بھی ہوں لیکن ایک بات تو طے ہے کہ اردو زبان جو اس وقت ہندوستانی زبان کے نام سے جانی جاتی تھی کی تدریس اور غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس کا یہ پہلا باقاعدہ ادارہ تھا۔ اردو زبان کی تاریخ کا یہ سب سے اہم موڑ بھی تھا۔

جلد ہی کمپنی بہادر کو اس بات کا احساس شدت سے ہونے لگا کہ اگر کمپنی یہاں واقعی ہی قدم جمانا چاہتی تو شاید یہ بات بہت ضروری ہے کہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ روابط قائم کیے جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہاں کی مقامی زبان کو سیکھنا ضروری جانا گیا۔ یہاں کی مقامی زبان کو سیکھنے کی تحریک ڈاکٹر گلکرسٹ نے ہی شروع کی۔ ہندوستان آنے کے بعد اس کو دوران ملازمت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سفر کرنے اور اپنی خدمات سرانجام دینے کا موقع ملا اس دوران یہ بات تو اس پر عیاں ہو گئی کہ ہندوستانی زبان ہندوستان کے بیشتر علاقوں کی مشترکہ زبان ہے اس لیے اس نے بہترین خدمات سرانجام دینے کے لیے اس زبان کو سیکھنا لازمی جانا۔[12]

خود بھی اس زبان میں مہارت حاصل کی اور جلد ہی دوسروں کو بھی سکھانے لگا لیکن ڈاکٹر عبیدہ بیگم کا

خیال ہے کہ ویزلی نے یہاں کالج قائم کرنے کی سفارش پیش کی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ مقامی زبان کے بغیر منظم حکومت قائم کرنا ممکن نہیں:

"گلکرسٹ اور ویزلی کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ کمپنی نے اس بات کی ضرورت کو محسوس کیا کہ کوئی ایسا ادارہ ہونا چاہیے جس میں انگلستان یا بیرون ممالک سے آنے والے سپاہیوں کو یہاں کی مقامی زبان سکھائی جائے "[13]

اگرچہ سرکاری زبان اس وقت فارسی تھی اور تمام تر دفتری کام اسی زبان میں سرانجام پا رہے تھے لیکن کمپنی کا واسطہ کیونکہ عوام سے تھا اس لیے ضروری تھا کہ ایسی زبان سیکھی جائے جو عوام سے رابطے کا سبب ٹھہرے تاکہ سیاسی مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔

لاڈر ویلزلی کے دماغ میں تو ایک بہت بڑی یونیورسٹی بنانے کا تصور موجود تھا جس میں زبانوں کے ساتھ ساتھ سماجی اور سائنسی علوم کی تعلیم دی جاسکے۔ اس کا خیال تھا کہ برصغیر کے لوگ اس میدان میں بہت پیچھے ہیں وہ کیمبرج اور آکسفورڈ کے معیار کی یونیورسٹی بنانا چاہتا تھا۔ اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا کیونکہ کمپنی نے اس کی منظوری نہیں دی البتہ ایسا کالج قائم کرنے کی منظوری ضرور دے دی جس میں ملکی زبانوں کی تعلیم دی جا سکے۔ لہٰذا ۸۱ مئی ۱۸۰۰ کو کلکتہ میں زبان کی تعلیم کا کالج قائم کیا گیا جس کا نام فورٹ ولیم رکھا گیا اور ڈاکٹر گلکرسٹ ہندوستانی شعبے کے پروفیسر مقرر ہوئے۔[14]

ویلزلی کے لیے یہ بھی غنیمت تھا اور اس نے اس کالج میں نہ صرف ہندوستانی (اردو) بلکہ سنسکرت، بنگلا، تلگو اور کئی دوسری زبانوں کے شعبہ جات قائم کیے اور اس بات کو یہاں ہی نہیں روکا گیا بلکہ دیگر کئی شعبہ جات بھی قائم کیے گئے۔ اس حوالے سے سبط حسن لکھتے ہیں:

"ریگولیشن کے تحت فورٹ ولیم کالج میں عربی، فارسی، ہندوستانی، سنسکرت، بنگالی، تیلگو، مرہٹی، تامل اور کنڑی زبانوں کے شعبے کھولے گئے۔ اسلامی فقہ، ہندو دھرم، اخلاقیات، اصول قوانین، برطانوی قانون، گورنر جنرل یا اجلاس کے وضع کردہ قوانین اور ریگولیشن، معاشیات، جغرافیہ، ریاضی، یورپ کی جدید زبان، یونانی، لاطینی اور انگریزی ادویات جدید اور قدیم تاریخ ہندوستان اور دکن کی قدیم تاریخ، طبیعات، نباتات، سمندری اور علم نجوم کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا"۔[15]

اگر سبط حسن کے اس قول کو دیکھا جائے تو اس بات کا اندازہ کرنا قطعاً مشکل نہیں رہ جاتا کہ فورٹ

ولیم کالج ایک پوری جدید یونیورسٹی بن گیا تھا جس میں زبانوں کے علاوہ معاشی سائنس اور جدید سائنس کی تعلیم کا بندوبست کرنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ اور یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ تمام ملازمین اس کالج میں تعلیم حاصل کریں۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ فارسی جو سرکاری زبان تھی اور ہندوستانی (اردو) جو کہ عوامی زبان تھی اس کے لیے خاص اہتمام کیا گیا اور لکھنے والوں کے لیے خاص انعام رکھا گیا۔ اس بات کا ثبوت ایک مراسلے سے ملتا ہے جو کہ کمپنی کی طرف سے جاری کیا گیا۔ کمپنی کی مدرسہ نظماء نے ۲۳ دسمبر ۱۶۷۷ کو قلعہ سینٹ جارج مدارس کو ایک مراسلہ بھیجا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

> ''اس کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ کمپنی کے جو ملازمین فارسی سیکھیں گے ان کو 10 پونڈ اور جو انڈس تان (ہندوستانی) زبان سیکھیں گے ان کو بیس پاؤنڈ بطور انعام دیے جائیں گے۔ نیز یہ کہ اس زبان کی تعلیم دینے والے کسی مناسب آدمی کا تقرر بھی کیا جائے۔''[16]

یہ بات قابل غور ہے کہ کمپنی نے سب سے ضروری عوامی زبان یعنی اردو کو سیکھنا جانا کیونکہ مراسلے سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اردو زبان سیکھنے والوں کو سرکاری یعنی فارسی زبان سیکھنے والوں سے دوگنا معاوضہ دینے کی پیشکش کی گئی، یہ بات صاف ظاہر کرتی ہے کہ کمپنی نہ صرف اردو کو اہمیت دیتی تھی بلکہ اس کو سیکھنا ضروری جانتی تھی۔

اس سارے منظر نامے کو دیکھیں تو اس بات کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں رہ جاتا کہ اردو کی ابتداء میں اس کی تدریس غیر ملکی زبان کے طور پر کس طرح ہونے لگی اور اس کے ساتھ جو بیس پاؤنڈ اضافی دینے کا اعلان کیا گیا یہ اس بات کی علامت ہے کہ لوگ اس میں زیادہ دلچسپی لیتے رہے ہوں گے۔ اگر لوگ اس زبان کو زیادہ نہ بھی سیکھ سکے ہوں تو کم از کم اس کی بنیادی سمجھ بوجھ رکھنے والوں کی تعداد میں ضرور اضافہ ہوا ہو گا۔ یہ بات اس سے ہٹ کر ہے کہ اس سب کا مقصد کیا تھا۔ اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان کے حوالے سے دیکھنے کے لیے چند چیزوں کو دیکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اردو اساتذہ / معلمین

۲۔ اردو سکھانے کا ابتدائی نصاب

۳۔ زبان سکھانے میں کالج کا طریقہ کار

کالج قائم ہوتے ہی شعبہ ہندوستانی کا پہلا پروفیسر ڈاکٹر گلکرسٹ مقرر کیا گیا جو اس سے پہلے ہی اورینٹل سیمنری

میں اس کام کو انجام دے رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ دوران ملازمت انہوں نے خود بھی اس زبان میں مہارت حاصل کر لی تھی اور قواعد بھی مرتب کر چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کئی منشی اور سیکنڈ منشی بھرتی کیے جن کو مختلف کام دیے۔ ان میں سب سے اہم نام میر بہادر علی حسینی کا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے مطابق ڈاکٹر گلکرسٹ نے ان کو میر منشی بنائے رکھا اور جب کالج کونسل نے اس بات پر اعتراض کیا کہ اخراجات زیادہ ہیں تو گلکرسٹ نے صرف بہادر علی حسینی کو اپنے ماتحت رکھنے کی سفارش پیش کی۔[17]

دوسرا اہم نام میر امن دہلوی کا ہے ان کی پہلے تو کوئی خاص شہرت نہ تھی لیکن چونکہ وہ اہل زبان تھے اس لیے ان کو کالج میں ملازم رکھا گیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ باغ و بہار کی صورت میں سامنے آیا۔ باغ و بہار کی زبان و بیان اس دور کے مشکل اسلوب سے ہٹ کر تھی جو غیر ملکیوں کو ایک خاص طرح کی سہولت دیتا تھا۔ انور سدید کا خیال ہے کہ وہ نہ صرف کتابوں کی ترتیب و تالیف کے ذمہ دار تھے بلکہ اہل زبان ہونے کے ناطے سے یہ قیاس کرنا بھی درست ہے کہ انہیں درس و تدریس کا کام بھی دیا گیا ہو گا۔[18]

اس کے بعد اہم نام حیدر بخش حیدری کا ہے انہوں نے جن کتابوں کو مرتب و تالیف کیا ان میں سے جس کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان کی طوطا کہانی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے آرائش محفل، تاریخ نادری، گلزار دانش، گلدستہ حیدری، تذکرہ گلشن ہند وغیرہ بھی مرتب کیا۔

ان صاحبان کے علاوہ شیر علی افسوس، مرزا علی لطف، مولوی امانت اللہ، کاظم علی جوان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ سب وہ احباب ہیں جنہوں نے ایک نئے اسلوب کو متعارف کرایا اور اس اسلوب کی سب سے بڑی خاصیت سادہ زبان ہے جو اس وقت میں غیر ممالک سے آنے والوں کے سب سے بڑی ضرورت تھی۔

فورٹ ولیم کالج کی جب بنیاد رکھی گئی تو اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ نصاب کی دستیابی تھا کیونکہ اس وقت ہندوستان میں پریس موجود نہیں تھا جس کی وجہ سے کتابوں کی طباعت ہاتھ سے ہوتی۔ اس میں دو مشکلات تھیں ایک تو کتابیں کم شائع ہوتی تھی دوسری جو ہوتی تھی ان کے نسخوں کی تعداد محدود ہوتی تھی۔

دراصل لوگوں نے بھی زبان کو بطور نصاب پڑھنے یا سیکھنے کی طرف توجہ نہ دی تھی اور دینے کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ مادری زبان کوئی ایسی شے نہیں جس کو اس طرح سے سیکھا جائے کہ لوگ اس کے لیے قواعد مرتب کریں۔ عتیق صدیقی ایک دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں کہ جب گلکرسٹ نے زبان سیکھنا شروع کی تو انہوں نے ہندوستانیوں جیسا بھیس بنالیا گلی کوچوں میں زبان سیکھنے نکلا۔ عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

"فیض آباد ہی میں اپنی ادبی تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد و ضوابط کی کتابوں کے متعلق لوگوں سے سوال کیا تو وہ حیرت سے منہ تکنے لگے اور انہوں نے جواب دیا کہ بھلا آج تک کہیں بھی کسی نے قواعد اللغۃ کی مدد سے اپنی زبان سیکھی ہے۔"[19]

لیکن اس جواب کے بعد گلکرسٹ نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ کوئی ایسی لغت یا قواعد کی کتاب مرتب کرنا ہو گی جو زبان سیکھنے میں مدد دے سکے۔ اس نے دن رات کی محنت شاقہ کے بعد ایک کتاب مرتب کرلی جس میں اس نے زبان کے بنیادی قواعد لکھے لیکن یہ کتاب تو اس کے ذاتی مشاہدے سے مرتب ہوئی تھی۔ جب فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی گئی تو اس وقت نصاب کے لیے کتابوں کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ سیکھنے کے لیے بھی کتابیں موجود نہیں تھیں۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ کچھ کتابیں تیار کرائی جائیں۔ کالج میں کتابیں تیار کرنے کے لیے کالج کی کونسل سے اجازت لینے اور پھر ان کی طباعت وغیرہ کے مسائل سامنے تھے لہٰذا گلکرسٹ نے ذاتی دلچسپی کی بناء پر کچھ کام کرنا شروع کیا۔

"فورٹ ولیم کالج میں آکر اس (گل کرسٹ) نے نصابی کتاب کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ صرف نصابی کتب ہی موجود نہیں ہے بلکہ کسی قسم کا بھی مواد موجود نہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے ماتحت منشیوں کی مدد سے "کالج کونسل" کی اجازت کے بغیر بارہ کتابیں تیار کرائیں۔ قصہ چاردرویش، مثنوی میر حسن، گلستان کا اردو ترجمہ، طوطا کہانی، گلشن ہند اردو رسم الخط میں اور "مشقیں" کے نام سے بارہویں کتاب اردو ناگری رومن رسم الخط میں شامل تھیں۔"[20]

ڈاکٹر جمیل جالبی کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ گلکرسٹ کالج سے ہٹ کر ذاتی دلچسپی کی بنیاد پر اردو کی تدریس میں توجہ دے رہا تھا۔ ان کتابوں میں زیادہ تر ایسی کتابیں شامل تھیں جن کا شمار یا تو ادب میں ہوتا ہے یا پھر تراجم میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ وہ کتابیں ہیں جو پہلے پہل فورٹ ولیم کے نصاب میں شامل ہوئیں۔ ان کی دو وجوہات ہیں پہلی تو یہ کہ کتابیں عدم دستیاب ہونے کی وجہ سے جو دستیاب مواد تھا اس کو استعمال کیا گیا۔ دوسری طرف اس دور کا مزاج اور مذاق ہی ایسا تھا کہ ادبی کتابوں سے ہی تدریس کی جاتی رہی ہو گی۔ لیکن فورٹ ولیم کالج میں اس بات کو مد نظر رکھا گیا کہ ان کے نصاب میں شاعری کی کتابیں کم سے کم شامل ہوں۔

نو آموزوں کے لیے خاص طور پر کچھ کتابیں ترتیب دی گئی جن میں نصابی کتابوں کے علاوہ فرہنگ، لغت، مشقیں اور تاریخ وغیرہ کی کتابیں شامل تھیں۔ڈاکٹر شہناز نبی نے درج ذیل کتابیں گنوائی ہیں۔

۱۔ ہندوستانی زبان کی قواعد۔ A Grammer of Hindustani Language1976

۲۔ ضمیمہ لغت و قواعد یہ رومن خط میں ہے۔(1798)Appendix

۳۔ مشرقی زبان دانی۔1798 The Oriental Linguist

۴۔ اینٹی جار گونسٹ۔1800 The Anti gornist

۵۔ نو ایجاد یعنی نقشہ افعال فارسی مع مصدرات آں ومترادفات ہندوستانی و فارسی و انگریزی

A New Theory and prospectus of persion virbs

۶۔ ہندی مشقیں کالج کے امتحان کے لیے فارسی خط میں تیار کی گئیں۔ Hindi Exercises1801

۷۔(1802) The strangers east indo Gide to hindostanee

۸۔ Hindostanee dictionary of students introduction the hindustanee language (1802)

۹۔ مبادیات ہندوستانی۔(1802)The Hindustanee Principles

۱۰۔ ہندوستانی علم البجا کا خاکہ۔ Practical outline or a sketch of Hindustanee1802

۱۱۔ ہندوستانی زبان میں مستعمل عربی الفاظ۔ The Hindee Arabic Mirror(1802)

۱۲۔ بیاض ہندی(دو جلدوں میں)۔ The Hindee Manual or casket of india(1802)

۱۳۔ اتالیق ہندی۔(1803)The Hindi Moral Preceptor[21]

ڈاکٹر شہناز نبی کی پیش کی گئی اس فہرست سے اس بات کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں کہ فورٹ ولیم

کالج نے اپنے قیام سے دو سال کے اندر اندر اردو یا ہندوستانی زبان میں غیر ملکیوں کو سکھانے کے لیے نا صرف بنیادی کتابیں مرتب کر لیں بلکہ ان کا انداز ہندوستان میں موجود نظام سے ہٹ کر سادہ اور قواعد کی بنیاد پر رکھا گیا تھا۔

فورٹ ولیم کالج کا طریقہ تدریس :

کالج کا قیام تو ایک کام تھا ہی لیکن اس کالج کے بیشتر منشی اساتذہ و ملازمین یا تو ناتجربہ کار تھے یا کم تجربہ کار کیوں کہ چاہے وہ گلکرسٹ ہو یا دوسرے مقامی مدرس کسی کا بھی شعبہ اس سے پہلے درس و تدریس نہ رہا تھا۔ درس و تدریس سے ہٹ کر غیر ملکیوں کو زبان پڑھانا تو ایک بالکل ہی الگ شعبہ تھا، دوسری طرف جو ایک بڑا مسئلہ درپیش تھا وہ مواد دستیابی کا تھا۔ اس وقت اردو زبان کی حیثیت ابھی تک عوامی زبان کی سی تھی یہ الگ بات ہے کہ اس وقت بہت بڑے شاعر اور ادیب پیدا ہو چکے تھے لیکن پھر بھی غیر ملکیوں کے لیے کچھ بھی قواعد و لغت طے نہ ہوئے تھے، زبان کا املا تک بھی طے نہ ہو پایا تھا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں :

> ”زبانوں کی تعلیم و تدریس کے لیے اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ طلبا کے لیے نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں۔ پھر ان کو چھاپنے کے لیے وہ جدید ترین طریقے استعمال کیے جائیں جن سے اب تک ان زبانوں کی تحریروں کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔“[22]

کیوں کہ ابھی تک ہندوستان کی زبانیں بہت جدید تعلیم کے لیے شاید موزوں نہیں تھیں۔ کالج نے جلد ہی اس وقت کا جدید طریقہ تدریس متعارف کرایا جس میں تدریس کا تقریباً وہی طریقہ رکھا گیا جو اب تک دنیا بھر میں رائج ہے یعنی سب سے پہلے اس میں صدر شعبہ، منشی، میر منشی اور چیف وغیرہ کے عہدے بنائے گئے اور ان کے ذمے لیکچر کا کام لگایا گیا۔

اب ان منشیوں کے ذمے یہ فرائض لگائے گئے کہ وہ اتوار کا دن چھوڑ کر ہر موسم میں روزانہ دس بجے سے ایک بجے دوپہر تک کالج میں حاضری دیا کریں گے اور ان تین گھنٹوں میں کالج میں موجود طلبا ان سے استفادہ کر سکیں گے۔[23]

اس دوران نا صرف لیکچر روم میں لیکچر رمقرر کر دیے جاتے تھے بلکہ ان کے لیے استادوں کا ہونا بھی ضروری تھا تاکہ وہ لیکچر کے بعد بھی ان سے رابطہ اور استفادہ کر سکیں۔ ان کلاسوں میں ان کو گرامر، ترجمہ، شاعری اور روزمرہ زبان سکھائی جاتی اور اس حوالے سے ان کے امتحانات کا انعقاد بھی کیا جاتا

تھا۔ شانتی رنجن بھٹا چاریہ کے مطابق۔ ''ان دنوں فورٹ ولیم کالج کے امتحانات کے ہر پرچے کے لیے دو گھنٹے کا وقت ہوتا اور اردو پرچوں میں گرامر، ترجمہ، محاورات اور ضرب الامثال کے علاوہ اشعار کا مطلب بیان کرنا شامل تھا۔''[24]

شانتی کے اس بیان سے اس بات کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ اس کالج میں غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس میں تقریباً وہی تمام طریقے اپنائے گئے تھے جو آج تک رائج ہیں اور صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بھی بہت کچھ مطلب ان کو شاعری پڑھائی جاتی تھی۔ شاعری کا مذاق ہر انسان کو نہیں لیکن اگر کسی غیر ملکی کو اس حد تک زبان پڑھادی جائے کہ وہ اس زبان کی شاعری تک سمجھ سکے تو اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔

صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ گلکرسٹ بھی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس نے زبان سودا کے کلیات سے سیکھی تھی۔ محمد عتیق صدیقی نے اس کی ایک کتاب کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''سودا کا کلیات مجھے مل گیا۔ ہندوستانی زبان میں اس وقت (۱۷۹۸) تک جو مہارت میں نے حاصل کی ہے اس کے لیے سودا کے کلیاتِ اردو، اسی کریم النفس انسان (جان ریٹ لے) کے مشوروں کا نیز اس کی ہمت افزائی وعادات کا میں بے حد رہین منت ہوں۔''[25]

گلکرسٹ کے اس بیان سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت کالج میں جو درس و تدریس کا سلسلہ چل رہا تھا اس میں سب سے زیادہ زور ادب کے ذریعے زبان سکھانے پر تھا۔ لیکن پھر بھی ایسی کتابیں تیار کرالی گئیں یا پھر ان کے تراجم کرائے گئے جن کے ذریعے آسانی سے نو آموزوں کو زبان سکھائی جا سکے اور ایسی کتابیں بھی تیار کرائی جائے جن کے مطالعے سے طلبہ سیکھنے والی زبانوں پر قدرت حاصل کر سکے۔[26] لیکن ان کتابوں کے معیار کو برقرار رکھنا بھی ضروری تھا کیونکہ اردو ایسی زبان ہے جس کو بہت زیادہ سائنسی انداز سے پڑھانا ممکن نہیں کیونکہ اگر ان میں دونوں املا کی شوشوں اور خاص طور پر اعراب وغیرہ کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ایسی زبان کو سیکھنا اور سکھانا دونوں ہی مشکل ہیں۔ اس لیے یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح تلفظ کے لیے چھپائی میں اعراب کا اہتمام کس طرح کیا جائے۔[27] اس کے ساتھ ہی بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کالج کی زیادہ تر زبانیں رومن رسم الخط میں ترتیب پاتی تھیں تاکہ یورپی طلبہ ان سے استفادہ کر سکیں اس کے لیے دیسی زبانوں کو رومن خط میں بدلنے کے لیے بھی ضروری اقدامات کرنا پڑے اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے خیال میں نقل حرفی کا طریقہ اختیار کیا گیا۔[28] ان کتابوں سے کالج میں درس و تدریس کا معیار بھی بہتر ہوا اور طالب علموں کو آسانی ہوئی۔

اس کے بعد جو چیز قابل ذکر ہے وہ کالج کا طریقہ امتحان ہے اور ایک ٹرم کا دورانیہ ہے۔ فورٹ ولیم میں سمسٹر کے انداز سے پڑھائی کی جاتی رہی اور سال میں دو بار امتحان کا انعقاد ہوتا تھا۔ اس کی تفصیل سید سبط حسن نے اس طرح بتائی ہے۔

> ''کالج میں دو دو ماہ کے چار ٹرم ہوتے تھے۔ پہلا ٹرم فروری اور مارچ کا دوسرا مئی اور جون کا تیسرا اگست اور ستمبر کا چوتھا نومبر اور دسمبر کا۔ ہر ٹرم کے بعد ایک ماہ کی تعطیل ہوتی تھی، سال میں دو بار امتحانات ہوتے تھے پہلا دوسرے ٹرم کے بعد اور دوسرا چوتھے ٹرم کے بعد۔''[29]

سبط حسن نے جو طریقہ کار اس وقت فورٹ ولیم کا بنایا ہے وہ آج کے دور میں بھی مختلف اداروں میں رائج ہے۔ مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اردو کی تدریس اور غیر ملکی زبان کی تدریس کے حوالے سے کام ہمیشہ سے ہو رہا ہے اور اج بھی جاری ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے حوالے سے جدید اصول اور طریقے وضع کیے جائیں۔

ii. غیر ملکی جامعات میں اردو کی تدریس:

اردو کا شمار دنیا کی چند زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں ہوتا ہے۔ بعض ماہرین اسے دنیا کی تیسری اور بعض چوتھی بڑی زبان قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات تو طے ہے کہ اس زبان کا شمار دنیا میں بولی جانے والی چند بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ اردو دنیا کا عام طور اور ایشیا کا خاص طور پر شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو گا جس میں یہ زبان بولی اور سمجھی نہ جاتی ہو۔ اس بات کا اندازہ کم از کم اس بات سے تو لگایا جا سکتا ہے کہ فلم کسی بھی زبان کو سننے اور سمجھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اس میں ہندی فلم انڈسٹری جس میں بولنے کی حد تک تو بیشتر فلمیں اردو زبان میں ہوتی ہیں۔ دنیا کی دوسری بڑی فلمی صنعت ہے اور اس کی بنائی گئی فلموں کو دیکھنے والے بھی اسی قدر موجود ہیں۔ بولنے سننے اور سمجھنے کی حد تک تو یہ دنیا کی اہم ترین زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔

یہ بات اسی حد تک درست نہیں بلکہ اردو زبان کو سیکھنے کے لیے بھی دنیا بھر میں کوششیں جاری ہیں۔ ان مقاصد سے صرف نظر کہ وہ سیاسی یا اقتصادی ہیں۔ لیکن 65 سے زیادہ ممالک میں اردو کو باقاعدہ زبان کی حیثیت سے سیکھا جا رہا ہے۔

اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان کی ابتدا ہندوستان میں فورٹ ولیم کے دور سے ہی ہو گئی تھی اور

چالیس پینتالیس سال تک باقاعدہ ایک ادارے سے اور اس سے پہلے اور بعد میں لوگوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے اس کو سیکھا۔

جب ڈاکٹر گل کرسٹ ہندوستان چھوڑ کر انگلستان گیا تو اس نے وہاں پر بھی اردو کو نہیں چھوڑا بلکہ اس کو سکھانے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے بعد جو لوگ کمپنی میں ملازم ہو کر آتے تھے۔ ان کو اردو ہندوستانی زبان کی تعلیم وہاں سے ہی دی جاتی تھی۔

جبکہ اس سے پہلے جان جوشوا کیٹلر، بنجمن شلز، گلسن، ہیڈلے ایسے نام ہیں جنھوں نے نہ صرف اس زبان کو سیکھا بلکہ دوسروں کو سکھانے کے لیے امدادی کتب بھی ترتیب دیں۔ (ان کا تفصیلی ذکر دوسرے باب میں آئے گا)

یہ بات یہیں تک نہیں رکی بلکہ گارساں دتارسی جیسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنھوں نے ہندوستانی ہوئے بغیر اپنی کتابیں ہندوستان اور اس کی زبان کے بارے میں ترتیب دیں اور اس کو سیکھنے والوں کی راہنمائی کی۔ لیکن کسی ادارہ جاتی مقام پر اردو کی درس تدریس کا کام بہت پہلے ہی ہندوستان سے شروع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر طارق رحمان کہتے ہیں:۔

> "اردو کی باقاعدہ اور رسمی تعلیم غالب سے بہت پہلے اور ستم ظریفی کی حد تک برطانیوں نے شروع کی تھی فورٹ ولیم کالج شروع کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایسے طلبا کو ہندوستان میں اعلیٰ اور اہم مناصب دیے جانے تھے جس کے لیے انہیں دیسی زبانوں میں درک درکار تھا۔"[30]

لیکن جدید دور میں اردو خاص طور پر قیام پاکستان کے بعد سے اردو زبان کی تدریس باقاعدہ طور پر غیر ممالک میں شروع ہوئی اور نہ صرف درس و تدریس کی گئی بلکہ اس کے ادب اور قواعد کو ترجمہ بھی کیا گیا۔ اور اس حوالے سے کئی تحقیقی و تنقیدی کام ہوئے اور جاری ہیں۔ دنیا بھر میں مختلف جامعات، سکولوں اور کالجوں میں اردو کو سیکھا جاتا ہے۔ دنیا میں کن کن ممالک میں اردو پڑھائی جاتی ہے اس کا ایک سرسری سا جائزہ لیتے ہیں۔

دنیا میں کن کن یونیورسٹیوں میں اردو پڑھائی جا رہی ہے۔ اس کی تاریخ کیا ہے کورس کیا ہیں، وہاں کے نصاب، ماہرین، تراجم وغیرہ کو اگر پڑھنا شروع کیا جائے تو اس کے لیے شاید کئی اور مقالے لکھنے کی ضرورت ہے لیکن ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے لیے ہم دنیا میں موجود براعظموں اور بڑے بڑے خطوں کے

حوالے سے اردو کی تدریس کو دیکھتے ہیں۔

براعظم ایشیا:

براعظم ایشیا آبادی کے حوالے سے دنیا کا سب سے بڑا براعظم ہے۔ اور اس کے جنوبی حصے کی آبادی دنیا بھر کی آبادی کا تقریباً چوتھا حصہ ہے۔ اور اردو جنوبی ایشیا کی لنگوافریکا ہے۔ آج بھی تقریباً زیادہ آبادی کا زبان کے ذریعے رابطہ ہوتا ہے۔ پاکستان کی تو یہ زبان ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ بھارت کا شمالی حصہ بھی اسی زبان میں بات چیت کرتا ہے اور یہ لوگوں میں رابطے کا ذریعہ ہے۔ جبکہ جنوبی حصے کے لوگ بھی اس زبان کو بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ تقسیم سے پہلے تک ہندوستان کی تقریباً تمام بڑی یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبہ جات موجود تھے اور تقسیم کے بعد بھی بھارت کی تمام یونیورسٹیوں میں جہاں، ہندی، سنسکرت اور دوسری مقامی زبانوں کے شعبہ جات موجود ہیں وہاں ساتھ ہی اردو کا شعبہ بھی موجود ہے۔ اسی طرح اردو کی شاعری، افسانے، ناول اور دوسری اصناف میں ترقی روز و اول کی طرح جاری ہے۔ جبکہ ہندوستان سے نکلنے والے اردو رسالوں کی تعداد شاید پاکستان سے زیادہ ہے۔ یہ ہی صورتحال لوگوں کی آپس میں بولنے اور سمجھنے کی ہے۔

ہندوستان کی فلمیں، گانے وغیرہ سب اردو زبان میں ہی ہوتے ہیں۔ بھارت میں اردو کی موجودہ صورت حال کے حوالے سے ڈاکٹر شریف الدین نے لکھا ہے:

> "بھارت سرکار کی سرپرستی یا مالی اعانت کے زیر اہتمام اردو کی ترقی یا ترویج و اشاعت کے جو ادارے بھارت میں قائم ہیں اور مقدور بھر اپنا کام کر رہے ہیں۔۔۔۔ اس میں تعلیمی درس گاہیں، انجمن، سوسائیٹاں، کمپیناں، اکیڈمیاں اور بیورو شامل ہیں۔ جن کے نام گنوانا طویل عمل ہو گا۔"[31]

شریف الدین کے اس بیان سے اس بات کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں رہ جاتا کہ بھارت میں اردو کی حیثیت اس وقت کیا ہے۔

برصغیر کے دیگر چھوٹے بڑے ممالک کی طرح بنگلہ دیش میں بھی اردو کو مقبولیت حاصل ہے۔ جب تک یہ ملک پاکستان کا حصہ رہا تو اس میں اردو کو قومی زبان کا درجہ حاصل تھا لیکن اس کے بعد بھی اردو کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں باقاعدہ طور پر اردو کا شعبہ سرگرم ہے اور وہاں پر لوگ اردو

سیکھ اور سکھا رہے ہیں۔ جبکہ خالد اقبال یاسر نے اپنے ایک مضمون "بنگلہ دیش میں اردو" میں بنگلہ دیش کے لکھاریوں کی فہرست پیش کی ہے بلکہ اصناف کے حوالے سے کتابوں کی ایک فہرست دی ہے جو بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد لکھی گئی۔ اس کے علاوہ متعدد اخبار بھی اردو میں شائع ہو رہے ہیں۔[32]

اسی طرح نیپال میں بھی اردو کو اہمیت حاصل ہے ابتدا میں تو اس کی حیثیت صرف بولنے کی حد تک تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا اور اردو کو سیکھنے سکھانے کی کوشش کی جانے لگی۔ برصغیر میں کیونکہ اسلام کی بنیادی کتابیں زیادہ تر اردو میں لکھی ہوئی ہیں اور مسلمانوں کے چند بڑے مدرسے بھی اسی زبان میں تعلیم دیتے ہیں اس لیے نیپال میں بھی اسلام کی درس و تدریس کے لیے اردو ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن اردو زبان کی باقاعدہ تدریس کے لیے کھٹمنڈو یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ قائم کیا گیا۔ اس حوالے سے کھٹمنڈو کی ترمن بھون یونیورسٹی میں شعبہ اردو کا قیام عمل میں آیا جس کی سربراہی کے لیے کراچی یونیورسٹی کی ڈاکٹر طاہرہ نئیر منتخب ہوئیں۔ انہوں نے 10 نومبر 1975 کو شعبہ اردو کا چارج لیا۔[33]

اس کے علاوہ متن مکری نے اپنے مضمون میں نہ صرف ان الفاظ کی فہرست پیش کی ہے جو نیپالی اردو میں مشترک ہے بلکہ انہوں نے نیپال میں اردو کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

نیپال میں، ایک انجمن "انجمن ترقی اردو، نیپالی زبان و ادب" بھی کام کر رہی جس میں اردو ادب پاروں کے نیپالی زبان میں تراجم کیے جا رہے ہیں۔ میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ کے ساتھ ساتھ فیضؔ کے تراجم ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

جاپان ایشیا بلکہ دنیا بھر کا پہلا ملک ہے جس نے جدید دنیا میں ٹیکنالوجی کو متعارف کرایا اس کی اہمیت ہر دور میں قائم رہی۔ جاپان میں اردو کی اہمیت سے بھی صرفِ نظر ممکن نہیں۔ جاپان میں اردو کی ابتدا کب ہوئی اس کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔ البتہ 1908ء میں ٹوکیو میں ایک غیر ملکی زبانوں کا ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام ٹوکیو سکول آف فارن لینگویجز تھا۔ اس میں شعبہ ہندوستان قائم کیا گیا۔ یہ سلسلہ 1949ء تک چلتا رہا اور پھر اس سکول کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا تو اس وقت تک ہندوستان بھی تقسیم ہو چکا تھا جس کے سبب اب ہندوستانی اور پاکستانی زبانیں بھی الگ الگ تھیں اس وجہ سے اس ہندوستانی شعبے کو شعبہ "ہندو پاکستان" بنا دیا گیا۔

اس کے بعد 1922ء میں اوساکا سکول آف فارن لینگویجز کا قیام عمل میں آیا تو جاپان کے اس

دوسرے بڑے شہر میں ایک غیر ملکی زبانوں کا سکول کھولا گیا۔ اس کو بھی 1945 میں یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔ اور یہاں پر بھی اردو کا باقاعدہ آغاز ہوا جو اب تک جاری ہے۔ بہت سے مقامی اور پاکستانی اساتذہ وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ ترتیب و تالیف کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔

پاکستان سے بھی بہت سے نامور لوگوں نے وہاں جا کر خدمات سر انجام دی ہیں۔ اس سب کے علاوہ جامعات کے اساتذہ نے اور طالب علموں نے نہ صرف بہت سی کہانیاں اور افسانے ترجمہ کیے بلکہ اردو کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ ساتھ قواعد اور لغات بھی مرتب کی ہیں۔ اور ان یونیورسٹیوں سے اردو ریڈیو چینل بھی سرگرم عمل ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے "جاپان میں اردو" کے نام سے ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے اس کے ضمیمہ جات بھی بعد میں لکھے۔[34] اس مضمون میں انہوں نے جاپان میں ہونے والی اردو میں ترقی کو تفصیلی بیان کیا ہے۔ وہاں کے اساتذہ کی فہرست اردو زبان میں کیے جانے والے تراجم کی فہرستیں بھی شامل کی ہیں جس میں اردو افسانے، کہانیاں، ناول شاعری سب شامل ہے۔ اس کے علاوہ پرفیسر سویامانے یاسر کو ایک اردو دان ہونے کے حوالے سے پاکستان میں بھی لوگ جانتے ہیں۔

ایشیا کا دوسرا اہم ملک چین ہے۔ جس کی آبادی دنیا کی دوسری بڑی آبادی ہے اور پاکستان کا ہمیشہ سے دوست ملک ہے۔ لیکن پچھلے چند سالوں میں اس کے ساتھ روابط میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اور ایک اقتصادی راہ داری شروع کی گئی ہے جس کی وجہ سے ہمارے روابط اور بھی مضبوط ہو گئے۔ جدید چین کی بنیاد رکھی جانے کے ساتھ ہی مقامی طور پر غیر ملکی زبانیں سیکھنا شروع کیں۔ 1954 میں بیجنگ یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ قائم ہوا۔ اور وہاں لوگوں نے اردو زبان لکھنا شروع کی آہستہ آہستہ بیجنگ یونیورسٹی کے شعبہ مشرقی علوم کے تحت اردو کا شعبہ قائم کیا گیا۔ اور اب وہاں ماسٹر ڈگری تک کی کلاسز ہوتی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ 2016ء تک چین کی پانچ مختلف یونیورسٹیوں میں اس وقت اردو کے شعبہ جات قائم ہو چکے ہیں اور سینکڑوں طالب علم اردو پڑھ اور سیکھ رہے ہیں۔

چین سے ایک رسالہ چائنہ پکٹوریل اردو میں نکلتا رہا اس کے علاوہ چائنہ ریڈیو انٹرنیشنل (CRI) سے اردو میں پروگرام اور FM98 سے دوستی چینل بھی اردو کو فروغ دے رہا ہے۔ چین میں غیر ملکی زبانوں کا اشاعت گھر 1952 میں قائم ہوا اور اس کے ایک سال بعد ہی وہاں اردو کا شعبہ بھی قائم کیا گیا۔ جس میں تراجم کا سلسلہ جاری ہے۔[35] ان تراجم میں سب سے زیادہ اہم بچوں کا ادب، معلوماتی کتب، نظریاتی کتب، سائنسی

کتب، ٹیکنالوجی کی کتابیں وغیرہ چینی سے اردو میں ترجمہ کی جاچکی ہیں۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی معروف اردو ادیبوں کی تخلیقات کو چینی میں ترجمہ کیا گیا جن کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ بہت سے چینی شعرا اردو میں شاعری بھی کرتے ہیں اردو حلقوں میں بہت معروف بھی ہیں جن میں "انتخاب عالم" کا نام سر فہرست ہے۔

ایشیا کے دوسرے ممالک کی نسبت ازبکستان ایک چھوٹا ملک ہے لیکن اردو سیکھنے کی دلچسپی کے حوالے سے یہ ان ممالک پر برتری لے گیا ہے۔ ایک مشہور اریک کہاوت ہے "زبان کا احترام عوام کا احترام ہے" شاید اسی کی وجہ سے وہ برصغیر کی دوسری زبانوں کے ساتھ اردو کا بھی بہت احترام کرتے ہیں۔

ازبکستان کو یہ اعزاز ہے کہ 1920 میں یہاں ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی جو وسط ایشیائی ممالک میں سب سے پہلا جدید تعلیمی ادارہ تھا۔ اس یونیورسٹی میں ہندی اور اردو کا شعبہ بھی قائم کیا گیا۔ تب سے اب تک یہاں اردو کی تعلیم جاری ہے اس کے علاوہ یہاں نجی اور کچھ سرکاری سکولوں میں بھی اردو کو پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے یہ سلسلہ یہاں ہی نہیں رکتا بلکہ خال مرزا ئف مرزا کے مطابق وہاں پی ایچ ڈی اردو کی ڈگریاں بھی کرائی جارہی ہیں۔[36]

فیض، خالد معراج، کوثر نیازی وغیرہ کا تعلق بھی ازبکستان میں اردو کی سرگرمیوں سے خاصا رہا ہے۔ جو مختلف اردو کی سرگرمیوں کی سربراہی کر چکے ہیں۔ یہاں بھی غالبؔ، اقبالؔ، بیدیؔ، سجادؔ ظہیر کی تخلیقات کے تراجم کیے جاچکے ہیں اسی طرح وہاں کی زبان ازبک، روسی تاجک وغیرہ کے ادیبوں کو بھی اردو کے قالب میں ڈھالا جاچکا ہے۔

ترکی (موجودہ ترکیہ) ایک ایسا ملک ہے جو ایشیا اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے۔ یہاں کی تین سرکاری جامعات میں اردو کی تعلیم دی جارہی ہے۔ جن میں انقرہ یونیورسٹی میں 1954 سے اردو پڑھائی جارہی ہے اور حکومت کے تعاون سے اس دور سے وہاں اردو کی چیئر بھی قائم ہے اس چیئر کا نام "اردو پاکستان سٹڈیز چیئر" ہے اور اب تک یہاں آٹھ ہزار سے زائد طالب علم فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔[37]

یہ بات اس حد تک ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک کی طرح ترکی میں بھی تحقیق و تدوین کے ساتھ تراجم کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ ترکی سے اردو، اور اردو سے ترکی میں ترجمہ ہونے والے کتابوں کی تعداد سینکڑوں سے گزر کر اب ہزاروں میں پہنچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ ریڈیو کی اردو سروس اخبارات ورسائل وغیرہ اردو میں شائع

ہوتے ہیں۔ اور مختلف درجوں کی ڈگریاں بھی کرائی جارہی ہیں۔ جن میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی شامل ہے۔

چین اور جاپان کی طرح جنوبی کوریا بھی ٹیکنالوجی کے میدانوں میں آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ زبانوں کو سیکھ رہے ہیں۔ ابتدا میں کچھ طالب علم پاکستان آکر اردو سیکھتے رہے۔ جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول کی یونیورسٹی میں شعبہ اردو قائم کیا گیا۔ جہاں اردو کی زبانی لغت کے علاوہ دیگر نصابی کتب بھی تیار کی گئی ہیں اور کچھ پاکستانی مصنفین کی کتب کے تراجم بھی کیے جاچکے ہیں۔

ان سب ملکوں کے علاوہ ایشیا کے کئی رقبے کے لحاظ سے چھوٹے ممالک میں بھی اردو پڑھائی جارہی ہے جیسے کہ مالدیپ، برما، نیپال، ملائیشیا، سری لنکا، افغانستان وغیرہ جیسے ممالک شامل ہیں۔ ویسے تو رابطے کی زبانوں میں اردو شامل ہے کیونکہ یہ سب کبھی نہ کبھی ہندوستان کا حصہ رہے ہیں۔ اور ہندوستانی زبان کے اثرات ان پر بہت زیادہ ہیں۔ لوگ اردو فلم دیکھتے ہیں اور گانے سنتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں ان میں سے اکثر ممالک میں اردو کو بطور غیر ملکی زبان پڑھایا بھی جارہا ہے۔

ان ممالک میں نیپال کی حیثیت کچھ ممتاز ہے۔ یعنی نیپال کی ترن بھون یونیوسٹی میں 1985 میں باقاعدہ اردو زبان کا شعبہ قائم کیا گیا۔ جو اب بھی کام کر رہا ہے۔ اور وہاں کے لوگوں کو اردو کی تدریس کرنے میں مصروف عمل ہے۔

بعض ممالک کی صورت حال بہت دلچسپ ہے جیسے کہ ایران میں اردو زبان تقسیم سے پہلے سے پڑھائی جارہی ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اردو زبان پیدا ہی فارسی کے اثر سے ہوئی ہے۔ تقسیم کے بعد 1956 دانشگاہ تہران میں اردو کا شعبہ قائم کیا گیا جو بعد میں کرسی زبان اردو (Urdu Chair) پاکستان شناسی میں تبدیل ہوگیا۔ 1979[38] سے دانشگاہ فردوسی شہید اور دانشگاہ اصفہان میں بھی اردو پڑھائی جانے لگی ہے۔ جہاں لوگ اردو زبان سیکھ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ ریڈیو ایران (صدائے جمہوری اسلامی ایران) تہران اور زاہدان کے اسٹیشن بھی کبھی کبھی اردو کی نشریات پیش کرتے ہیں۔

یورپ اس وقت دنیا کا سب سے ترقی یافتہ اور جدید خطہ ہے۔ اس میں جو ممالک بھی شامل ہیں۔ انہوں نے خود کو ترقی کی انتہا تک پہنچا رکھا ہے۔ جہاں وہ دوسرے کئی میدانوں میں ترقی کر رہے ہیں وہاں وہ زبان کو بھی ایک سائنس بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور زبانوں کے مطالعے، ان کی تدریس اور ان کے اصول وضع

کر رہے ہیں۔ یورپ کے ہر حصے میں اکثر بڑے ملکوں جیسے، روس، جرمنی، برطانیہ، اطالیہ، فرانس، ناروے وغیرہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بھی اردو زبان پڑھائی جارہی ہے اور وہاں کی حکومتیں اور لوگ اسے غیر ملکی زبان کے طور پر سیکھ رہے ہیں۔

روس ایک دور کی عالمی طاقت رہا ہے۔ اور اس ملک نے جس درجہ ترقی کی ہے اس سے سب واقف ہیں۔ روس میں بھی اردو کے قدر دانوں کی کمی نہیں۔ سب سے پہلے تو سویت یونین کے تحت جو لوگ اردو سیکھتے رہے اور ان کو سکھاتے رہے میں ایک اہم نام مریم سلگانگ تھا۔ اور سویت زمانے میں وہ "غیر ملکی کیمشن" کی کارکن تھیں۔ یہ وہی مریم سلگانگ ہیں، فیض احمد نے جن کے نام اپنی کتاب "سر وادی سینا" منسوب کی ہے۔ لیکن تعلیمی اداروں میں اگر دیکھا جائے تو ماسکو میں تین بڑے ادارے اس وقت اردو کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر لامیلا واسی لیوا لکھتے ہیں:

> "کوئی دو چار سال پہلے تک روس میں اردو ایک بنیادی مضمون کے طور پر تین اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھائی جاتی تھی۔ ماسکو یونیورسٹی کے تحت اور افریقہ کی قوموں کے ادارے میں، ماسکو بین الاقوامی تعلقات کے ادارے اور لینن گراڈ کی یونیورسٹی کی شرقیاتی فیکلٹی ہیں۔"[39]

اس کے علاوہ پیٹر برگ میں اردو کو پڑھایا جارہا ہے۔ جبکہ اردو ادب کے تراجم، لغات اور نصاب بھی تیار کیے گئے ہیں۔ اور لوگ یہ سیکھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ زبان کے معروف ادیب اردو میں ادب تخلیق کر رہے ہیں۔

جرمنی کی حیثیت اس لیے دوچند ہے کہ یہاں پر اردو کی ابتدا قیام پاکستان سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جرمنی میں اردو کے حوالے سے زیادہ کام نہیں ہوا اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اردو پر توجہ دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود اردو کی تعلیم کا سلسلہ 1917 میں برلن میں شروع ہو جاتا ہے، اور لوگوں نے وہاں اردو سیکھنا شروع کی۔[40]

منیر الدین احمد کے مطابق، ہائیڈل برگ یونیورسٹی کی ساؤتھ ایشیا انسٹی ٹیوٹ میں اردو کا شعبہ کام کر رہا ہے۔ جبکہ اس کے علاوہ ہجرک، بون، گوننگن، اور میونخ، تزبرگ وغیرہ میں بھی لوگ اردو سیکھ رہے ہیں۔

برطانیہ میں اردو تدریس کی کہانی پوری دنیا سے الگ اور دلچسپ ہے۔ کیونکہ برطانیہ دنیا کا پہلا ملک ہے

کہ جس نے اردو کو غیر ملکی زبان کے طور پر سیکھنا شروع کیا۔ فورٹ ولیم کالج کے دور میں گل کرسٹ نے اردو زبان کی باقاعدہ تدریس کی ابتداء کی۔ پہلے پہل تو انہوں نے ہندوستان میں یہ کام کیا پھر جب وہ برطانیہ واپس چلے گئے تو وہاں کے لئیر اسکوائر میں ایک درسگاہ بنا کر وہاں اردو کی تدریس شروع کر دی۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ برطانیہ میں اردو کی تدریس کوئی تین سو سال سے جاری ہے۔ سید فیضی کے بقول 1855 میں یونیورسٹی کالج (لندن) نے اردو پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا۔[41]

تب سے اب تک بیسیوں ایسے ادارے ہیں جہاں اردو پڑھائی جارہی ہے۔ جن میں قابل ذکر سکول آف اورینٹل اینڈ افریقین اسٹڈیز ہے جہاں 1930 سے اردو پڑھائی جارہی ہے۔ یہاں سب سے زیادہ کام پروفیسر رالف رسل نے کیا۔ انہوں نے برطانیہ میں اردو کی تدریس کے حوالے سے نصاب مرتب کیا، طریقے وضع کیے اور بہت سا تحقیقی کام سرانجام دیا۔ رالف رسل کہتے ہیں: "جان برانٹ بنٹ نے مجھے 1984 میں بتایا تھا کہ اس وقت تک کم و بیش پچاس سکولوں میں اردو پڑھائی جارہی ہے"[42] جواب تک یقیناً کہیں زیادہ ہو چکی ہو گی۔ اس کے علاوہ برطانیہ میں اردو اخبارات، رسائل بھی اس خدمت میں شامل کر رہے ہیں۔

اٹلی میں اردو کی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ اور خاص طور پر ایک کیتھولک شہری کی کوشش سے وہاں شروع ہوتی ہے۔ جو آج تک ترقی کر رہی ہے اور اس حد تک کر چکی ہے کہ اٹلی میں ڈکٹریٹ تک کی ڈگری کی تعلیم اردو میں موجود ہے۔ لیکن کسی ادارے میں اردو کی باقاعدہ تعلیم و تدریس کا آغاز 1955 سے ہوتا ہے۔ جب نیپلز اورنٹیل یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ قائم کیا گیا۔ اس شعبے میں پاکستان اور بھارت سے مختلف اوقات میں بہت سے نامور لوگ اردو کی درس و تدریس میں اپنا حصہ شامل کرتے رہے ہیں۔ بقول مرزا حامد بیگ کے وہاں پر پی ایچ ڈی تک کی تعلیم دی جاتی ہے وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں: اورینٹل یونیورسٹی انسٹیویٹ نیپلز (اطالیہ) میں پی ایچ ڈی کا نصاب چار سال کا ہے۔ بھارت اور پاکستان سے متعلق ڈاکٹریٹ کا نام Doctrate in orientale language and civilization ہے۔[43]

دو اور شہروں میلان اور تیورن میں بھی اردو زبان کا شعبہ قائم ہے۔ اس کے علاوہ وہاں سے تراجم اور رسائل بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔

چیکوسلواکیہ بھی ان ممالک میں سے ہے جنہوں نے اردو کی تدریس و تعلیم برصغیر سے پہلے ہی شروع کر دی تھی۔ جبکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد تو پراگ یونیورسٹی نے باقاعدہ طور پر اردو اور ہندی کو پڑھانا

شروع کر دیا۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین لکھتے ہیں:

"جنگ کے بعد ہندوستانی علوم کے شعبہ میں ہندوستانی زبانوں کی تعلیم پھر شروع ہوئی۔
سب سے پہلے پراگ کی شارل (Charles) یونیورسٹی نے اعلیٰ پیمانے پر ہندی اور اردو
کی باقاعدہ تعلیم کا کام شروع کیا"[44]

اس کے علاوہ چیکوسلواکیہ میں کچھ تراجم مقالات بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔ اور کچھ لوگ نجی اداروں میں بھی اردو سیکھ لیتے ہیں۔

فرانس اور اردو کا تعلق بہت گہرا ہے۔ اردو پڑھنے اور لکھنے والا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو دتاسی (de tassy) کے نام سے واقف نہ ہو۔ انہوں نے فرانس کے شہر پیرس میں رہ کر اردو سیکھ لی اور تصنیف و تالیف سے وابستہ ہوئے اور اردو کے پہلے مستشرقین میں شمار ہوئے ان کے خطبات اور کتابیں ہندوستانی زبانوں اور خاص طور پر ہندوستانی اردو کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں۔ جن کی 1850 سے 1969 کے درمیان اشاعت ہوئی۔

اردو کی ابتدائی تدریس بطور غیر ملکی زبان میں دو بہت اہم نام منجن مسکر اور کیٹلر ہیں ان دونوں کا تعلق ڈنمارک سے تھا۔ ان کے کام کا تفصیلی تعارف پہلے ہو چکا ہے۔ ان دونوں نے اردو جب ہندوستانی کے نام سے جانی جاتی تھی، کی بنیادی قواعد کی کتابیں تحریر کیں۔ غیر ملکیوں اور خاص طور پر فورٹ ولیم کالج کے اساتذہ کے لیے بنیاد فراہم کی۔ بعد میں کئی اور مقدس کتابوں کے تراجم بھی کیے گئے۔ اور فراہنگ بھی مرتب کی گئیں۔

پرتگالی وہ قوم ہیں جنہوں نے اردو کی اس وقت خدمت کی جب یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اردو میں ایک طویل فہرست ایسے الفاظ کی ہے جو اصل میں پرتگالی ہیں۔ کیونکہ انگریزوں کی آمد سے پہلے پرتگالی بھی ہندوستان میں اپنی نو آبادیات قائم کر چکے تھے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے و اردو کی تدریس اور خصوصئ طور پر ابتدائی ور میں یہ کام یورپ سے شروع ہوتا ہے۔ اور آج تک جاری ہے۔ مستقبل میں اس میں ترقی کے مواقع کہیں زیادہ ہیں۔

افریقی ممالک میں اردو:

جنوبی افریقہ میں اردو بولنے اور سمجھنے والے زیادہ تر افراد کا تعلق برصغیر کے ممالک سے ہے۔ اس کے پیش نظر بہت سے اداروں میں پڑھنے کا انتظام موجود ہے اور ٹی وی پر بھی کچھ اردو نشریات دیکھی جا سکتی ہیں۔

اسی طرح صومالیہ میں بھی اردو اجنبی زبان نہیں ہے۔ بہت لوگ برصغیر کے علاقوں سے ہجرت کر کے وہاں جا چکے ہیں۔ اور کئی کئی نسلوں سے وہاں رہتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اب بھی وہ اپنے گھروں میں اردو ہی بولتے ہیں۔ لیکن کسی بڑی یونیورسٹی میں اردو کو پڑھنے پڑھانے کا انتظام موجود نہیں۔

دوسرے افریقی ممالک کی نسبت مصر میں اردو کی حیثیت مختلف ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی اسلامی خدمات کے پیش نظر مصر میں اردو اخبارات کی اشاعت دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔ لیکن اردو کو بطور مضمون 1939 میں پڑھایا جانا شروع کیا گیا۔ اس کا سبب بھی اس کی اسلامی خدمات ہیں۔ کیونکہ اردو لکھنے پڑھنے والوں نے اس قدر تہذیبی سرمایہ چھوڑا ہے کہ اس کی حیثیت دنیا میں مسلم ہے۔ اس کے علاوہ اقبال کی شاعری کا چرچہ اس قدر تھا کہ مصر میں بھی ان کو پڑھنے اور چاہنے والے اسی تعداد میں پیدا ہونے لگے، جیسے خود ہندوستان میں ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مصر کے پارلیمنٹ میں یہ بات طے کی گئی کہ اردو کو بھی علمی زبان کی حیثیت دینی چاہیے۔ عبدالرحمن چوہدری لکھتے ہیں:

> "مصر میں مطالعہ اقبال کے بڑھتے ہوئے رجحان اور اردو میں اہل مصر کی دلچسپی کے پیش نظر مصری پارلیمنٹ، یونیورسٹی بورڈ اور مجلس وزراء کے اتفاق کے بعد 7 مارچ 1939 کو ایک شاہی ترجمان کے ذریعے فارسی اور ترکی کے ساتھ ساتھ اردو کو بطور علمی زبان کے قاہرہ یونیورسٹی کے کلیہ الاداب میں باقاعدہ طور پر شامل کر لیا گیا اور اردو کی تدریس کے لیے اردو تربیتی کالج کی منظوری دی گئی۔"[45]

اس طرح مصر میں اردو کی تدریس کا پہلا باقاعدہ شعبہ قائم کیا گیا ہے، اردو کو بطور غیر ملکی زبان کے یہاں پڑھایا جانے لگا۔ اس منظوری کے پیچھے اقبال کے ترانہ ملی کا عمل دخل ہے۔ حسن الاعظمی لکھتے ہیں:

> "کہ جب اقبال کے ترانہ ملی کا ترجمہ پیش کیا گیا تو مصر میں اس کو بہت شہرت ملی جس کے پیش نظر مصر میں تقریباً بیس لوگوں نے اردو سیکھنے کا ارادہ کیا اور حسن الاعظمی کو ہی ایک سال کے لیے اس تدریس کا فریضہ سونپا گیا۔"[46]

افریکہ ایک دور دراز خطہ ہونے کے باجود وہاں اردو کے چاہنے والے موجود ہیں اور ان کے ہاں نہ صرف پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ شروع ہے بلکہ جامعات میں کئی طرح ڈگریاں کرائی جاتی ہیں۔

امریکہ میں اردو:

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حیثیت ایک پورے براعظم کی سی ہے۔ اس میں متعدد ریاستیں شامل ہیں۔ یہاں

کی مرکزی زبان تو انگریزی ہے۔ لیکن یہاں بھی اردو کی حیثیت مسلم ہے۔ امریکہ کے دو بڑے حصوں یعنی شمالی اور جنوبی میں اگر اردو کی تدریس کے حوالے سے دیکھا جائے تو تقریباً 15 سے زائد ایسی یونیورسٹیاں ہیں جہاں اردو کی تدریس کی جاتی ہے۔ حسین امام لکھتے ہیں:

"کئی امریکی یونیورسٹیوں میں ساؤتھ ایسٹ ایشین سٹڈیز کے تحت اردو کا علیحدہ شعبہ قائم ہے۔ ان شعبوں میں اردو زبان کی تعلیم کی بجائے تحقیق پر زیادہ توجہ دی جارہی ہے اندازہ ہے کہ پندرہ یونیورسٹیاں ایسی ہیں جہاں باضابطہ شعبہ اردو کام کر رہا ہے"[47]

اس کے علاوہ اردو جاننے والوں میں ہر کوئی رالف رسل Ralrh Rusal کے نام سے واقف ہے۔ جنہوں نے امریکہ میں اردو پڑھانے کے حوالے سے اپنی خدمات سرانجام دی ہیں اور کئی کتابیں اور قاعدے تحریر کیے ہیں۔

اردو کی تعلیم و تدریس میں ایک بڑا ہاتھ وائس آف امریکہ کا بھی ہے۔ جس کے تحت اردو کی نشریات بھی جاری کی گئی ہیں۔ جو اردو جاننے والوں کے ساتھ ساتھ اردو کے طالب علموں کے لیے بھی ایک معلومات کا مفید ذریعہ ہے۔

آسٹریلیا میں اردو:

براعظم آسٹریلیا میں بھی اردو نے اپنے قدم جمارکھے ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت سے دوسری زبانوں کے ساتھ ہندی اور اردو بھی سیکھتے ہیں۔ یہاں اردو سیکھنے کی ابتدا 1980ء میں ہوئی ہے۔ اس سے پہلے سڈنی کی یونیورسٹی میں صرف ہندی کا شعبہ موجود ہے۔ یہ طالب علم ہندی اور اردو ایک ساتھ ہی سیکھتے ہیں یعنی وہاں Department of indian studies کے نام سے شعبہ قائم ہے۔ جہاں اردو سکھانے کا انتظام موجود ہے۔[48] اس کے علاوہ وہاں پر موجود لوگ جن کا تعلق ہندوستان اور پاکستان سے ہے وہ نجی تنظیموں کی مدد سے بچوں کو اردو سکھاتے اور سیکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا ممالک پر نظر ڈالنے اور وہاں پر موجود چند اداروں کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اردو نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا بھر کے بڑے بڑے ممالک میں اپنی الگ حیثیت اور پہچان رکھتی ہے۔ وہاں کے لوگ دوسری بڑی زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بعض ممالک میں اردو کی اعلیٰ سطح کی ڈگری کے ساتھ ساتھ وہاں پر اردو کی تحقیق کا کام بھی جاری ہے۔ دوسری طرف

متعدد ممالک میں اردو دان طبقہ موجود ہے جس کی وجہ سے ادبی محافل مشاعروں کے ساتھ ساتھ مختلف سوسائٹیاں موجود ہیں جو اردو کی ترقی میں اپنا حصہ شامل کر رہی ہیں۔ تیسری سطح پر تراجم کا سلسلہ ہے کہ دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں اردو کے تراجم ہو رہے اور یہ سلسلہ دو طرفہ ہے اس سے تمام دنیا کا ادب اردو میں اور اردو ادب پوری دنیا میں متعارف ہو رہا ہے۔

اس مطالعے سے یہ بات سمجھنا بالکل مشکل نہیں رہ جاتا کہ اردو ایک عالمی زبان کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے اور اس زبان میں ایسی خصوصیات موجود ہیں جو اس کو دنیا کی بڑی زبان بننے میں مدد کرتی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو کی تدریس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دیکھا جائے اور ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ غیر ملکی طالب علم کسی مربوط طریقے سے اس زبان کو سیکھ سکیں۔

iii. پاکستانی جامعات میں اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان:

متحدہ ہندوستان میں اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان کا تفصیلی ذکر تو پہلے ہو چکا ہے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد جب اردو کو پاکستان کی قومی زبان کا درجہ مل گیا تو اس کے بعد پاکستان میں غیر ملکی طالب علموں کے لیے اردو کو سیکھنے اور سکھانے کا سلسلہ ہوا۔ ابتدا سے اب تک درج ذیل جامعات میں غیر ملکی زبان کے طور پر اردو کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

1۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
2۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
3۔ گریژن یونیورسٹی لاہور
4۔ اورینٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور
5۔ جامعہ کراچی، کراچی

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد:

ان سب جامعات میں سر فہرست نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد (نمل) ہے۔ نمل 2000 سے پہلے نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ماڈرن لیگویجز تھا۔ جس کا قیام 1973 نومبر میں عمل میں آیا۔ ایک سال بعد نومبر 1974 میں یہاں شعبہ اردو قائم کیا گیا۔ ابتدا میں یہاں صرف غیر ملکیوں کے لیے کلاسیں تھیں جن میں 6 ماہ کا سرٹیفیکیٹ، 6 ماہ کا ڈپلومہ اور ڈیڑھ سال کا ڈپلومہ شامل تھے۔ 1994ء میں اس کا الحاق قائد اعظم

یونیورسٹی سے ہوا اور یوں یہاں ایم اے اردو کی کلاسیں شروع کی گئیں۔

بحوالہ تعارف نامہ شعبہ اردو نمل اس وقت صرف غیر ملکی طلبا و طالبات کے لیے درج ذیل کورسز موجود ہیں۔

1۔ سرٹیفیکیٹ (چھے ماہ)

2۔ ڈپلوما (چھے ماہ)

3۔ ایڈوانس ڈپلوما (ڈیڈھ سال)

4۔ بی ایس اردو زبان (چار سال)

5۔ پری ایم اے (ایک سال)

6۔ ایم اے (دو سال)

7۔ بی اے ایم ایل (اختیاری۔ دو سال)

8۔ سپیشل ایڈوانس ڈپلوما اردو (دو سال)

9۔ سمر کورس اردو (پانچ ہفتے)[49]

یہ 9 طرح کے مختلف کورسز ہیں جن میں 5 کچھ مختصر دورانیے کے اور کچھ طویل دورانیے کے ہیں۔ مختصر کورسز میں زیادہ تر زور زبان کی بنیادی مہارتوں یعنی سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا یا قواعد پر دیا جاتا ہے۔ تاکہ طالب علم مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ ان مہارتوں کو سیکھ سکے۔ اپنے طور پر ان کی مشق کر سکے۔

ان کورسز میں چند ایک نصابی ثقافت اور مطالعہ پاکستان یا جغرافیہ وغیرہ میں پڑھایا جاتا ہے۔ جبکہ ایڈوانس ڈپلوما میں زبان کی دیگر مہارتیں یعنی علم بیان وغیرہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ بی اے اور ایم اے کی سطح پر غیر ملکی طلبا کو زبان اور ادب دونوں پڑھائے جاتے ہیں۔ 2018 کے بعد سے ایم اے اور پری ایم اے کا سلسلہ ختم کر کے اب بی ایس پروگرام جاری ہے۔ جو تین مختلف طریقوں سے پڑھایا جا رہا ہے۔ جن میں بی ایس اردو چار سالہ، بی ایس بریجنگ اور بی ایس اردو غیر ملکیوں کے لیے شامل ہیں۔

پاکستان کی دیگر جامعات سے ہٹ کر نمل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شعبہ اردو کی بنیاد ہی غیر ملکیوں کو زبان سکھانے کے لیے رکھی گئی تھی اور یہ پاکستان کی واحد یونیورسٹی ہے جس میں صرف زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔

لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور:۔

گیریژن یونیورسٹی زیادہ پرانی نہیں اس کا آغاز 2011ء میں ہوا۔ یونیورسٹی کے قیام کے ساتھ ہی یہاں اردو کا شعبہ بھی قائم ہو گیا اور جہاں بی ایس، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی تک کی ڈگری کلاسز پیش کی گئیں۔

2018ء سے شعبہ نے ایک نئی کروٹ لی اور غیر ملکیوں کے لیے اردو کا پروگرام متعارف کرایا جہاں پر غیر ملکیوں کے لیے اردو کے مختصر دورانیے کے تین پروگرام متعارف کرائے گئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

1۔ سرٹیفیکیٹ ان اردو برائے غیر ملکی طلبا CERUF

2۔ ڈپلومہ ان اردو لٹریچر برائے غیر ملکی طلبا DULLFS

3۔ دفتری زبان اردو / ڈپلومہ OULD

ان میں سے دفتری زبان کا ڈپلومہ اور سرٹیفیکیٹ کلاسز کا دورانیہ ایک سمسٹر تک محدود ہے جبکہ اردو لٹریچر کا ڈپلومہ دو سمسٹر یعنی ایک سال کو محیط ہے۔

سرٹیفیکیٹ پروگرام میں اردو انشا کی عملی مشقیں اور اردو ادب کا ایک کورس دونوں تین تین کریڈٹ آورز کے پیش کیے جاتے ہیں۔

دوسرا ڈپلومہ اردو لٹریچر کا ہے جس کا دورانیہ دو سمسٹر کا ہے۔ اس کے پہلے سمسٹر میں کلاسیکی ادب (نظم و نثر) جدید اصناف نثر، اقبال اور فیض اور جدید اصناف نظم کے ساتھ اظہار و ابلاغ کا ایک مضمون شامل ہے۔

تیسرا قدرے مختلف ڈپلومہ دفتری اردو کا ہے۔ یہ ایک سمسٹر پر مشتمل ہے۔ اس کے کریڈٹ آورز 9 ہیں۔ اس ڈپلومے میں چار کورسز شامل ہیں۔ مبادیات زبان، دفتری مراسلات، اصطلاحات سازی اور ترجمہ نگاری اور کمپیوٹر بھی۔

شعبہ ابھی تک نیا ہے اور اس میں غیر ملکیوں کا شعبہ بھی دو سال سے زیادہ پرانا نہیں لیکن تاحال یہاں سے پہلے سال کوریا سے آئے ہوئے طلبا طالبات نے ڈپلومہ حاصل کیا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد:

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا شمار پاکستان کی چند اہم یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے۔ اس کا آغاز 11 نومبر 1980 کو قائد اعظم یونیورسٹی میں قائم "شریعہ اکیڈمی" سے ہوا تھا۔ 1980 میں اسے یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا اور 2000 میں یہ ادارہ اپنے نئے کیمپس ایچ۔10 میں منتقل ہو گیا۔ جہاں مختلف شعبہ

جات میں اضافہ کیا گیا۔ 2008ء میں شعبہ اردو میں تدریس کا عمل شروع ہوا۔ اس وقت شعبہ میں بی ایس، ایم۔ اے، ایم ایس اور پی ایچ ڈی کے نصابات اور عمل تدریس جاری ہے۔ غیر ملکیوں کے لیے شعبہ اردو میں جدید تقاضوں کے مطابق نئے نصابات میں تبدیلیاں کی گئیں اور فروری 2009ء میں نئے تعلیمی سمسٹر سے ان پر عمل در آمد بھی شروع کر دیا گیا۔ غیر ملکی طلبا کے لیے مختصر مدتی کورس / نصابات، سرٹیفیکیٹ اور ڈپلومہ کی سطح کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جن میں چینی، کوریائی، جاپانی، ترکی اور عربی طلبا نے شرکت کی اور اس طرح اس سلسلہ میں توسیع اس وقت ہوئی جب عرب امارات کی درخواست پر عرب طلبا کے لیے 2009 میں خصوصی نصابات کے ساتھ بی۔ ایس اور ایم۔ اے کے خصوصی کورس / نصابات متعارف کروائے گئے۔ جو کامیابی سے آج تک جاری و ساری ہیں۔ ان پروگرامز کی کامیابی کے بعد ادارہ ھذا نے ایک مرکز تدریس اردو برائے غیر ملکی طلبا (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) Center for Teaching Urdu to (Foreigner یا سینٹف (CENTUF) بنایا۔ جس کا مقصد اردو زبان سیکھنے کے خواہشمند غیر ملکیوں کو اردو زبان سکھانا ہے۔ اس شعبہ میں ماہر اساتذہ کے ساتھ ساتھ جدید تر سہولتوں کی حامل ایک لسانی تجربہ گاہ (Language Laboratory) بنائی گئی۔ یہ کسی بھی پاکستانی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے تحت بننے والی پہلی تجربہ گاہ تھی۔ جہاں تدریس کے لیے مخصوص کمپیوٹر اور ملٹی میڈیا سمیت تمام جدید آلات میسر ہیں۔ جو زبان کی تدریس میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے لیے سینٹف (CENTUF) کی طرف سے ان نصابات کو پڑھانے / تدریس کے لیے غیر ملکیوں کو ایسا ماحول فراہم کیا جاتا ہے۔ جس میں متاثر کن ماحول کے ساتھ ساتھ لسانی مہارت پیدا کی جاتی ہے۔ اس میں عمومی طور پر جنوبی ایشیا اور خصوصی طور پر پاکستان کی تاریخ، ثقافت اور سماجی و سیاسی حالات کا تعارف سمعی و بصری کی معاونت سے کرایا جاتا ہے۔

کورس آؤٹ لائن غیر ملکیوں کے لیے:۔

1۔ سرٹیفیکیٹ کورس (دورانیہ چھ ماہ)

کریڈٹ آورز۔ 3

مکمل کریڈٹ اورز۔ 9

3 CR	Listening and Speaking Skills	UCCF 511
3 CR	Reading and Writing Skills	UCCF 512

2۔ اردو ڈپلومہ کورس غیر ملکیوں کے لیے (دورانیہ دو سمسٹر)

کورسز کی تعداد۔ 6

کل کریڈٹ آورز۔ 18

3۔ بی ایس اردو۔ غیر ملکیوں کے لیے (دورانیہ 8 سمسٹر)

بنیادی کورسز۔ 4 سمسٹر 60 کریڈٹ آورز

ایڈوانس کورسز۔ 4 سمسٹر 60 کریڈٹ آورز

کل کریڈٹ آورز۔ 120

ب۔ تدریس اردو بطور غیر ملکی زبان کے مباحث:

اردو کی غیر ملکیوں کو تدریس کے حوالے سے جو کام بہت زیادہ مقدار میں موجود نہیں یہ کام چند ایک مقالوں اور کتابوں تک ہیں محدود ہے اس حوالے سے موجود مواد کو درج ذیل حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

i. تدریسی کتب کا جائزہ:۔

تدریس اردو بطور غیر ملکی زبان کی باقاعدہ کتب:۔

اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان کی ابتدا تو تقریبا تین سو سال پہلے ہی ہو گئی تھی۔ اور ابتدا میں نصاب اور کتابوں کی عدم دستیابی کے پیش نظر چند مستشرقین نے انفرادی کوششوں سے اور بعد میں فورٹ ولیم کالج میں اجتماعی کوشش سے چند کتابیں تراجم کی صورت میں اور بعض کتابیں لغات اور قواعد کی صورت میں بھی مرتب کی گئیں۔ جن کی کچھ تفصیل اگلے باب میں موجود ہے۔ ان کتابوں کی نوعیت اور حیثیت کچھ ابتدائی درجوں کی کتابوں سے بڑھ کر نہیں۔ لیکن اردو کی حیثیت کو اس طرح کبھی اہمیت نہ دی جا سکی کہ اس کو ایک عالمی زبان بنانے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ جس کے نتیجے میں ابھی تو کوئی بھی ایسی کتاب سامنے نہ آ سکی کہ جس میں بھرپور انداز میں کوئی ماڈل تھیوری، یا پھر کوئی طریقہ پیش کیا جائے کہ غیر ملکیوں کو اور ایسے لوگوں کو جن کے لیے اردو زبان ایک اجنبی زبان ہے کس طرح اردو پڑھائی جائے۔ یا ان کو کیا مسائل درپیش ہو سکتے ہیں۔ ماسوائے چند ایک مضامین کے اور کچھ دستیاب نہیں۔

صرف مقتدرہ سے ڈاکٹر عابدہ سلطانہ کا ایک کتابچہ غیر ملکیوں کے لیے اردو "تدریسی مواد کے مسائل" کے عنوان سے سامنے آیا ہے۔ جو انہوں نے 1989 میں لکھا یہ کل 40 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا پیش لفظ ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے۔

اپنے اس کتابچے کو انہوں نے چھے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں پس منظر جو تدریسی مواد، املا کے مسائل، املا کی چند مشکل آوازیں، اردو کی مخصوص صرفی اور نحوی ساختیں اور اختتامیہ شامل ہیں۔

غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس ایک انتہائی وسیع موضوع ہے اور روز بروز لسانیاتی تحقیق میں ہونے والی ترقی کے پیش نظر ایک وسیع تر موضوع ہے۔ جس پر اتنی سرسری نظر ڈالنا اولیت کی سطح تک تو سود مند ہے لیکن کسی بھی موضوع پر کوئی تفصیلی بات نہیں کی جاسکتی۔

پہلے باب میں اردو کی ابتدائی کتب اور خاص طور پر مستشرقین کی کوششوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ان کی خدمات کو مختصر پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں موجودہ نصاب جو خاص طور پر انگریزی پس منظر کے طالب علموں کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر ہے اور گوپی چند نارنگ اور عبدالرحمن کی کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں املا کے عنوان سے کچھ مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ جس میں اردو کے ہم صوت اور قریب الخارج وزن کی آوازوں سے پیدا ہونے والے مسائل کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اس باب میں خاص طور پر انگریزی طلبا کے مسائل کو سامنے رکھا گیا ہے۔ چوتھے باب میں غیر ملکیوں کے لیے درپیش صوت کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اردو میں چند آوازیں ایسی بھی ہیں جن کے مخارج میں غیر ملکی خاص طور پر انگریزی پس منظر رکھنے والے طالب علم کوئی فرق نہیں کر پاتے۔ پانچویں باب میں جملوں کی مخصوص صرفی و نحوی صورتوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مختلف حروف جار اور، نے، پر، کو اور سے وغیرہ کی تدریس کے حوالے سے بات کی ہے۔

جب کہ آخری ایک صفحہ اختتامیہ ہے جس میں ڈاکٹر عابدہ سلطانہ نے چند تجاویز پیش کی ہیں۔

یہ کتاب انتہائی مختصر ہے جس میں کوئی طویل بحث تو نہیں چھیڑی گئی لیکن اپنے موضوع اور نوعیت کے لحاظ سے اہم اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اردو زبان کی ملک میں تدریس کے لیے تو کئی نصاب مرتب کیے جاتے ہیں اور ماضی میں بھی یہ سلسلہ جاری تھا۔ لیکن غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس کے حوالے سے باقاعدہ کتب نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور اگر کوئی

نصاب ترتیب دیا بھی گیا ہے تو راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔

اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سوائے ایک آدھ کتاب کے کوئی قابل ذکر کتاب سامنے نہیں آتی۔۔ اس حوالے سے پہلی کتاب نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کی ہے۔ یہ کتاب ایک عرصہ تک یونیورسٹی کے پریس سے ہی چھپتی رہی لیکن اب ایک عرصے سے یہ سلسلہ بند ہے۔

اس کتاب کو کل سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب انگریزی زبان کی مدد سے اردو سکھانے کے طریقے سے تیار کی گئی ہے۔ اور اس میں ہدایات، اردو حروف سے لے کر جملے کی بناوٹ، حروف، ضمائر وغیرہ سب انگریزی میں ہی لکھے گئے ہیں۔ جبکہ آخر میں کافی تعداد میں ذخیرہ الفاظ اور ان الفاظ کے انگریزی مترادفات کی فہرست دی گئی ہے۔

ابتدائی حصے میں صرف حروف تہجی ہیں جن کے ساتھ ان کی انگریزی اصوات دی گئی ہیں۔ جبکہ حروف کی شکلوں کے حساب سے مختلف خاندان بنائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کچھ عمومی استعمال کے الفاظ اور دو حرفی اور سہ حرفی عمومی الفاظ کی فہرست دی گئی ہے اور جوڑ توڑ کرنا اور مختلف حروف کا مختلف الفاظ میں استعمال کر کے حروف کی ایک سے زیادہ آوازوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

دوسرے حصے میں ضمائر کا استعمال سکھایا گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے مکالمے لکھ کر بنیادی بات چیت کی مشق بھی موجود ہے ساتھ ہی اس کتاب میں رنگین تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ اسی طرح جملے مکمل کرنے، واحد جمع، مذکر مونث وغیرہ کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ سبق کے آخر میں مشق کے طور پر سوال جواب کا حصہ بھی شامل ہے۔ اگلے حصے میں اسما اور وضاحت کی مشق ہے جبکہ وہاں پر رنگ اور گنتی سکھانے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے تقریباً دسویں حصے کے بعد پیچیدہ جملوں کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔ اور سب مکالمے اور سوال جواب کے انداز میں ہے۔ اس کتاب کو کافی رنگین اور باتصویر چھاپا گیا۔ جس سے نہ صرف بنیادی تمام معلومات یک جا کر دی گئی ہیں بلکہ ان کی وضاحت بہت احسن طریقے سے کی گئی ہے۔ اسی ایک کتاب میں الفاظ، جملے، زبان دانی، قواعد کے ساتھ ساتھ مشق اور انگریزی زبان میں وضاحت بھی شامل کی گئی ہے۔ مبتدی کے لیے یہ رہنما کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو یہ کتاب صرف ان طلبا کے لیے زیادہ سود مند ثابت ہو سکتی ہے جن کا پس منظر انگریزی ہے اور وہ انگریزی زبان سے خوب واقفیت رکھتے ہوں۔ کیونکہ اس میں بہت سے قواعد اور زبان دانی کی وضاحتیں نہ صرف انگریزی کے ذریعے کی ہیں بلکہ

انگریزی اصولوں کی مدد سے بھی کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں اس وقت جو سب سے بڑی مشکل ہے وہ یہی ہے کہ اگر کسی طالب علم کی انگریزی میں مہارت اچھی نہیں ہے تو وہ اس کتاب سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتا۔

دوسری طرف یہ ایک ہی کتاب ہے جس کی مدد سے پوری زبان نہیں سکھائی جاسکتی ہے۔ ایک تو اس سے اردو قواعد کی مہارت اور کسی حد تک مکالمے کی مہارت سکھائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کسی بھی مہارت پر توجہ نہیں دی گئی۔ اس کتاب کے ساتھ ایک وقت تک سی ڈی (CD) دستیاب تھی جس میں چند مکالمے موجود تھے۔ اب وہ بھی دستیاب نہیں۔

اس ایک کتاب کے علاوہ اردو میں کوئی بھی ایسی قابل ذکر کتاب دستیاب نہیں جسے معیاری کتاب کے طور پر مانا جاسکے۔ پاکستان سے باہر اس حوالے سے کئی کتابیں دستیاب ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر عابدہ سلطانہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔[50]

وہ کتابیں پاکستان میں دستیاب نہیں اس لیے ان کتب کے حوالے سے کوئی بات کرنا انتہائی مشکل ہے۔

یورپ کی مختلف جامعات کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی اردو کی تدریس کی جاتی ہے۔ اور وہاں پر مختلف مدارج پر طلبا کی راہنمائی کے لیے کتب بھی مرتب کی گئی ہیں۔ جن کی مدد سے ان اداروں کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

راقم کو ان میں سے چین میں پڑھائے جانے والے نصاب کو دیکھنے کا تجربہ ہوا ہے۔ وہ مواد آٹھ کتب پر مشتمل ہے۔ جن میں پہلی تین کتب میں حروف تہجی سے لے کر جملے کی ساخت اور باندانی کے اصول بتائے گئے ہیں۔

جبکہ تیسری کتاب میں چند ایک چھوٹی چھوٹی کہانیاں بطور مشق شامل کی گئی ہیں۔ چوتھی کتاب سے آگے باقاعدہ اسباق کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن میں نہ صرف مختلف اصناف شامل ہیں۔ بلکہ شاعری کے سبق بھی شامل کیے گئے ہیں۔ وہ ایک بھرپور کورس ہے۔

لیکن بنیادی مشکل اس کورس میں بھی رہی ہے کہ ایک طرف تو یہ کورس بہت پرانا ترتیب دیا ہوا ہے جس میں ادب کے ذریعے زبان کی تدریس پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ گو کہ وہ طالب علم بی ایس کی سطح کے طلبا

ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اصل توجہ زبان کی طرف ہے نہ کہ ادب کی طرف دوسرا یہ کہ جس دور کا ادب اس نصاب میں شامل ہے۔ اس کو سیکھنا اور سمجھنا بہت آسان نہیں کیونکہ زیادہ تر کلاسیکی ادب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ زبان کو جدید اصولوں پر استوار کرتے ہوئے اس میں چند ایک ضروری اصلاحات کی جاتیں۔ زبان کا علم بھی دوسرے علوم کی طرح ایک زندہ علم ہے اور زندہ علوم کی یہ علامت ہوتی ہے کہ ان میں مباحث موجود رہتے ہیں اور یہی مباحث آگے چل کر زبان کی ترقی کی نئی راہیں کھولتے ہیں۔

اس سے ہٹ کر زبانوں کی مختلف مہارتوں کی تدریس کے لیے کتابوں کی کافی مقدار مختلف جامعات میں اساتذہ نے خود ترتیب دی ہوئی ہے۔ جن میں مختلف مہارتوں کی تدریس کے حوالے سے مختلف سطحوں کے طلبا کے لیے کافی مواد دستیاب ہوتا ہے، یہ کتب بہت دلچسپ اور اساتذہ کے سالہا سال کی محنت، لگن اور تجربے کے بعد جمع شدہ مواد پر مشتمل ہیں۔ ان کی تدریس سے خاطر خواہ نتائج بھی سامنے آتے ہیں اور طلبا بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ لیکن ان کتابوں کی حیثیت کلاس نوٹس سے زیادہ اس لیے نہیں بن پاتی کہ کوئی ادارہ ان کو باقاعدہ کتابی صورت میں شائع نہیں کرتا اور نہ ہی بازار میں دستیاب ہیں۔

دوسری طرف ایک غیر سرکاری ادارہ جو کچھ غیر ملکی لوگ پاکستان میں ہی چلا رہے ہیں اور غیر ملکیوں کو اردو کی تدریس کی کوشش کر رہے۔ ان کی کتابوں کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ ان کتابوں کی کتابت، طباعت کے ساتھ ساتھ ان میں استعمال میں ہونے والے کاغذ کا معیار اور رنگین تصاویر بہت زیادہ جاذب نظر ہیں۔ لیکن ان کے مرتبین خود غیر ملکی ہیں۔ اور اپنی سی کوشش کی ہے کہ اس جدید دور میں وہ غیر ملکیوں کے لیے کوئی اچھی اور معیاری کتب بنا سکیں لیکن ان کتب میں اس قدر اغلاط ہیں کہ اگر ان کو کسی غیر ملکی کے سامنے زبان سیکھنے کے لیے رکھا جائے تو بہت زیادہ مشکلات کا سبب بن جاتی ہیں۔

بعض مشکلات ایسی ہیں جن کی وجہ سے زبان کو سیکھنے میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر آزادی کے بعد سے اب تک پون صدی سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے اور پاکستان میں نصف صدی سے زیادہ عرصے سے ایک ادارہ باقاعدہ زبان کے فروغ کے لیے بھی کام کر رہا ہے۔ اور املا کی بہتری اور اس کے اصول وضع کرنے کی صرف دو بار ہی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک کوشش 2022 میں کی گئی ہے۔ اس دوران کبھی وفاقی سطح پر بھی اس بات کو باور نہیں کیا گیا کہ اس وقت کا رائج املا معیاری ہے بھی یا نہیں۔

دوسری طرف زبان کی جب بات کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہمیشہ عقیدت کو جوڑا جاتا ہے۔ زبان کو

کوئی علم بنانے کی بجائے اس کبھی انا، کبھی مذہب اور کبھی روایات کے زمرے میں شامل کر کے اس کی ترقی کی راہ کو روک دیا جاتا ہے۔ اردو املا میں اصلاحات کے حوالے جب تجاویز پیش کی جاتی ہیں تو ایک رائے ملاحظہ کیجیے:

> "یہاں آ کر عربی الاصل الفاظ کے املا سے صرف نظر کرتا ہوں کہ فاضل محترم ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب اس پر گفتگو فرمانے والے ہیں۔ تب بھی اتنا ضرور کہہ دینا چاہیے کہ عیسیٰ، موسیٰ اور مصطفیٰ، مرتضیٰ کو الف کے ساتھ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، نہ تنوین کی بجائے پورا نون استعمال کرنے کی، نہ ہی تنوین کے بعد الف لگانے کی نہ گول ۃ کی جگہ لمبی تؔ استعمال کرنے کی یوں تو فاطمۃ الزہرا کا املا عجیب ہو جائے گا۔"[51]

یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ زبان میں موجود مشکلات کو حل کرنے طرف توجہ صرف اس بنیاد پر نہیں دی جا سکتی کہ اس زبان کا رسم الخط عربی فارسی ہے۔ ایک نامور عالم بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زبانوں کا مذہب ہوتا ہے اور اردو زبان میں اصلاح کی گنجائش اس لیے نہیں کہ فاضل مصنف کا مذہبی عقیدہ مجروح ہوتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہی نام عربی یا اردو کے علاوہ کسی اور زبان میں استعمال ہوتے ہیں تو ان کا تلفظ کسی حد تک تبدیل ہوتا ہے۔ ان کا املا کس طرح لکھا جاتا ہے۔ ان سب زبانوں کو کیا گستاخ زبانوں میں شامل کیا جانا چاہیے یا پھر اگر کوئی شخص عربی یا اردو لکھنا نہیں جانتا تو حضرت فاطمہؑ سے کوئی عقیدت نہیں رکھ سکتا؟

یہ صرف ایک مثال ہے جبکہ اس طرح سے بیانات کی کوئی کمی نہیں۔ اس طرح آرا کی روشنی میں یہ سمجھانا مشکل نہیں رہ جاتا کہ کس طرح یہاں زبان کی ترقی اور ترویج کی طرف توجہ دینے کی راہ میں کس حد تک مشکلات حائل ہیں۔

ورنہ کیا اچھا ہوتا ہے کہ دنیا بھر میں زبانوں کو جس طرح جدید بنیادوں پر استوار کیا جا رہا ہے اردو میں بھی چند ضروری ترامیم کر لینے کے بعد اس میں غیر ملکیوں کے ساتھ ساتھ مقامی طلبا کے لیے آسانی پیدا کی جاتی۔ لیکن اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی گئی جس کی وجہ سے اب تک بھی کوئی معیاری کتاب سامنے نہیں آ سکی اور نہ ہی کوئی ایسا نصاب تیار کیا جا سکا۔ جس کو بنیاد بنا کر یہ کہا جا سکے۔ اس کی مدد سے اردو کی غیر ملکیوں کی تدریس کی کسی بنیادی سطح کے لیے ہی کافی ہو گا۔

تدریس اردو کی کتب میں ضمنی موضوعات:

اردو کی تدریس کے حوالے کتابوں کی کمی ہے اور طریقہ کار کی بھی لیکن پھر بھی اہل علم نے کچھ انفرادی کوششوں اور کچھ ذاتی ضروریات کی بنا پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان کتابوں میں عام طور پر انہی طریقوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جو مغرب میں تدریس کے حوالے سے معروف رہے ہیں۔ کچھ کتابوں میں اردو کی تدریس کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ اور بعض میں ضمناً اس کو اجنبی زبان کی حیثیت سے پڑھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

ان کتابوں میں سب سے اہم کتاب سلیم فارانی کی "اردو زبان اور اس کی تعلیم" ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1953 میں آیا اور ابھی تک چار ایڈیشن آ چکے ہیں۔ اردو کی تدریس کے حوالے سے یہ ایک بنیادی اور ضخیم کتاب ہے۔ انہیں کئی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے تین ابواب میں زبان اور اس کی ماہیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور کچھ اس کا تقابل دوسری زبانوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں اس کی تدریس کی ضرورت و اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد پانچویں باب میں اعضائے صوت چھٹے میں نفسیات زبان کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نویں باب سے اردو کی تدریس کے حوالے سے بات شروع کی گئی ہے جو تیرہویں باب تک جاری ہے اس میں زبان کی مختلف مہارتوں کے مشرقی اور مغربی طریقوں کو بیان کیا گیا ہے۔

چودھویں باب سے نثر کی تدریس، پندرھویں میں انشا پردازی کی تدریس کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس سے اگلے باب میں قواعد کی تدریس کا طریقہ کار ہے۔ اس کے آگے چار ابواب ہیں جن میں کچھ نمونے کے اسباق اور ذخیرہ الفاظ وغیرہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ آخری باب میں چند اہم ادبا و شعرا کا تعارف اور نمونہ کلام دیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں پانچ ضمیمے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ جن میں تحقیقی مقالہ نگاری نصاب سازی اور کوائف نامہ وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم فارانی کی یہ کتاب ابتدائی حوالے کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں اردو زبان اور اس کی تدریس کے جملہ پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہر باب کے بعد اس باب کا خلاصہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ جو کہ مختصرات کے عنوان سے موجود ہے۔

اس کتاب میں جہاں اردو کی تدریس کو زیر بحث لایا گیا ہے وہاں ہی اس کی تدریس کو بطور غیر ملکی زبان کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اگرچہ اس کتاب میں کوئی باب علیحدہ سے اس موضوع پر قائم نہیں کیا گیا۔ لیکن جو بحث اس کتاب میں موجود ہے بعد میں تقریباً تمام لکھنے والوں نے اسی سے استفادہ کیا ہے۔

اردو کیسے پڑھائیں از معین الدین:

اردو کی تدریس کے حوالے سے جو دوسری اہم کتاب ہے اور اس کو بھی بنیادی حوالے کی حیثیت حاصل ہے وہ معین الدین کی کتاب "اردو کیسے پڑھائیں" یہ کتاب ڈاکٹر فارانی کی "اردو زبان اور اس کی تعلیم" جتنی ضخیم نہیں بلکہ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب 2011 میں منظر عام پر آئی جس کو مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کیا۔ اس کتاب کو 21 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے چھ ابواب میں زبان کی اہمیت تعارف اور اردو کے مختلف نظریات وغیرہ کو بحث میں لایا گیا ہے۔ جبکہ ساتویں اور آٹھویں باب میں تدریس کے مقاصد اور نصاب کو موضوع بنایا گیا ہے۔

اگلے چار ابواب زبان کی مہارتوں یعنی پڑھنا لکھنا سننا اور بولنا کے متعلق ہیں۔ اگلے چار ابواب میں مختلف اصناف کی تدریس کے طریقہ کار اور سترہویں باب میں طریقہ امتحانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جبکہ ضروری چار ابواب ہیں۔ درسی کتابوں، بچوں کے ادب اور اشارات دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کی خاصیت یہ ہے کہ مختصر انداز میں اردو کی تدریس کو موضوع بناتی ہے لیکن اس کے بیشتر مباحث وہی ہیں اور حتی کہ ترتیب بھی وہی ہے جو ڈاکٹر فارانی کی کتاب میں ہے۔

اس میں بنیادی مہارتوں کے ابواب میں اردو کی تدریس پر ہی بات کی گئی ہے۔ لیکن ضمنی طور پر کہیں کہیں غیر ملکیوں کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

اردو تدریسات از ڈاکٹر عطش درانی:

اردو زبان کی تدریس، نصاب سازی، عالمی سطح پر اہمیت وغیرہ کے حوالے سے ایک بڑا نام ڈاکٹر عطش درانی کا ہے جنہوں نے متعدد کتب، مضامین اس موضوع پر تحریر کیے۔ ان میں سے ایک اہم کتاب اردو تدریسات ہے۔ جو اردو سائنس بورڈ نے 2007 میں شائع کی۔ یہ بھی ایک جامع کتاب ہے جس کو چوبیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی خاصیت یہ ہے کہ یہ اردو کی تدریس کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں نہ صرف اردو کی تدریس کے مختلف مدارج اور مراحل کو موضوع بنایا گیا ہے بلکہ اس میں اردو

سکھانے کے طریقے، نظریات اور مسائل کے ساتھ ساتھ غیر ملکیوں کو اردو پڑھانے کے طریقوں اور مسائل پر ایک باب شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو چوبیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور 600 کے قریب صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک مکمل رہنما ہے۔

ڈاکٹر درانی نے اس کتاب کو 4 حصوں اصول، مہارتیں، ڈیزائن، اطلاقی مطالعے اور متفرق امور میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ (اصول) چار ابواب پر مشتمل ہے پاکستانی اردو جدید تدریسی انداز اور درسی محض کمپوٹر پر اردو کی تدریس جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ اہم ہے۔ یہ پانچویں باب سے شروع ہو کر ساتویں باب تک ہے۔ جس میں اردو کی تدریس کے جملہ پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے

تیسرا حصہ اطلاقی مطالعے کے عنوان کے تحت ہے جس میں اردو قاعدے کی تدریس سے لے کر چاروں بنیادی مہارتوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس کے ساتھ نمونے کے سبق بھی دیے گئے ہیں۔

چوتھا اور آخری حصہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ابتدائی حصے میں ایک باب غیر ملکیوں کے لیے تدریس کے عنوان سے بنایا گیا ہے۔ اس باب کی ضخامت 10 صفحات سے زیادہ نہیں ہے۔ اس میں صرف دو مہارتوں پڑھنے اور بولنے کے مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے چند تدریسی اصول وضع کیے گئے ہیں۔ لیکن چونکہ پچھلے ابواب میں تدریس اردو پر بہت زیادہ بحث کی گئی ہے اس لیے یہاں پر شاید اختصار سے لکھنا ہی مناسب سمجھا گیا ہے۔

اس باب کی وجہ سے اس کتاب کی کئی خصوصیت میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اردو کی چند کتابوں میں سے ایک ہے جس میں غیر ملکیوں کی تدریس کے عنوان کے تحت بات کی گئی ہے۔

اردو تدریس جدید طریقے اور تقاضے از ڈاکٹر ریاض احمد:

یہ کتاب 280 صفحات سے زائد پر مشتمل ہے۔ اس میں اردو کو پڑھانے اور تدریس کے اصولوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کو بیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ابتدائی دو ابواب میں زبان کی تاریخ اور آغاز اور آغاز کے نظریات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ لیکن تیسرے باب سے زبان کی تعلیم و تدریس کے نفسیاتی مطالعے کیے گئے ہیں۔ جس میں نو آموز کی آمادگی،، جبلت، صحت،

جنس اور معاشرتی ثقافت کے موضوع کو چھیڑا گیا ہے۔

اس کے بعد نصاب اور کتب کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ اگلے باب میں زبان کی چاروں بنیادی مہارتوں، انداز اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دسویں باب میں تدریس کے مختلف طریقوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اگلے ابواب میں مختلف اصناف کی تدریس اور سبقی اشارات، سرگرمیوں اور منصوبہ بندی کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ڈاکٹر ریاض احمد کی یہ کتاب ایک جامع کتاب ہے، خاص طور پر اس لیے کہ وہ مختلف معاشرتی پس منظر رکھنے والے طالب علموں کو موضوع بنا کر بات کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ عتیق صدیقی، محمد، گلکرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ 1960، ص، 47

2۔ ایضاً، ص49

3۔ گوپی چند نارنگ، تنقیدی و تحقیقی مضامین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 2012، ص13

4۔ غلام عباس گوندل، ڈاکٹر، کٹلر کی قواعد، کچھ نئی دریافتیں مشمولہ معیار (تحقیقی و تنقیدی مجلہ) شمارہ۸، شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، جولائی تا دسمبر 2012ء، ص121

5۔ بحوالہ ہندوستانی گرامر از بنجمن شلزے، ترتیب و ترجمہ و تعلیقات ابو للیث صدیقی، ڈاکٹر، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1977

6۔ عتیق صدیقی، گلکرسٹ اور اس کا عہد، ص51

7۔ ایضاً

8۔ ابو اللیث صدیقی، ہندوستانی گرامر، ص8

9۔ بحوالہ ساجد جاوید، ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی لسانی خدمات، مقالہ مخزونہ نمل، اسلام آباد، 2014ء ص71

10۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت چہارم، 1999ء، ص241

11۔ عتیق احمد صدیقی، گلکرسٹ اور اس کا عہد، ص41

12۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، ص252

13۔ امیر الاسلام، فورٹ ولیم کالج کلکتہ مشمولہ اقتدار مجلہ علم و آگہی کا خصوصی شمارہ مرتبہ ابو سلمان، امیر اسلام گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی بابت 1973۔ ص42

14۔ وقار عظیم پروفیسر، مؤلف فورٹ ولیم کالج تحریک و تاریخ مرتب سید معین الرحمن ڈاکٹر، الوقار پبلی کیشن، لاہور، 1965ء، ص20

15۔ سید سبط حسن، فورٹ ولیم کالج مشمولہ فورٹ ولیم کالج تحریک اور تاریخ تالیف سید وقار عظیم پروفیسر ص204

16۔ امیر الاسلام, فورٹ ولیم کالج، ص42

17۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، ص234

18۔ ایضاً، ص234

19۔ عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص72

20۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور 2008 صفحہ 414

21۔ شہناز نبی، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج اور حسن اختلاط، کوالٹی ویکس آفس پرنٹرز، 2003، ص 34۔36

22۔ جمیل جالبی ڈاکٹر تاریخ ادب اردو، ص 409

23۔ بحوالہ عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کی ادبی خدمات، نصرت پبلشرز لکھنؤ 1983، ص 77، 76

24۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ، بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات، ہندوستان آرٹ پریس، کلکتہ 1963 ص 291

25۔ عتیق صدیقی محمد گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص 67

26۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ص 409

27۔ ایضاً

28۔ ایضاً

29۔ سید سبط حسن، فورٹ ولیم کالج، ص 6، 5

30۔ ڈاکٹر طارق رحمان

31۔ شریف الدین صلاحی، ڈاکٹر، بھارت میں اردو مشمولہ، بیرونی ممالک میں اردو، مرتب انعام الحق جاوید، ص 114، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1996ء

32۔ خالد اقبال یاسر، بنگلہ دیش میں اردو، مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص 166

33۔ متن مکری، نیپال میں اردو مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص 106

34۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جاپان میں اردو، مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص 13

35۔ ایوب مرزا، ڈاکٹر، چین میں اردو، مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص 37

36۔ خال مرزا ئف تاش مراز، ازبکستان میں اردو، مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص 57

37۔ اے بی اشرف، ڈاکٹر، ترکی میں اردو، مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص 62

38۔ عارف نوشاہی، ایران میں اردو، مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص، 167

39۔ لامیلا واسی لیوا، ڈاکٹر، روس میں اردو، مشمولہ، بیرونی ممالک میں اردو، ص، 235

40۔ منیر الدین احمد، جرمنی میں اردو مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، ص 251

41۔ سید فیضی، برطانیہ میں اردو، مشمولہ، ماہنامہ، اخبار اردو، اکتوبر، نومبر 1990، ص 81

42۔ رالف رسل، بحوالہ، سید فیضی، برطانیہ میں اردو، مشمولہ اخبار اردو، ص 83

43۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، اطالیہ میں اردو، مشمولہ اخبار اردو، ص 89

44۔ آغا افتخار حسین، ڈاکٹر، چیکو سلواکیہ میں اردو، مشمولہ اخبار اردو، ص95
45۔ عبدالرحمن چوہدری، مصر میں اردو، مشمولہ اخبار اردو، ص110
46۔ حسن الاعظمی، مصر میں اردو، مشمولہ، ماہنامہ ماہ نو، کراچی جولائی، 1948
47۔ حسین امام، شمالی امریکہ میں اردو، مشمولہ، اخبار اردو، ص116
48۔ بحوالہ کنیز فاطمہ، ڈاکٹر، آسٹریلیا میں اردو، مشمولہ اخبار اردو ص114
49۔ تعارف نامہ شعبہ اردو نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، ص، 8
50۔ عابدہ سلطانہ، ڈاکٹر، غیر ملکیوں کے لیے تدریس کی مشکلات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1993، ص8
51۔ مظفر علی سید، حرف و صوت کا رشتہ مشمولہ " دار سیمینار املا رموز و اوقاف کے مسائل مرتبہ اعجاز راہی مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1975ء ص103۔

باب سوم

تدریس اردو بطور غیر ملکی زبان: مسائل کا تجزیہ

اردو زبان جہاں پاکستان اور بھارت میں عام رابطے کی زبان کے طور پر بولی جاتی ہے وہاں اس کو تدریس کی زبان کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس زبان کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ بھانت بھانت کی بولیاں اور زبان اس میں شامل ہوتی ہیں اور اپنے اثرات چھوڑتی ہیں اور ساتھ ہی اپنے الفاظ کا ہدیہ پیش کرتی ہیں اردو اپنے دامن میں ذخیرے کو سمیٹتی جاتی ہے۔ لیکن ماہرین کی عدم توجہی کی بدولت اس میں قواعد زبان دانی مختلف لسانی مہارتوں کی کانٹ چھانٹ کی کمی رہ گئی ہے جو اس زبان کی تدریس کی راہ میں مشکلات کھڑی کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے۔ درج ذیل میں چند ایسے ہی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔

الف: تدریس اُردو: پڑھنے کے مسائل

پڑھنا سے مراد عام طور پر کسی بھی متن کو دیکھ کر اس کی علامتوں اور شکلوں کو دہرانا لیا جاتا ہے۔ عربی میں اس کے لفظ کے لیے "قرات" ہے اور پڑھنے والا "قاری" کہلاتا ہے۔ جب کہ انگریزی میں Reading کا لفظ مستعمل ہے۔ لیکن اگر ہم اس پڑھنے کے عمل کا باریک بینی سے جائزہ لیں تو یہ اتنا سادہ عمل نہیں بلکہ ایک پیچیدہ اور طویل عمل ہے جس کے عام معنی سے ہٹ کر کچھ اور معنی اور طریقہ کار ہے۔

پڑھنے کے عمل کو ہم عام طور پر دو طرح سے دیکھ سکتے ہیں۔

1۔ پڑھنا Reading

2۔ مطالعہ Reading and Understanding

کسی بھی زبان کی تحریر کو پڑھنے سے مراد اس کی تحریری علامتوں کی پہچان سب سے پہلا مرحلہ ہے۔ جب کہ دوسری سطح پر ان علامتوں کی اصوات اور ان کی اصوات میں فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

کسی شخص کی مادری زبان سمجھنے، سیکھنے یا سکھانے کا عمل کافی حد تک آسان ہے جب کہ ثانوی سطح پر اس کی تدریس یا آموزش ایک مشکل مرحلہ ہے۔

ثانوی سطح پر زبان کی تفہیم اور آموزش بھی دو طرح سے ہوتی ہے۔ مقالے کا موضوع چوں کہ اردو کی تدریس کے حوالے سے ہے تو اس کے لیے اردو کو ہی مثال بنانا بہتر ہے۔

اُردو زبان کی تدریس کا عمل ثانوی سطح پر تو پاکستان بھر میں کیا جاتا ہے مختلف نظریات سے، اختلاف سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو اردو پاکستان کے کسی شخص کی مادری زبان نہیں بلکہ بیشتر لوگ اس کو ثانوی زبان کے طور پر ہی سیکھتے ہیں۔ اس لیے ثانوی سطح پڑھانے میں کچھ سہولت موجود ہے جب کہ اردو کو غیر ملکی زبان کے طور پر پڑھانا ایک مختلف عمل ہے۔ پڑھانے کے حوالے سے دو طریقے عام طور پر رائج ہیں۔ پڑھنا سکھانے کے کئی طریقے ہیں عام طور پر علامات یا حروف کی پہچان کرا کے اور انہیں جوڑ کر لفظ پہچاننے کی مشق کرائی جاتی ہے اسے ترکیبی طریقہ کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ تحلیلی ہے جس میں لفظ کے ساتھ مفہوم بتایا جاتا ہے اور اچھی طرح پہچان ہو جانے کے بعد اس کے اجزاء یعنی ہجے اور حروف کی شناخت کرائی جاتی ہے۔

غیر ملکی سطح کی تدریس میں پہلا طریقہ زیادہ کار آمد ہوتا ہے کیوں کہ دوسرے طریقے میں صرف ایسے طلبا کو شامل کیا جاسکتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک زبان سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اور وہ جملے کی ساخت کو یا کم از کم الفاظ کے معنی سے کچھ واقفیت رکھتے ہوں۔ اردو زبان کی تدریس میں پڑھنے کے عمل میں در پیش مشکلات کو ہم مختلف سطح پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

i. رسم الخط کے مسائل:

زبان کی بنیادی مہارتوں میں پڑھنے کی مہارت کی اہمیت دوچند ہے۔ اس زمانے میں اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زبان سیکھتے ہوئے طالب علم اس کے پڑھنے کی مہارت کو نظر انداز کر دے۔ اردو زبان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ درباری زبان ہے اور دربار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہی اس کی اہمیت بڑھی۔ اس بات کو بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اس کی پرداخت جن ہاتھوں میں ہوئی ان میں جمالیات، ذوق اور نفاست حد درجہ کا تھا۔ جس کی مثالیں نہ صرف اس کے عام بول چال میں موجود ہیں بلکہ اس تحریر کا رسم الخط بھی اس کی ایک زندہ مثال ہے۔

خط نستعلیق کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے چند خوب صورت ترین خطوں میں سے ایک ہے۔ اور تصور یہ کیا جاتا ہے اور حقیقت بھی اس کے قریب تر ہے کہ اُردو اور نستعلیق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بلکہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور دوسرے کئی اہلِ علم تو زبان اور رسم الخط میں جسم اور کھال کا تعلق بیان کرتے ہیں کہ جیسے انسان اپنے لباس کو بدل سکتا ہے لیکن اپنی کھال کو نہیں، ایسے ہی کوئی زبان اپنے رسم الخط کو بھی نہیں بدل سکتی کیوں کہ زبان کا رنگ ڈھنگ اتار چڑھاؤ خوبصورتی بدصورتی، غرض ہر شے اس کے مروج

رسم الخط سے وابستہ ہوتی ہے۔

ایک بحث اردو رومن رسم الخط کے حوالے سے بھی موجود ہے کہ کیا اردو کا رسم الخط تبدیل کرنا چاہیے یا نستعلیق ہی موزوں ہے۔ اس حوالے سے مختلف ماہرین کی رائے تقریباً ایک ہی جیسی ہے یعنی جن بنیادوں پر نستعلیق کو رد کیا جاتا ہے اور رومن کو اپنانے کی بات کی جاتی ہے وہ تمام تر خامیاں تقریباً دنیا کے ہر رسم الخط میں موجود ہیں۔ اور اگر مسئلہ انگریزی حروف اپنا کر اردو کو ایک عالمی معیار کی زبان بنانے کا ہے تو یہ بھی ایک غلط تصور ہے کیوں کہ وہ تمام زبانیں جن کو انگریزی حروف میں لکھا جاتا ہے وہ کس حد تک عالمی سطح پر اپنا مقام بنا پائی ہیں یہ ہر کوئی جانتا ہے۔ مثلاً ترکی زبان کتنے لوگ جانتے یا چینی تحریر میں تصویری علامتوں کے علاوہ ایک طریقہ انگریزی حروف میں لکھنے کا ہے Pinyin کا نام دیا جاتا ہے وغیرہ ایسی کئی مثالیں مل جاتی ہیں جیسے کہ یورپ کی کئی زبانیں لیکن ان زبانوں کی حیثیت عالمی سطح پر کیا ہے اس کا بھی بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اُردو کا رسم الخط ایک جامع رسم الخط ہے اور دوسری کئی زبانوں کے رسم الخط کی طرح وہ اس زبان کی ضرورت بھی پوری کر رہا ہے۔ لیکن جب رسم الخط میں تبدیلی یا شکل کی بات آتی ہے تو عام طور پر اس کا ردعمل کافی شدید ہوتا ہے۔

چوں کہ بات اردو کو بطور غیر ملکی زبان پڑھانے کی ہے اور وہ بھی ایسے طالب علموں کو جو کم سے کم ایک زبان کو پہلے سے ہی لکھنا، پڑھنا، بولنا، سننا، سمجھنا بخوبی جانتے ہیں۔ یہاں پر تعلیم کسی بنیادی سطح کی نہیں ہو گی بلکہ اس میں معاملات کچھ مختلف ہیں۔ اردو پڑھنے والوں کے حوالے سے جن مسائل اور مشکلات کا سامنا عام طور پر کیا جاتا ہے ان کا ایک بڑا سبب رسم الخط ہے۔

اردو رسم الخط میں جو سب سے بڑی دشواریاں ایک غیر ملکی طالب کو پیش آتی ہیں وہ یہ ہو سکتی ہیں۔

1۔ حروف کا شکلیں بدلنا
2۔ قریب الصوت الفاظ
3۔ شوشے اور نقطے
4۔ حروف کی تعداد
5۔ اعراب
6۔ رسم الخط (نستعلیق)

7۔ امدادی افعال (سمجھنے میں)

اردو رسم الخط دیکھنے میں جتنا خوب صورت اور دلکش ہے۔ نئے سیکھنے والوں کے لیے اس قدر ہی مشکل کا سبب بنتا ہے اس کے حروف، ان کی شکلیں ان کی نشست، کرسی پہلی آخری درمیانی شکل مکمل شکل کے علاوہ مختلف حروف کے ملانے سے مختلف اشکال بنتی ہیں۔ جن کو یاد رکھنا کافی دقت طلب امر ہے۔ یعنی حروف کے جتنے گروہ ہیں سب کے اصول مختلف ہیں۔ اگر حروف تہجی کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جائے تو وہ درج ذیل ہو سکتے ہیں۔

ب، پ، ت، ث، ٹ، ف، گ، ک

ج، چ، ح، خ، ع، غ

د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ،

س، ش، ص، ض، ق، ل، ن

ط، ظ

ء

ی، ے

ہ

بھ، پھ، تھ، ٹھ، نھ، لھ، مھ، جھ، چھ، کھ، گھ

دھ، ڈھ، ڑھ

ان تمام حروف کی کئی کئی شکلیں اور ان کی مختلف اشکال میں نئے سیکھنے والوں کے لیے ابہام موجود رہتا ہے۔ خاص طور پر مشکل خط نستعلیق میں درپیش ہے کیوں کہ نستعلیق کٹے ہوئے قلم اور خاص مہارت کا رسم الخط ہے اس حوالے سے ڈاکٹر عابد سیال کہتے ہیں:

> "بلاشبہ نستعلیق کا شمار دنیا کے دلکش ترین خطوں میں ہوتا ہے، اس کے دائرے، قوسیں اور باریکیاں جنھیں نوک پل کہا جاتا ہے گہری ریاضت اور ہنر مندی کا ثمر ہوتی ہیں۔ ترچھے کٹے ہوئے قلم سے فری ہینڈ تحریر کیے جانے والے دیگر اہم خط یعنی نسخ، ثلث، رقاع وغیرہ عربی عبارت کے لیے مقابلتاً زیادہ موزوں سمجھے گئے ہیں۔"[1]

اقتباس سے اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ نستعلیق ایک باریک ریاضت طلب اور مہارت کا خط ہے جس میں ایک خاص انداز کا قلم اور اس کے مخصوص زاویے چاہیں۔ جب کہ اس کے شوشے اس کی ترتیب یا اس کی بناوٹ کے لیے ایک الگ وقت اور مہارت کی ضرورت ہے جس کے بغیر اس خط کو لکھنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ کسی حد تک ناممکن محسوس ہوتا ہے۔

نستعلیق کی ساری خوب صورتی اس کے دائروں، نصف دائروں، قوسوں اور حرف کے جوڑوں میں ہے کہ مختلف طرح کے جوڑ کس انداز سے لگائے جاتے ہیں یا لگانے چاہیں۔ اور اگر کوئی جوڑ بھی لگانے میں طالب علم ناکام ہو گیا یا مہارت حاصل نہ کر پایا تو اس کی تحریر جاذب نظر نہیں ہو گی۔ نستعلیق کی شکل کے حوالے سے رشید حسن خان لکھتے ہیں: "نستعلیق میں لکھی ہوئی عبارت کو دیکھیے تو صاف معلوم ہو گا کہ اس میں قلم بدلتا رہتا ہے جس سے کشش میں اتار چڑھاؤ نمایاں ہوتا ہے کہیں پورا قلم لگایا جاتا ہے، کہیں نصف اور کہیں اس سے کم۔ "[2] نستعلیق خط کی دلکشی اور جاذبیت میں کوئی شک اور شبہ نہیں لیکن مقالے میں اردو کی تدریس غیر ملکیوں کو کرنے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس لیے اس بات کو مد نظر رکھا جائے گا کہ غیر ملکیوں کے لیے جو پہلے ہی کوئی زبان سیکھ چکے ہیں اور ان کا قلم بھی کسی حد تک رواں ہے، ان کو پھر سے ایک خاص طرز کا قلم پکڑا دینا اور خطِ نستعلیق کی مشق کرانا ایک مشکل کام ہے۔ اس بات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ ریاضت ایک دقت طلب اور لگن کا کام ہے اور کسی ایسے کام میں نہیں کیا جا سکتا جس میں انسان کو کوئی ذاتی دلچسپی نہ ہو۔

دوسری طرف غیر ملکی طالب علم کا مقصد زبان سیکھنا ہوتا ہے جو کسی خاص مقصد کے تحت سیکھ رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے پاس وقت محدود ہوتا ہے جس میں تحریری مہارت سیکھنا کافی حد تک مشکل امر ہے۔ اور دوسری سطح پر غیر ضروری ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کا خیال ہے کہ اردو رسم الخط میں صرف دائیں سے بائیں لکھنا عمومی طور پر مشکلات کا سبب بنتا ہے۔[3]

کیونکہ ان کا تجربہ جاپان اور ترکی میں تدریس کا ہے۔ ان کے شاگردوں کی ساری زبانیں بائیں سے دائیں لکھی جاتی ہیں۔ اس لیے ایسی مشکلات ان کے سامنے ہیں۔ جب کہ راقم کا تجربہ ہے کہ عربی اردو فارسی جن کی مادری زبان ہے وہ اس کے برعکس ہیں یعنی ان کو لکھنے میں مشکل نہیں ہوتی۔ جب کہ چینی طالب علم کسی رسم الخط کے عادی نہیں۔ ان کی زبان تصویروں پر مشتمل ہے اور ان تصاویر کا زیادہ تر حصہ یاد رکھنے پر مشتمل ہے۔ لہٰذا وہ جلد ہی شکلیں یاد کر لیتے ہیں اور اس کے بعد بہت حد تک وہ اسے لکھنے میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔

چین کی بیجنگ یونیورسٹی آف فارن سٹیڈیز کی ایک استاد چویوان جن کا اردو نام نسرین ہے اور پچھلے 13 سے زائد عرصے سے اردو کی تدریس سے وابستہ ہیں ان کا خیال ہے: "لکھنا زیادہ مشکل نہیں، شروع میں مشکل ہے کیونکہ حروف چینی اور انگریزی سے بالکل مختلف ہیں لیکن بچے جلد ہی سیکھ لیتے ہیں۔ "[4] راقم کا تجربہ اس سے زیادہ مختلف نہیں رہا۔ اگر طالب علم رسم الخط پر تھوڑی سی بھی توجہ دیتے ہیں تو وہ جلد ہی زبان کو پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اردو کا رسم الخط چونکہ اردو کی ضروریات کے تحت ترتیب نہیں دیا گیا بلکہ اس کی حیثیت مستعار کی سی ہے۔ اس لیے زبان کی ضرورت کے تحت اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ رہا ہے، جس نے رسم الخط میں پیچیدگیاں ضرور پیدا کی ہیں۔

ii. پڑھنے میں املا کے مسائل:

اُردو ہو یا کوئی بھی زبان اس کی مہارتوں میں املا کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ عام طور پر لوگ زبان بول لیتے ہیں اور اس کو پڑھ بھی سکتے ہیں لیکن پڑھتے وقت فہم حاصل کرنا بھی ضروری عمل ہے۔ اردو میں پڑھتے وقت املا سے ابہام پیدا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر معنی بدل جاتے ہیں اور کئی بار طالب علم اس طرح کے الفاظ میں الجھن کا شکار ہوتا ہے۔ اردو تحریر میں چوں کہ لکھتے وقت ہم لفظوں کے درمیان کوئی خالی جگہ (Space) نہیں چھوڑتے اس لیے طالب علم کو پڑھتے وقت بہت سے التباس ہو سکتے ہیں۔

مقامی طالب علم چوں کہ آوازوں اور جملوں اور ان کی ترتیب سے واقف ہوتا ہے اس لیے اس کو دقت ضرور ہوتی ہے لیکن اس درجہ کی نہیں کہ وہ بالکل ہی نہ سمجھ سکے۔ لیکن غیر ملکی طالب علم کے مسائل مختلف ہیں۔ جب کہ اردو کے مقابلے میں دوسری کئی زبانیں جیسے ہندی، انگریزی وغیرہ لفظ لکھتے وقت مناسب وقفہ دیا جاتا ہے تاکہ الگ الگ حرف کی پہچان ہو سکے اور حروف کو سمجھا جا سکے۔

دوسری طرف اردو میں املا کے مسائل آج بھی زیر بحث ہیں اور کوئی حتمی املا موجود نہیں مثلاً ہمزہ کے مسائل، دو چشمی ھ کے مسائل "ی" کے مسائل وغیرہ۔

اس لیے مختلف کاتب، کتابیں اور ادارے مختلف املا لکھتے ہیں، غیر ملکی طالب علم جب ان کو پڑھنے کی کوشش کرے گا تو اس کے سامنے جو چیز سب سے اہم ہے وہ جوڑ توڑ کا طریقہ ہے کہ یہ طریقہ استعمال کرتے ہوئے الفاظ کو کیسے پڑھے گا مثال کے طور پر دیے گئے، لیے ہے، اسے دو طرح سے لکھا جاتا ہے اور اکثر کتابوں میں گئے ہی مستعمل ہے لیکن بولنے میں گیے استعمال ہوتا ہے۔ مختلف علماء نے املا کے حوالے سے جو مسائل

سامنے رکھے ہیں درج ذیل ہیں؛

الف مقصورہ:

اردو حروف تہجی کا پہلا حرف الف ہے اور یہ عربی اور فارسی میں بھی مستعمل ہے۔ الف کی آواز نہ صرف حرف صحیح کے طور پر رائج ہے بلکہ اس کی ایک شکل زبر (ـَ) کی صورت میں حرف علت کے طور پر بھی اردو میں استعمال کی جاتی ہے جب کہ الف مقصورہ ایسا الف ہے کہ کسی لفظ کے آخر میں الف کی آواز ہو اور اس کو کھینچ کر ہمزہ کے تلفظ تک نہ لے جایا جائے تو اس لفظ کو الف مقصورہ کہتے ہیں۔ اس کی ایک صورت جو عربی میں سے اردو میں آئی ہے اس میں "ی" لکھ کر اس پر ایک الف بنا دیا جاتا ہے یہ طریقہ عربی حروف کے لیے ہی زیادہ تر استعمال ہوتا ہے۔ اس حوالے سے رشید حسن خان لکھتے ہیں۔

> "لفظ کے آخر میں جب الف آتا ہے تو ساکن ہوتا ہے جیسے بھروسا، آشکارا، مگر عربی کے کچھ لفظوں کو لکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے آخر میں الف کے بجائے "ی" لکھی جاتی ہے مگر پڑھنے میں الف آتا ہے جیسے اعلیٰ، ادنیٰ"[5]

اردو میں ایسے متعدد الفاظ ہیں جو عربی میں اسی املا سے لکھے جاتے رہے ہیں لیکن جب وہ فارسی کے راستے اردو میں داخل ہوئے تو ان کے املا میں تصرف کر کے آخر میں الف لکھا جانے لگا جیسے مصلا، ماجرا، مولا، معما وغیرہ ایک غیر ملکی زبان کے طالب علم کو جب بنیادی حروف اور ان کی علامتیں سکھا دی جاتی ہیں اور ان بعد کی علامتوں کی اصوات سے حروف بنائے جاتے ہیں، تو یہ ایک کٹھن مرحلہ ہے کہ طالب علم "ی" کو دیکھے اور الف کی آواز پیدا کرے کیوں کہ یہاں پر الف کو اعراب کی صورت میں لکھا جاتا ہے جب کہ عربی کے مقابلے میں اردو رسم الخط پر اعراب لگانے کا رواج بہت کم ہے۔ غیر ملکی طالب علم کو اردو اعراب کے بغیر ہی پڑھائی جاتی ہے جس کی وجہ سے مشکل بھی پیدا ہوتی ہے اور غلطی کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔

تنوین:

تنوین بھی خاص عربی انداز ہے اور صرف عربی الفاظ میں کا استعمال ہوتا ہے عربی میں تو اس سے مراد کسی بھی لفظ کے آخری حرف پر دو حرکتیں یا اعراب ہوتے ہیں لیکن وہ لفظ "ن" کی آواز دیتا ہے۔ عربی میں تو یہ تین طرح سے یعنی دو زبر، دو زیر، دو پیش کی صورت میں استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں صرف اور صرف یہ دو زبر ہی کے طور پر مستعمل ہے۔ جیسے مثلاً، یقیناً وغیرہ۔

"اس (تنوین) کے معنی نون کی آواز پیدا کرنے کے ہیں یہ صرف عربی آواز کے آخر
میں آتی ہے جب یہ علامت کسی حرف پر ہوتی ہے تو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی
ہے جیسے فوراً، اتفاقاً، نسلاً بعد نسل۔۔۔ اردو میں زیادہ تر زبر ہی کی تنوین آتی ہے۔"[6]

تنوین بھی ایک غیر اردو انداز ہے اور اس کی ضرورت بھی عام طور پر کسی ایسے موقع پر پیش آتی ہے جب ہم عربی لفظ کو اردو میں استعمال کرتے ہیں، جب کہ غیر ملکی طالب علم کو ترکیبی طریقے سے پڑھا رہے ہوتے ہیں تو اس میں وہ دقت محسوس کرتا ہے کہ لکھتے تو الف ہیں مگر آواز اعراب کی مدد سے نون کی نکالی جاتی ہے۔ یہ نہ صرف ایک مشکل طریقہ ہے بلکہ اس کو یاد رکھنا بھی مشکل امر ہے۔

"ت" کے مسائل:

اردو میں "ت" بھی دو طرح سے لکھی جاتی ہے یہ بھی بنیادی طور پر تو عربی کا قاعدہ ہے کہ وہ "ت" کو اس شکل میں بھی لکھتے ہیں اور گول "ہ" پر دو نقطے لگا کر بھی لکھا جاتا ہے۔ جسے "تائے تازی" اور تائے مدور" کی اصطلاحوں سے جانا جاتا ہے مثلاً عربی لفظ حیات، ممات، جہات، تورات وغیرہ میں تائے تازی جب کہ زکوۃ، صلٰوۃ وغیرہ میں تائے مدور استعمال کرتے ہیں۔

اس کی شکل میں مختلف جگہوں پر تبدیل ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی اکثر الجھن کا سبب بنتی ہے جیسے زکوۃ، صلوۃ وغیرہ میں، دوسری طرح یہ تنوین استعمال کرنے کے لیے قدرۃً، فطرۃً وغیرہ میں یا پھر تیسری شکل اس حوالے سے تائے اصل اور تائے مدور کی کئی صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہ عربی الاصل ہیں یا فارسی سے آئی ہیں۔ مسئلہ اس وقت سامنے آتا ہے کہ جب کسی اجنبی طالب علم کے سامنے ایک ہی آواز کی طرح سے لکھا جاتا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ اس الجھن کو دور کرنے کے لیے اردو میں اصل "ت" کا استعمال کرنا چاہیے کیونکہ اردو والے تائے مدود کا تلفظ عربی کی طرح نہیں کرتے اور جب اس کا تلفظ موجود نہیں تو لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس حوالے سے املا رسم الخط کی کمیٹی جس کا اجلاس جنوری 1944 میں ہوا وہاں پر بھی یہ تجویز موجود ہے۔ جبکہ اس حوالے سے رشید حسن خان کی رائے بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں۔ اردو املا میں انہوں نے لکھا ہے کہ: "لفظ مفرد ہو یا مرکب، ہر صورت میں ان میں "ت" لکھی جائے گی"[7]

اردو زبان ہندوستان کی مقامی زبان ہے لیکن اس پر عربی اور فارسی کا اثر اس قدر زیادہ ہے کہ بعض جگہوں پر تو کسی طرح کی کوئی تبدیلی کی ہی نہیں گئی اور الفاظ اور حروف کو بالکل اسی انداز میں لکھا جاتا ہے ایسی ہی ایک

صورت حرف "ت" کی ہے۔ یہاں "ت" بھی دو طرح سے لکھی جاتی ہے۔ "ت"، "ۃ" ان کو بالترتیب تائے تازی اور تائے مدور کہتے ہیں یہ بھی عربی ہی کا قاعدہ ہے۔ اس حوالے سے رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> "عربی فارسی کے بہت سے لفظ ایسے ہیں جن کے آخر میں "ۃ" آتی ہے اور اس سے پہلے حرف پر زبر ہوتا ہے یہ "ہ" لکھی تو جاتی ہے ہے مگر پڑھنے میں اس کی آواز "ہ" کی طرح نہیں نکلتی بلکہ وہ اپنے سے پہلے حرف کے زبر کو سہارا دیا کرتی ہے۔"[8]

تائے تازی یا لمبی "ت" تو پڑھنے میں سادہ اور آسان ہے لیکن تائے مدور (ۃ) پڑھنے میں دقت اور الجھن کا سبب بنتی ہے، جیسے کہ لفظ، صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ کے آخر میں تائے مدور ہے جب کہ حیات اور ممات وغیرہ کے آخر میں تائے تازی ہے لیکن یہ تمام الفاظ عربی اصل ہی ہیں۔ ایسے طالب علم جو عربی سے کسی حد تک واقف ہوں وہ تو شاید اس تلفظ کو ادا کرنے میں سہولت اور آسانی محسوس کرتے ہوں لیکن ایسے طالب علم جن کے لیے عربی اور اردو دونوں ہی اجنبی زبانیں ہیں ان کے لیے ان الفاظ کو پڑھنے میں مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔

"نون غنہ" کے مسائل:

اردو میں دو علامتیں ایسی ہیں جن کی آواز اور شکلیں مماثل ہونے کی وجہ بہت سی الجھنوں کا باعث بنتی ہیں۔ یہ نون اور نون غنہ کی آوازیں ہیں۔ ن کی آواز جب کسی لفظ میں آتی ہے تو وہ پوری ادا کی جاتی ہے لیکن "ں" کی اگر تو کسی لفظ کے آخر میں ہو تو اس کو نقطے کے بغیر ہی لکھا جاتا ہے لیکن اگر یہ کسی لفظ کے درمیان میں ہو تو اس کو نقطے کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے جیسے کنواں، انبار، دانت، اینٹ، آنکھ وغیرہ اصل میں نون غنہ کی آواز انفی (Nasalize) آواز ہے اس لیے ان لفظوں میں "ن" کے بجائے نون غنہ ہے اور آواز صرف ناک کی مدد سے نکالی جاتی ہے۔ شان الحق حقی نے بھی اس مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کے مطابق نون اور نون غنہ بنیادی طور پر نون ہی ہیں۔

> "اردو میں "ن" صرف صحیح کے طور پر ایک نقطے کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور بطور نون غنہ بے نقطہ یا اگر لفظ کے بیچ میں آئے تو الٹے جزم کے ساتھ اس کی وضاحت کی جا سکتی ہے، یعنی الٹا جزم غنہ کی علامت کے طور پر مقرر ہے اگرچہ عام طور پر لکھنے میں نہیں آتا۔"[9]

پہلے قاعدہ یہ تھا کہ نون غنہ پر ایک چھوٹی سی قوس بنا دی جاتی تھی لیکن اعراب کے عدم استعمال کی وجہ سے اب وہ علامت بھی استعمال نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے اہل زبان تو اس کی آواز پہچان لیتے ہیں اور

الفاظ کا تلفظ درست کر لیتے ہیں، لیکن اجنبی طالب علم اس سے اشتباہ کا شکار ہوتا ہے اور ان لفظوں کو پڑھنے میں دقت محسوس کرتا ہے۔ صرف نون کی ذیلی دو آوازوں کی بحث ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی کی ہے۔ ان کے خیال میں نون کی دو آوازیں ہیں وہ لکھتے ہیں: "اردو میں نون اپنے بعد آنے والے مضمون کے ساتھ ہم مخرج ہو سکتا ہے اس لیے نون کی ایک نہیں دو بنیادی آوازیں ہیں وصلی نون اور فصلی نون۔"[10] وصلی نون سے مراد وہ (Homorganic N) لیتے ہیں یہ ایسا نون ہے جو اپنے سے پہلے حرف کے ساتھ مل کر ایک ہی مخرج سے آواز پیدا کرتا ہے۔ کن، کنج، وغیرہ لیکن فصلی نون اپنی پوری الگ آواز پیدا کرتا ہے جیسے اجنبی زبان وغیرہ میں۔

لیکن یہ بحث گیان چند جین نے کچھ ان الفاظ میں ختم کرنے کی کوشش کی ہے "میرے دوست نارنگ صاحب نے فصلی اور وصلی "ن" کو علاحدہ صوتیے قرار دے کر ان بے چاری آوازوں پر کتنا ستم کیا ہے اس کا انہیں اندازہ نہیں۔"[11] لیکن اس طرح کے مباحث بنیادی طور پر ایسی مشکلات ہیں جو اردو کی آموزش میں غیر ملکی طالب علموں کے لیے نہ صرف مشکلات کا باعث بنتی ہیں بلکہ ان کے سیکھنے کے عمل کو سست کر دیتی ہیں۔ نون غنہ کی مختلف آوازوں کے متعلق شان الحق کا خیال ہے کہ وہ بنیادی طور پر چار طرح کی ہیں:

غنائیت کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

1۔ نون غنہ

2۔ حرکت غنائی

3۔ نون مخلوط (یا مخلوط التلفظ)

4۔ م شکل ن[12]

اسی طرح نون غنہ کی مختلف آوازوں میں بہت سی الجھنیں پائی جاتی ہیں جیسے کہ اگر غنائی آواز دو حروف صحیح کے درمیان آتی ہے اور یہ غنائی آواز بعد میں آنے والے حرف کے ساتھ ملتی ہوں تو اس کو ادا کرنے کے لیے وہاں پر لفظ کو ارکان یا رکن تہجی میں بانٹ کر پڑھا جانا ضروری نہیں جیسے رنگ، ڈھنگ، سنگ، جنگ۔

اگر یہی آواز نون غنہ سے پہلے آنے والے حرف کی ہو یعنی اس کی غنائی آواز ہو تو اس لفظ کی آواز کو دو ارکان میں تقسیم کیا جائے گا۔ جیسے آنسو (آں سو)، آنچل وغیرہ۔

بعض لفظوں میں نون کی آواز "م" میں بدل جاتی ہے یہاں پر بھی بنیادی طور پر لفظ میں نون کی غنائی آواز ہوتی ہے لیکن یہ زیادہ تر صرف نون غنہ "ب" کے ساتھ ملانے سے پیدا ہوتی ہے جیسے چنبیلی، دنبہ، انبار

جیسے الفاظ میں نون غنہ اور ب کو "م" کی آواز کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔

"واو" کی آواز:

اردو حروف تہجی میں واو بھی ایسا حرف ہے جو حرف صحیحہ اور حرف علت دونوں کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ حرف علت کے طور پر تو اس کی علامت پیش یا ضمہ کی ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی یہ اپنی اصلی صورت میں بھی حرف علت کا کردار ادا کرتا ہے۔

> "واو بھی ان حروف میں سے ہے جو اکثر حرف سابق کے ساتھ اس طرح مخلوط التلفظ ہوتا ہے کہ اپنی جداگانہ ہستی کو کھو بیٹھتا ہے۔۔۔یعنی صرف سابق اور یہ دونوں مل کر حرف واحد کا حکم پیدا کر لیتے ہیں۔"[13]

اردو میں واو تین طرح سے اپنا کردار ادا کرتا ہے یعنی معروف، مجہول اور معدولہ دوسرے حروف علت کی طرح معروف آواز وہ ہے جو واو کی علامت علت کے بعد واو دیتا ہے یعنی اگر واو سے پہلے والے حرف صحیح پر ضمہ یا پیش ہو تو اس میں جو آواز واو دیتا ہے اس کو معروف آواز کہتے ہیں۔ ہُوا، جُوا، کیوں، وغیرہ ہیں ندا علی خان لکھتے ہیں:

> "جب واو سے پہلے حرف معموم اور "بے" سے پہلا حرف مکسور ہو اور ان کی آواز وہی ہو جو عربی کے تمام لفظوں میں اس حالت میں ہوا کرتی ہے جیسے نور اور امبر تو واو اور بے کو معروف کہتے ہیں۔"[14]

یہ تو معروف آواز ہے لیکن مجہول آواز سے مراد اگر واو سے ماقبل حرف مضموم نہیں بلکہ اس پر مکسور یا مفتوح ہو تو ایسی صورت میں واو کی آواز واضح نہیں ہوتی بلکہ اس کی آواز کمزور ہو گی۔ اس کمزور یا غیر معروف آواز کو مجہول آواز کہا جاتا ہے جیسے ہوا، فوم وغیرہ

واو کا ایک اور استعمال ایسا ہے کہ جس میں واو لکھا تو جاتا ہے لیکن پڑھنے میں نہیں آتا ایسے واو کو معدولہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسا واو صرف "خ" کے بعد ہی آتا ہے اور یہ فارسی کی روایت سے چلا آرہا ہے۔ رشید حسن خان اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "فارسی کے کچھ لفظوں میں واو معدولہ ہے ایسے اکثر لفظ اردو میں بھی مستعمل ہیں اور اگر اس واو کے بعد الف ہو تو اس کی آواز الف کی آواز میں مخلوط ہو کر ایک خاص طرح سے نکلتی ہے جیسے: خواب، خواجہ، خوان۔"[15]

ایسی صورت میں واو کی آواز نہیں مستعمل ہوتی مثلاً لکھا تو خواب جاتا ہے لیکن پڑھا اس کو خاب جاتا ہے ایسے ہی، خواجہ، خواہش، خوش وغیرہ کو بالترتیب خاجہ، خاہش، خش پڑھا جاتا ہے لیکن لفظ "خواتین" کو اس سے استثنا حاصل ہے۔

اردو میں ایک ہی حرف کا مختلف استعمال اور پھر اس پر موجود اعراب سے مختلف آوازیں پیدا کرنا نہ صرف نئے اردو دانوں کے لیے مشکل کا سبب بنتا ہے بلکہ غیر ملکیوں کو سیکھنے پڑھنے اور یاد رکھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

متشدد الفاظ یا تشدید کے مسائل:

اردو میں دیگر کئی زبانوں کی طرح بعض حروف کو دوبار لکھا جاتا ہے جسے انگریزی میں Double letter کہتے ہیں۔ لیکن اردو میں اس کو لکھنے کا طریقہ تھوڑا مختلف ہے اور عام طور پر جہاں کوئی حرف دوبارہ آتا ہے اس پر تشدید (ّ) کی علامت لگائی جاتی ہے۔ اور حرف ایک ہی لکھا جاتا ہے۔ اصل میں تو متشدد الفاظ کی آواز زور دے کر ادا کی جاتی ہے لیکن اگر ہم لفظ کے رکن تہجی بنائیں تو اس میں یہ لفظ ادا ہوتا ہے جیسے بلّی، کتّا، علّت وغیرہ۔

اس کے بھی کئی قاعدے ہیں۔ مثلاً اگر لفظ کے درمیان کوئی حرف دو بار آئے تو اس کو ایک بار لکھا جاتا ہے اور اوپر تشدید لگائی جاتی ہے یا کسی لفظ کا آخری حرف ساکن کے بجائے متحرک ہو تو اس پر بھی تشدید لگائی جاتی ہے۔ رت، رد، شد، مد، لیکن یہ اصل حرف اور صرف ایک ساکن اور دوسرے متحرک حرف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی لفظ میں ایک جیسے حروف میں سے پہلا متحرک ہو اور دوسرا ساکن ہو تو ایسی صورت میں دونوں حروف لکھے جاتے ہیں جیسے کوشش، ممات، کشش وغیرہ۔

لیکن اس سے بڑھ کر الجھن چند ایسے الفاظ میں آتی ہے جہاں کسی لفظ میں کوئی حرف دو کے بجائے تین بار آتا ہے، وہاں حرف دو بار لکھ کر اس پر بھی تشدید لگائی جاتی ہے مثال کے طور پر لفظ مکرر، محقق وغیرہ میں اس اصول کو پروفیسر آفتاب احمد ثاقب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

> "کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جہاں ایک حرف تین بار پڑھا جاتا ہے۔ ایسے لفظ پر تشدید آئے گی اور وہ حرف دو بار لکھا جائے گا۔ لیکن ان میں سے کم از کم ایک حرف کا متحرک ہونا ضروری ہے۔"[16]

حرف کا مکرر استعمال اور ان پر تشدید کی علامت کا عدم استعمال طلبا کے لیے شدید الجھن کا باعث بنتا ہے۔ نئے سیکھنے والے غیر ملکی طالب علم ان مسائل سے اکثر دوچار ہوتے ہیں اور ان الفاظ کو لکھنے میں اور ادا کرنے میں اکثر غلطی کرتے ہیں۔

iii. ہجا کے مسائل:

عام طور پر املا اور ہجا میں فرق نہیں کیا جاتا اور شاید اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہماری قواعد کی کتابوں میں املا اور ہجا کو ایک ساتھ ہی لکھ دیا جاتا ہے، جس کی بنیاد پر بہت سی مشکلات اور الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح زیادہ تر کتابوں میں ہجا، علم ہجا وغیرہ کی کوئی واضح یا تفصیلی بحث یا تعریف نہیں ملتی مثلاً مولوی محمد زین العابدین آئین اردو میں لکھتے ہیں: "علم کے معنی ہیں جاننا اور ہجا کے معنی ہیں حرف کو الگ الگ پڑھنا پس علم ہجا کے معنی حرفوں کو جاننا اور پڑھنا ہوئے"[17] اسی طرح مولوی عبد الحق لکھتے ہیں: "ہجا میں حروف کی آواز اور ان کی حرکات و سکنات سے بحث کی جاتی ہے۔"[18] پہلی تعریف میں صاحبِ کتاب کا خیال ہے کہ حرفوں کو جاننا اور پڑھنا علمِ ہجا ہے، لیکن اس بات کا خیال کہاں رکھا جائے گا کہ حرف کی آواز کہاں تک درست ہے اور کہاں تک نہیں؟ اس کی عام سی مثال اردو اور فارسی میں یائے لین کی ہے ایک اردو پڑھنے والا فارسی میں بھی یائے لین ادا کر سکتا ہے۔ جب کہ مولوی عبد الحق کی تعریف میں بات واضح نہیں ہوتی سوائے اس کے یہ حروف کا علم ہے اب حروف کے جتنے علم موجود ہیں اس سے بھی سب لوگ واقف ہیں۔

لیکن املا کی ذیل میں زیادہ تر قواعد نویس علم ہجا کی بحث کرتے ہیں عام طور پر املا کے بارے میں یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ جیسے بولو ویسے لکھو، لیکن جب اردو کی تدریس اجنبی زبان کے طور پر کی جاتی ہے تو وہاں اس اصول کو اپنانا مشکل امر ہے اس کی مثال کسی بھی زبان سے لی جا سکتی ہے جیسے کہ عربی کا طالب علم "گ" یا "پ" کا تلفظ کرنے پر قادر نہیں اسی طرح فارسی کا طالب علم ہندی آوازیں ادا کرنے پر قادر نہیں یا چینی طالب "ل" اور "ر" میں فرق نہیں کر سکتے تو جیسے بولو ویسے لکھو اہلِ زبان کی حد تک تو اہم ہو سکتے ہیں لیکن غیر ملکیوں کے لیے ہجا کے مسائل کہیں زیادہ ہیں۔

اس سے بڑھ کر مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب اہل زبان ہی لکھنے اور بولنے میں اس طرح کا تقاضا رکھتے ہیں کہ ایک نو آموز شخص اس سے پریشان ہو جاتا ہے کہ الفاظ کی ادائیگی کیسے ہو گی۔ اردو میں ایک اور چیز بھی الجھن کا سبب ہے اور وہ یہ کہ اردو رسم الخط میں حروف کئی کئی شکلیں بدلتے ہیں اور مختلف حروف کے

جوڑ لگانے کے قاعدے مختلف ہیں، رشید حسن خان کہتے ہیں۔

"لفظوں میں سالم حرف کم آتے ہیں۔ زیادہ تر حرفوں کو ملا کر لکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے حرفوں کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ کس حرف کا جوڑ کس طرح لکھنا ہے اور کہاں پر شوشہ کس طرح نمایاں ہو گا۔"[19]

اس طرح مختلف الفاظ میں ایک ہی حرف کئی شکلوں میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات تو ایک ہی لفظ میں ایک حرف ایک سے زائد شکلوں میں ملے گا جیسے "انجمن" میں پہلے نون ایک نصف یا آدھی شکل ہے جب کہ دوسرا نون اپنی مکمل شکل ہے تو یہ ایسے مسائل میں جو نئے سیکھنے والوں کو الجھن میں مبتلا کیے رکھتے ہیں۔

اردو حروف میں دو اشکال ایسی ہیں جو ہجا کرنے میں مشکلات پیدا کرتی ہیں۔ ان میں سے پہلی حروف علت اور حرکتوں (اعراب) کا استعمال ہے جیسے ا، ی کی آوازیں کبھی تو حرف صحیحہ کے طور پر آتی ہیں اور کبھی علت کے طور پر، جب کہ دوسری طرف نوں غنہ کی آواز ہے۔ غنائی آواز کسی حرف کے آخر میں ہو تو اس میں نون غنہ کو "ن" نقطہ بغیر علامت لگا کر واضح کرتے ہیں، لیکن جب یہ حرف کسی لفظ کے بیچ میں آتا ہے تو اس کو نقطہ لگا کر ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ ایک طرح کا مسئلہ اور ہے کہ الف ہائے مخفی کی آوازیں اتنی قریب ہیں کہ ہجا کرتے وقت ان کی پہچان کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ رشید حسن خان نے اپنی کتاب "اردو کیسے لکھیں" میں حروف کے آپس میں ملنے کی تین صورتیں لکھی ہیں، ترکیب سابق، ترکیب لاحق، ترکیب طرفین[20]

ترکیب سابق سے مراد حرف اپنے سے پہلے حرف سے کیسے ملتا ہے۔ جب کہ ترکیب لاحق میں حرف اپنے سے بعد والے حرف سے کیسے ملتا ہے جب کہ ترکیب طرفین میں حرف درمیان میں کیا شکل اختیار کرے گا۔ جیسے بس اور سب پہلا لفظ میں ب س کے ساتھ ترکیب سابق بناتا ہے اور دوسرے میں لاحق، لیکن "سبب" میں پہلا ب ترکیب طرفین ہے اور تینوں صورتوں میں ب کی شکل مختلف ہے۔ اس شکل کے سبب سے نئے سیکھنے والوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا رہتا ہے اور خاص طور پر جب وہ ہجے کرتے ہیں تو حروف کی شکل پہچاننے میں بہت رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن مسئلہ صرف اس حد تک نہیں ہمارے ہاں ایک اور بات بھی عام طور پر کی جاتی ہے کہ اس لفظ کا املا رواج پا گیا تو اس کو درست ہی سمجھا جائے، رشید حسن خان کہتے ہیں:

"کنواں: اس میں کاف کے بعد نون غنہ ہے۔ ۔ ۔ اسی وزن کا ایک لفظ ہے

"دھواں" مگر عام استعمال میں آکر اس کا نون غنہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کو اسی طرح لکھا جائے گا۔"[21]

مگر اس کا سبب انہوں نے کہیں نہیں بتایا کہ کیوں ایسا لکھا جائے گا۔ اور اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے اگر چلن ہی املا یا ہجا کا معیار ہے تو موجودہ دور میں رومن کا چلن ہوتا جا رہا ہے تو کیا اسی پیروی میں کچھ عرصے بعد چلن کی بنیاد پر اردو یا کوئی بھی دوسری زبان اپنا رسم الخط ہی بدل لے گی، اردو میں ہجا کے یہ مسائل ہیں۔

ن اور ں (نون غنہ):

اردو بولتے وقت ہم بہت سی آوازوں کو غنائی کرتے ہیں جیسے ہوں، آسماں، زمیں وغیرہ لیکن ان سب کے آخر میں غنہ کی آواز ہونے کی وجہ سے ان کو لکھا جاتا ہے یا پڑھا جاتا ہے تو حرف کی پہچان کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن یہی غنہ کی آواز جب کسی حرف کے درمیان آتی ہے تو وہاں یہ مشکل کا سبب بنتی ہے مثلاً لفظ ہے "چاند" چا، ند لکھتے ہیں جب کہ "چاں د" پڑھتے اور بولتے ہیں اسی وزن پر لفظ آتا ہے "ماند" جب کہ ایک اور لفظ "مانند" ہے "روشنی ماند پڑنا" میں لفظ "ماند" ہے جو "چاند" کے وزن پر ہے اور نون غنہ سے لکھا جاتا ہے جو کم ہو جانے کے معنوں میں مستعمل ہے۔ "وہ ستارے کی مانند ہے" میں لفظ مانند دونوں کے ساتھ جیسا، باقی طرح کے معنوں میں مستعمل ہے لیکن اگر ماند کو ماند پڑھا جائے تو اس میں مانند کا شبہ پیدا ہوتا ہے جو کہ نئے پڑھنے والوں کے لیے ایک مشکل کا سبب ہے۔

لیکن ایک صورت اس سے بھی بڑھ کر ہے اور جس کا ذکر رشید حسن خان نے بھی کیا ہے۔ کہ بعض الفاظ میں حروف کی غنائی آوازیں بولنے میں مختلف ہیں۔ جب کہ لکھنے میں ان کی حروف کی ترتیب بدل دی جاتی ہے۔ مثلاً مہندی، مہنگی، لہنگا جیسے الفاظ میں دوسرا حرف غنائی ہوتا ہے لیکن جیسے منہ دی، منہ گی، لنہ گا، (بالترتیب م ں ہ ی، م ں ہ گ ی، ل ں ہ گ ا) لیکن ان الفاظ کی غلط املا کا چلن اس قدر ہو گیا ہے کہ اب شاید ہی کہیں درست املا نظر آئے۔ اسی طرح ایک اور لفظ ہے مینہ اس میں بھی م غنائی آواز دیتا ہے۔ لیکن یہاں عام طور پر "ی" کے بعد نون غنہ نظر آتا ہے۔ جب کہ غیر ملکی طالب علم اس کو مینا کے تلفظ سے پڑھتے ہیں۔ ان الفاظ کا چلن اس قدر ہو گیا ہے کہ شاید ہی کسی کو اب درست املا معلوم ہو۔[22]

اسی طرح پاؤں کا لفظ بھی پڑھنے میں پا-وں کی طرح پڑھا جاتا ہے جب کہ اس کی آواز کے مطابق غنائی آواز الف کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی املا "پاں و" (پانو) ہے گاؤں چھاؤں وغیرہ بھی اسی تلفظ پر

آتے ہیں۔

پڑھنے سے مراد حرف دیکھ کر پڑھنا ہی نہیں لینا چاہے بلکہ اس سے مراد پڑھنا اور پھر اس کی تفہیم یا سمجھ بھی ہے۔ اگر ایک طالب علم کسی متن کو پڑھ سکتا ہے لیکن اس کو سمجھ نہیں سکتا تو اس کے پڑھنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اسی لیے پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ سمجھا بھی جائے۔

اسی طرح کا ایک اور مسئلہ مقدمین میں پایا جاتا تھا جہاں ضد کی علامت ظاہر کرنے کے لیے "و" لکھ دیا جاتا تھا۔ جیسے اودھر، اوس وغیرہ۔[23] لیکن بعد میں اس روش کو ترک کر دیا گیا بیشتر الفاظ کا املا اور تلفظ مختلف ہو گیا مثلاً دوکان، دولہا، لوہار، دوہائی، اودھار وغیرہ جیسے سب لفظوں کو بالترتیب دُکان، دُلہا، لُہار، دُہائی اُدھار بولا جاتا ہے لیکن لکھنے میں ان الفاظ کو ضمہ کے بجائے "و" سے لکھا جاتا ہے۔

iv. نقطوں کی ضرورت اور اہمیت:

اردو تحریر میں لفظوں کی اہمیت سے انکار نہیں حروف اور الفاظ کی پہچان اور ان میں فرق کی دو بنیادی خصوصیات اعراب اور نقطے ہیں۔ جبکہ بعض حروف میں زاویہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ نقطے اپنے مقام اور تعداد کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اور حرف کی پہچان خاص طور پر جب حرف اپنی آدھی شکل میں ہوتا ہے، یعنی اس وقت صرف اور صرف نقطہ ہی لفظ کی صورت واضح کرتا ہے مثلاً ن اور ب دونوں میں نقطہ ایک ہی ہے۔ اسی طرح ت، ی میں دو، ج اور خ میں ایک، ث اور پ میں تین ہیں لیکن سب حروف کے نقطے بالترتیب اوپر نیچے ہیں۔ جب ان کو الفاظ میں استعمال کیا جاتا ہے تو ان کی جگہ اوپر اور نیچے ہونا ہی ان کی تخصیص ہے۔ مثلاً بس، نس، بم، نم، خالی اور جالی خبر اور جبر، پوت اور ثبوت، بانی اور نانی پانی اور ثانی وغیرہ اور اسی ذیل کے کئی حروف ایسے ہیں جو نہ صرف عام استعمال کے ہیں بلکہ سادہ حروف میں شمار کیے جاتے ہیں پھر بھی ان میں مشکلات ایسی ہیں کہ ایک نو آموز کے لیے ان کی پہچان کرنا اور ساتھ ہی ان میں فرق کرنا ایک مشکل عمل ہے۔ اسی طرح لکھنے میں ایک نکتہ دعا کو دغا میں بدل دیتا ہے اور شہباز کو شہناز بنا دیتا ہے۔

دوسری طرح کی دقت نقطوں کی تعداد کا ہے جیسے کہ سیاہی اور سپاہی، جرم اور چرم، خاک اور چاک، بجے اور بچے، بستی اور پستی، وغیرہ حروف میں نقطوں کی جگہ بھی بدل جاتی ہے یا تعداد ایسے حروف کو پڑھنے اور لکھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

ایک اور طرح کی دشواری لفظوں میں نقطوں کی ترتیب ہے۔ اس سے مراد ایسے لفظ ہیں جن میں دو یا زیادہ حروف ایسے آجاتے ہیں جن میں نقطوں کی تعداد ایک جیسی ہوتی ہے جب لفظ کو لکھا جاتا ہے تو اس میں موجود شوشوں کی تعداد اور ترتیب کے ساتھ ان کے نقطے لگائے جاتے ہیں۔ نقطوں کی ترتیب سے لفظ کی صورت واضح ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ حبیب اور جیب میں صرف ایک شوشے اور نقطے کی جگہ کا فرق ہے حبیب میں شوشے کے نیچے نقطہ ہے جبکہ جیب میں ایک شوشہ کم اور نقطہ ج کے نیچے ہے۔ اسی طرح بنی اور نبی کی مثال دیکھیں دونوں میں ہی ایک نقطہ اوپر اور نیچے ہے لیکن ان کی ترتیب مختلف ہے۔

راقم کا تجربہ رہا ہے کہ غیر ملکی طالب علم کو سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جس ایسے الفاظ کو لکھتا یا پڑھتا ہے جن میں نقطے زیادہ ہوتے ہیں۔ اردو خاص طور پر ش اور ث جیسے حروف جہاں لکھنے اور پڑھتے وقت ان کے ہاں مسائل پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ وہ مثلاً کو مشلاً یا ثاقب کو شاقب پڑھیں گے۔ اسی طرح ک اور گ میں فرق کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ حسیب اور حبیب وغیرہ میں اغلاط کرتے ہیں۔

مطابقت کے مسائل:۔

اردو کا شمار ایسی زبانوں میں ہوتا ہے جن میں رکھ رکھاؤ اور نفاست ہے۔ اس نفاست کے سبب فعل فاعل مفعول آپس میں مطابقت رکھتے ہیں۔ کبھی فاعل فعل کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے تو کبھی حروف عطف کے سبب وہ اپنی شکل بدل دیتا ہے۔ یہاں تک کہ حروف کی ترتیب بدل دینے سے ایک ہی جملے میں فعل واحد سے جمع، مذکر سے مونث یا پھر اس کے متضاد عمل کرتا ہے۔

فاعل کی مطابقت سے فاعل کے مذکر مونث یا واحد جمع ہونے کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا متعدی جملوں کے فعل فاعل مفعول جبکہ مفعول کی مطابقت متعدی جملوں میں فعل مفعول سے متاثر ہوتا ہے اور لازم جملوں میں فعل فاعل سے اثر قبول کرتا ہے۔

فعل مستقبل میں مصدر میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اور اس میں بھی جنس اور تعداد اثر انداز ہوتے ہیں وغیرہ۔ لیکن اصل مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب جملے میں فعل ایک سے زیادہ ہوں ایسے جملوں میں تمام افعال فاعل سے ہی متاثر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر احمد بھوک میں کھانا کھاتا ہی گیا۔ یا اکرم امتحان میں کتابیں پڑھتا ہی چلا گیا۔ پہلے جملے میں دو افعال اور تیسرے میں تین افعال ہیں۔

ب: اُردو تدریس میں لکھنے کے مسائل:

اُردو رسم الخط بنیادی طور پر عربی رسم الخط ہے اس لیے اس کی ایجاد زبان کے لہجے کے مطابق ہوئی ہے۔ جب فارسی والوں نے اس کو اپنایا تو اس میں بہت سی تبدیلیاں کی گئیں اور بہت سے نئے حروف جو وہاں کی آوازوں سے مطابقت رکھتے تھے وضع کیے گئے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اس میں کچھ اور تبدیلیاں کیں اور ان سب تبدیلیوں کو اردو کے مطابق کیا گیا اور بہت حد تک ان کے مسائل کو قابو کر لیا گیا جن کو عام طور پر کسی زبان کے لیے رسم الخط میں کرنا چاہیے۔ لیکن پھر بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو دنیا کی ہر زبان کے رسم الخط میں ہوتی ہیں کہ کچھ آوازیں آپس میں گڈ مڈ ہو گئیں۔

ایک طرف اردو اتنے بڑے علاقے کی زبان ہے کہ اس کو بولنے والے کروڑوں افراد ہیں اور دوسری طرف مغل دور میں سرکاری زبان کی حیثیت حاصل کرنے کے بعد یہ ہندوستان کی لینگوا فرینکا بن گئی، جس کو لوگوں نے مقامی زبانوں اور بولیوں کے بعد اپنا لیا۔ اس سے یہ ہوا کہ اردو اہل زبان یعنی دہلی اور اس کے قریب لوگوں کی تو مادری زبان تھی لیکن دوسرے لوگوں یعنی پنجابی، سندھی، بہاری، راجستھانی یا کشمیری یا وہ تمام خطے جن میں اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی انہوں نے اس کو اپنے اپنے تلفظ میں بولنا شروع کر دیا۔ فورٹ ولیم کالج کے دور میں آکر جب مستشرقین نے اس کو سیکھنا اور بولنا شروع کیا تو یقیناً انہوں نے اس کو اس اصل تلفظ میں تو نہیں بولا ہو گا، یہ بات الگ ہے کہ کچھ مستشرق اردو زبان میں شاعری بھی کرتے رہے لیکن اس بات کا بہر حال احتمال موجود ہے کہ وہ اسے بولنے میں دقت محسوس کرتے ہوں گے۔

اس ساری صورت حال میں جب دیکھا جاتا ہے اردو میں بہت سے الفاظ عربی سے آئے ہیں اور زیادہ فارسی سے لیکن مقامی لوگ ان کے اصل تلفظ سے عدم واقفیت کی بنا پر یا پھر جیسے بولو ویسے لکھو کی بنیاد پر اس کا املا اور اس کے حروف اپنے اپنے انداز میں بولتے اور لکھتے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ معاملہ سامنے آنے لگا "الف"، اور "ہ"، "الف" اور "ء" "ن" اور "ں"، "ت" اور "ط" وغیرہ یا پھر ایسے حروف جن کے مخارج بہت قریب کے ہیں ان کو آپس میں تبدیل کر دیا گیا اور یہ تبدیلی اس حد تک رواج پا گئی کہ اصل املا کہیں بیچ میں ہی کھو کر رہ گیا۔

i. املا کے مسائل:

اس باب کے ابتدا میں جب پڑھنے کے مسائل کو دیکھا گیا تو وہاں پر یہ بات سامنے آئی کہ اُردو میں

رسم الخط اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کے حوالے سے بحث بہت پرانی اور طویل ہے، اور اس بات کو واضح کر لیا ہے کہ اردو لکھنے کے لیے عام طور پر تین طرح کے خط مستعمل ہیں۔ یعنی نستعلیق، نسخ اور شکستہ نما یعنی ہاتھ سے لکھا ہوا۔ اور یہ بات بھی سب کے علم میں ہے نستعلیق اردو کا مروج خط ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کے چند خوب صورت ترین خطوں میں شمار ہوتا ہے۔ نئے سیکھنے والوں یا غیر ملکیوں کی تدریس کی بات کی جاتی ہے تو یہ بات عام طور پر سامنے نہیں رکھی جاتی کہ وہ اردو سے زیادہ مانوس نہیں۔ یہاں پر خاص طور پر وہ طلبہ مذکور ہیں جو عربی فارسی رسم الخط کی زبانوں کے خطوں سے نہیں؛ یہ طلبا انگریزی، فرانسیسی یا جرمن جاننے والے بھی ہو سکتے ہیں، اور جاپانی، چینی، جیسی تصویری رسم الخط زبانیں جاننے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے سامنے جو مسئلہ ہو گا وہ رسم الخط کو پڑھنے کا ہو گا۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اردو رسم الخط دیکھنے میں جتنا خوب صورت ہے اس میں حرفوں کی الگ الگ پہچان کرنا اتنا ہی مشکل ہے۔ مختلف صائب رائے نے اردو حروف کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ جن کو لکھنے اور پڑھنے میں مزید مشکلات بھی ہیں۔

ڈاکٹر سہیل بخاری نے اُردو رسم الخط میں چند ایسی خامیوں کا ذکر کیا ہے جو نہ صرف غیر ملکی طالب علموں کے لیے بلکہ ہمارے اہل زبان کے ہاں بھی مشکلات کا سبب بنتی ہیں۔

اُردو رسم الخط بنیادی طور پر عربی فارسی رسم الخط ہے جس کو اُردو کے لیے اپنا لیا گیا ہے یہاں پر رسم الخط کی تبدیلی کی بحث نہیں بلکہ کچھ ایسی مشکلات کا ذکر کرنا ضروری ہے جو کہ کسی ایسے شخص کو پیش آسکتی ہیں یا آتی ہیں جن کے لیے اردو اجنبی زبان ہے۔ پڑھنے کے مسائل میں جیسے نون کی مختلف آوازوں کو زیرِ بحث لایا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ نون اپنے استعمال کے لحاظ سے تین مختلف آوازیں رکھتا ہے اسی طرح جب کوئی لفظ لکھنا مقصود ہوتا ہے تو اس میں نون اور نون غنہ کے حرف بالترتیب نقطے اور بغیر نقطے سے ظاہر کیے جاتے ہیں، لیکن ایک طرح کی آواز حلقی نون کی ہے کہ اس کو کس طرح لکھا جائے گا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق: "حلقی نون کی کوئی شناخت نہیں ہے کوئی علامت نہیں ہے کوئی حروف نہیں ہے۔ اصل گڑبڑ وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں یہ حروف دوسرے حروف میں ملا کر لکھے جاتے ہیں۔ "[24] جیسے لفظ "منگل" میں "من گل "یا "م نگل" کیسے پڑھنا ہے املا کیسے لکھنا ہے اس کی کوئی علامت موجود نہیں۔

اسی طرح اردو میں ایک بڑا مسئلہ گول "ہ" ہے یا چھوٹی "ہا" کا ہے۔ جسے ہائے ہوز یا ہائے مخفی کہتے

ہیں۔ کیوں کہ ہائے مخفی "الف" کے قریب کی آواز پیدا کرتی ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا خیال ہے کہ ہائے مخفی اردو میں ہوتی نہیں۔[25]

یہ بس عربی فارسی چلن کی وجہ سے اردو میں داخل ہوئی ہے تو "اے" یا "آ" کی صورت پیدا کرنے کے لیے اس کا چلن عام ہوتا گیا۔ وہ تمام ہندی الفاظ بھی جن کے آخر میں الف آتا تھا ان میں سے بیشتر کے املا میں "ہ" شامل ہو گیا اس طرح اب ایک ہی لفظ کا املا دو طرح سے ہونے لگا جیسے کرایہ / کرایا، رستا / رستہ، کمرہ / کمرا وغیرہ اب جب کوئی نو آموز اس زبان میں لکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس روش کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے کہ کس اصول کے تحت "الف" لکھا جائے گا یا ہائے مخفی لکھی جائے گی نہ صرف یہ بلکہ اس "ہ" کی الجھن نے تو ایک ایک لفظ کے دو سے زیادہ املا بھی پیدا کر دیے اور مختلف لغات میں بھی ان کا چلن ہونے لگا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری اس کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں۔

ان مختلف قسموں سے لکھے جانے والے الفاظ کی چند مثالیں نیچے درج کی جاتی ہیں جو اُردو لغات کے لیے ایک اضافی بوجھ بن گئے ہیں یہ مختلف الاشکال ہم صوت اور ہم معنی ہیں۔

1۔ موں، مونہہ، مونھ، مونہ، منہ

2۔ کونی، کوہنی، کہنی

3۔ بونی، بوہنی، بہنی

4۔ باں، بانہہ، بانہ، بانھ

5۔ ہاتھ، ہاتہہ، ہاتہ

6۔ پہونچ، پہنچ، پھونچ، پوہنچ، پونچ[26]

اُردو حروف کی یہ خوبی ہے کہ یہ ا، د، ڈ، ر، ڑ، ز، ژ وغیرہ کو چھوڑ کر آپس میں اس طرح سے مل جاتے ہیں کہ الگ الگ لکھے جانے والے الفاظ کو بھی ملا کر لکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مفصل الفاظ کی وجہ سے لفظ کی کئی کئی اشکال مروج ہو گئی ہیں جیسے: کے لیے، کیلیے، کی وجہ، کیوجہ، کیوں کہ، کیونکہ، کون سے، کونسے، کیوں کر، کیونکر وغیرہ جیسے الفاظ نئے سیکھنے والوں کے لیے الجھن کا سبب بنتے ہیں، جب وہ ان کو لکھنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے بقول: "اس سے اردو میں کچھ کھیل بھی بن گئے ہیں جو اردو رسم الخط کی خامیاں بخوبی واضح کرتے ہیں جیسے کیلکپتے (کیلے کے پتے) بیگنکچھلکے (بیگن کے چھلکے) وغیرہ"[27]

جب ایک نو آموز یا غیر ملکی اردو لکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو املا میں شدید تر مشکلات پیش آتی ہیں کہ کب

الف یاہ لکھا جائے گا، کس لفظ کو ملا کر لکھنا ہے اور کس لفظ کو الگ کر کے لکھنا ہے، ترکیب بناتے وقت کون سے الفاظ ایک دوسرے سے ملیں گے اور کون سے الگ الگ رہیں گے۔

ii. رسم الخط کے مسائل:

اردو رسم الخط میں جیسے پہلے بھی کہا گیا ہے کہ رسم الخط سے مراد فونٹ (Font) لکھاوٹ ہے اردو میں عام چلن نستعلیق خط کا ہے۔ اس بات میں شک نہیں کہ یہ ایک خوب صورت اور دلکش اور نفیس خط ہے، اس کے ساتھ ہی یہ لکھنے میں ایک مشکل خط ہے۔ خط نستعلیق کے حوالے سے رشید حسن خان کہتے ہیں:

> "نستعلیق میں لکھی ہوئی عبارت کو دیکھیے تو صاف معلوم ہو گا کہ اس میں قلم بدلتا رہتا ہے جس سے کشش میں اتار چڑھاؤ نمایاں ہوتا ہے کہیں پورا قلم لگایا جاتا ہے کہیں نصف اور کہیں اس سے کم"[28]

رشید حسن خان کی اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نستعلیق کو لکھنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ اس کے لیے ایک خاص مہارت کی ضرورت ہے اور اس بیان تک ہی نہیں بلکہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ ہمارے ارد گرد اردو لکھنے والوں میں سے کتنے ایسے لوگ ہیں جو ہاتھ سے لکھتے ہوں اور ان کا خط ایک دم کامل ہو شاید چند لوگ ہی اس قابل ہوتے ہیں۔ اس بات کا اعتراف رشید حسن خان نے بھی کیا اس سے آگے وہ لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ عام آدمی کا قلم تو بے تکلفی کے ساتھ چلتا ہے اس لیے ان امور کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا مگر جب خوش نویس کچھ لکھتا ہے تو سارے محاسن پورے طور پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔"[29]

رشید حسن خان یہاں پر ان لوگوں کی بات کر رہے ہیں جن کی زبان اردو ہے اور اگر وہ پڑھے لکھے ہیں تو اپنے بچپن سے ہی وہ اس خط کی مشق شروع کرتے ہیں زندگی بھر اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی کو لکھاوٹ میں مطالعہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی صاحب کتاب کو یہ بات کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ عام آدمی کا قلم اس کو نہیں لکھ پاتا بلکہ اگر کوئی خوش نویس لکھتا ہے تو ہی اس خط کے تقاضے پورے کر پاتا ہے۔

لیکن ہمارے سامنے مسئلہ ان افراد کا ہے جن کو غیر ملکی کہا گیا ہے یا اردو جن کے لیے ایک بالکل اجنبی زبان ہے۔ ڈاکٹر عابد سیال نے بھی یہ سوال اٹھایا، وہ لکھتے ہیں:

"لیکن ایک اہم مسئلہ ان لوگوں کا بھی ہے جو غیر ملکی ہیں اور اردو سیکھنا چاہتے ہیں یا سیکھ رہے ہیں سو ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا نستعلیق غیر ملکیوں کو اردو سکھانے کے لیے ایک موزوں خط ہے کہ نہیں؟"[30]

تو یقیناً اس سوال کا جواب نفی میں ہو گا کیوں کہ نستعلیق کی لکھاوٹ میں مہارت حاصل کرنا بذاتِ خود ایک الگ سے معاملہ ہے جس کے لیے ریاضت اور وقت دونوں درکار ہیں۔

نستعلیق کیوں کہ کٹے ہوئے قلم کا خط ہے جس کی وجہ سے یہ نہ صرف لکھنے میں مشکل ہے بلکہ اس کے جوڑ لگانا بھی آسان نہیں ہے۔ دوسری طرف حروف کی زیادہ شکلیں بدلنے کا سبب بھی یہ ہے کہ نستعلیق میں مختلف حروف دوسرے حروف کے ساتھ اپنی اشکال بدلتے رہتے ہیں جن کو یاد رکھنا انتہائی مشکل امر ہے۔ ان حروف کی شکل کی تبدیلی کا تفصیلی ذکر آگے چل کر آئے گا کہ حروف کی ابتدائی، درمیانی اور آخری شکل کس طرح ایک نو آموز کے لیے مشکل کا سبب بن سکتی ہے۔

"ب" کے مسائل:

اردو کے جو حروف "ب" سے ملتی شکل کے ہیں یعنی "ت، پ، ٹ، ث" وغیرہ یہ جب مختلف حروف کے ساتھ ملتے ہیں تو ان کی کئی شکلیں بنتی ہیں ہم مثال کے طور پر مختلف حروف کے جوڑ دیکھتے ہیں لفظ بس میں ب کی ابتدائی شکل ہے جو ایک لمبے شوشے کی سی ہے لیکن جب بج میں ب آتا ہے تو اس کی شکل ایک ترچھی لکیر سی ہو جاتی ہے لیکن جب بال میں آتا ہے تو اس کا شوشہ چھوٹا ہو جاتا ہے اس طرح صرف ابتدائی شکل ہی میں "ب" یا اسی نوع کے الفاظ کی تین شکلیں ہیں اس طرح جب ب "د" کے ساتھ ملتا اس کی ابتدائی شکل ویسے ہی گول ہوتی ہے جیسی الف سے ملتے وقت تھی لیکن جب یہ "ر" کے ساتھ ملتا ہے تو اس کی ابتدائی شکل قائمہ زاویہ بناتی ہے۔

کسی لفظ میں دو حروف ہوں تو عام طور پر اس کے لکھنے یا پڑھنے میں الجھن نہیں ہوتی اگر کوئی لفظ تین یا چار یا زیادہ حرفوں کا مجموعہ ہو تو الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔[31]

لیکن اس کے ساتھ ہی "ب" درمیانی اور آخری صورت میں بھی شکل بدلتا رہتا ہے لہٰذا کسی بھی غیر ملکی کے لیے یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے کہ وہ لکھتے وقت کس حرف کو کس شکل میں لکھے گا۔

"ر"، "د" میں مشکل:

"ر" اور "د" یا اسی ذیل کے دوسرے حروف جیسے د، ڈ، ذ، ڑ، ر، ز یہ ایسے حروف تہجی ہیں جن میں نو آموز طالب علم مشکل محسوس کرتا ہے یہ اصول تو واضح ہے کہ ان حروف میں وصل ماقبل ہوتا ہے لیکن جب کوئی حرف د سے ملتا ہے تو وہ ر کی شکل اختیار کر لیتا ہے جیسے "حد، سد، قد" وغیرہ لیکن جب یہ الگ سے لکھا جاتا ہے تو پھر اس میں زاویہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا اوپر والا سر آگے جھک جاتا ہے۔

اسی طرح ر بھی اپنے ماقبل حروف سے جب ملتا ہے تو اس کی شکل بھی بدلتی رہتی ہے جیسے ط، ش، ع، غ، ض وغیرہ کے ساتھ اس کی شکل تبدیل نہیں ہوتی اس طرح "ر" اور "د" یا اسی ذیل کے دوسرے حروف کے آپس میں خلط ہونے کا امکان موجود رہتا ہے جو ایک نو آموز کے لیے مشکل کا سبب بنتا ہے۔

"ی"، "ے" کے مسائل:

اُردو رسم الخط میں "ے" کی آوازیں بھی دو طرح کی ہیں جسے عام طور پر چھوٹی ی اور بڑی ے سے موسوم کیا جاتا ہے ان میں بھی جب یہ کسی لفظ کے آخر میں آتی ہیں تو دونوں اپنی اپنی الگ الگ شکل سے پہچانی جاتی ہیں۔ لیکن جب یہ کسی لفظ کی ابتدا یا درمیان میں آتی ہیں تو یہ ایک شوشا اور نیچے دو نقطے لگا کر ظاہر کی جاتی ہیں ان الفاظ کو لکھنے اور پڑھنے میں بھی ایسی ہی مشکل ہوتی ہے جس کی عام مثال "شیر" ہے اس کو دونوں طرح شیر (جانور) اور شیر (دودھ) پڑھا جا سکتا ہے۔

ج۔ تدریس اردو میں سننے کے مسائل

سننا ایک ایسا عمل ہے جو انسان اپنی پیدائش کے ساتھ ہی شروع کر دیتا ہے۔ سننا ہی بولنے کی بنیاد بنتا ہے جب تک انسان سنتا نہیں وہ بول نہیں سکتا ہے، جو بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے عام طور پر وہ سن بھی نہیں پاتے۔ انسان وہی کچھ بولتا ہے جو کچھ وہ سنتا ہے اس کی ایک عام سی مثال ہمارے بچے ہیں جو اپنی ماں سے یا خاندان اور اردگرد کے دوسرے لوگوں سے سنتے ہیں اور اس کو دہرانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر وہی زبان اور وہی لہجہ اپناتے ہیں جسے سننے میں وہ اپنا وقت گزارتے ہیں۔

اب سننا دو طرح کا ہوتا ہے ایک طرح کا سننا کہ جو آواز بھی انسان کے پردہ سماعت سے ٹکراتی ہے انسان اس کو سنتا ہے۔ جیسے شور کی آواز کسی ہجوم میں، پارک میں سڑک پر چلتے ہوئے انسان کے پردہ

سماعت سے طرح طرح کی آوازیں ٹکراتی ہیں جن کو شور کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان ان پر توجہ نہیں دیتا زیادہ سے زیادہ ان کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے لیکن ان کی نقل نہ وہ کرتا ہے اور نہ ہی ویسی آوازیں پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے اگر انسان کو مختلف جانوروں کی، مشینوں کی آواز سنائی جائے تو وہ ان میں تمیز کر سکتا ہے لیکن ان کی نقل نہیں کر سکتا۔ لیکن سننے میں اصل عمل تفہیم کا ہے یعنی دوسری طرح کا سننا جس میں انسان کسی شے کو سن کر سمجھ بھی جائے کہ کہنے والے کا مفہوم یا لب لباب کیا ہے۔

سننے کے اس عمل میں سب سے بڑا عمل دخل صوت کا ہے کہ انسان کیسی آواز سنتا ہے اور اس کو کس حد تک سمجھ سکتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہاں یہ ہو گا کہ کوئی انسان اپنے کان میں پڑنے والی آواز کو سن کر ان آوازوں سے لفظ ترکیب معنی مفہوم وغیرہ سمجھ سکے۔ اسی طرح الفاظ کو سننا، جملوں سے معنی اخذ کرنا، لفظوں کی ترتیب کو سمجھنا یعنی جملے کی ترکیب نحوی کو مناسب کچھ زبان کے سننے میں کرنا ہے۔[32]

صوت کے مسائل

کسی بھی زبان کو سننے اور اس کی تفہیم کے دو مسائل ہیں سب سے پہلا مسئلہ صوت کا ہے۔ کسی بھی زبان میں اس بات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ زبانیں دوسری کئی زبانوں سے متاثر ہوتی ہیں اور ان کی آوازیں یا ان کے رسم الخط کو اپنے اندر سمو لیتی ہیں اور اپنی ضروریات کے تحت ان میں تبدیلی کر کے اپنا لیتی ہیں۔ اسی طرح اردو نے بھی جو الفاظ عربی فارسی سے لیے اس کے ساتھ ہی اس کا رسم الخط بھی عربی، فارسی سے آیا اور کچھ ضروری اضافوں کے ساتھ ان کو رائج کر لیا گیا۔

جیسے جیسے الفاظ وارد ہوتے گئے ویسے ویسے ان کی اصوات مقامی زبان میں ڈھلتی گئی اور نئے تلفظ سامنے آنے لگے لیکن خاص طور پر عربی فارسی کے الفاظ کی اصوات تو ہمارے ہاں نہ آ سکے لیکن ان کے حروف اور املا رائج ہو گئے۔

مقامی لوگوں کے لیے زبان کا کوئی قاعدہ یا اصول نہیں ہوتا۔ وہ زبان کو اپنے ہی انداز سے سیکھتے ہیں اور جیسے سنتے ہیں ویسے ہی بولتے ہیں۔ یہی اردو کے ساتھ بھی ہوا لیکن جب اس زبان کو غیر ملکیوں کے سامنے رکھا گیا تو وہ ان کے لیے کئی طرح کی مشکلات پیدا کرتی ہے۔ اردو میں صوتی مسائل کو ہم درج ذیل زاویوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

قریب المخارج حروف :

جیسا کہ عام تجربے کی بات ہے کہ انسانی کان ہر طرح کی آواز سن سکتے ہیں جن میں کچھ آوازیں شور سے زیادہ معنی نہیں رکھتی ہیں۔ لیکن کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن کو سننے والا سن کر سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس کے پیچھے سال ہاسال کا تجربہ کار فرما ہوتا ہے۔ اردو زبان جب کوئی ایسا شخص سنتا ہے جس کی مادری زبان اردو ہے یا کم سے کم اس نے اس کو زبان کو ابتدائی درجے میں سکول سے سیکھنا شروع کیا ہے تو اس کے لیے آواز میں تمیز کرنا آسان ہے۔ لیکن جب کوئی غیر ملکی زبان کو سنتا ہے تو وہ بعض حروف کی آوازوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔

قوت سماعت کے حوالے سے یہ بات دلچسپ ہے کہ انسان جب کچھ آوازوں کا عادی ہو جاتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی انسان کی سماعت کے اعضا دماغ کو صرف ان ہی آوازوں کی تحریک دیتے ہیں جن کو پہلے سے سننے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں غیر ملکی قریب المخارج آوازوں میں اپنی سمجھ کی حد تک آوازیں سنتے ہیں مثلاً ''خ'' اور ''کھ'' کی آوازیں بہت قریب کی آوازیں ہیں۔ جب کسی نو آموز کو ان حروف اور الفاظ سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کے لیے ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً خدا اور کھدا، خانہ اور کھانا وغیرہ جیسے الفاظ جب کوئی ابتدائی سطح پر سنتا ہے ان میں فرق معلوم نہیں ہوتا اور ایک ہی لفظ سمجھتا ہے۔

اسی طرح ''غ''، ''گ'' کی آواز میں فرق کرنا بھی ایک مشکل امر ہے اور نو آموز ''غ'' کو ''گ'' اور ''گ'' کو ''غ'' سنتا اور سمجھتا ہے جیسے غر اور گھر، غول اور گھول، گم اور غم، غنہ اور گنا وغیرہ جیسے الفاظ مشکل کا سبب بنتے ہیں۔

ہم صوت الفاظ:

دوسری طرح کی مشکل ایسے الفاظ کو سننے میں آتی ہے جن کو متجانس الفاظ کہا جاتا ہے۔ یعنی جن کے تلفظ بہت قریب کے ہوتے ہیں اور بعض اوقات بولتے ہوئے زیادہ فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا جب کوئی غیر ملکی ان الفاظ کو سنتا ہے تو ان کو سمجھنے میں اس کو مشکل پیش آتی ہے جیسے ا،ع جیسے علم اور الم، اثر اور عصر وغیرہ جیسے الفاظ۔ یا پھر ک، ق فرق کرنا۔ یہ بات درست ہے کہ جب لفظ لکھا جاتا ہے تو اس سے اس کے معنی میں فرق آ جاتا ہے اور کسی لفظ کے تناظر یا اس کے معنی کو واضح کرتا ہے۔ مادری زبان کے حوالے سے ایسی باتیں کرنا اور کہنا بالکل درست ہو سکتا ہے لیکن غیر ملکی زبان میں یہ معاملات اتنے سادہ نہیں۔ مثال کے طور پر قمر اور کمر، قاش اور کاش، قاری یا کاری، قصر اور کسر جیسے الفاظ کی اصوات میں فرق اردو بولنے والے نہیں کر پاتے اور

سننے والا اگر غیر ملکی ہے تو وہ ان الفاظ یا اس طرح کے الفاظ میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح ث، س، ص یا ذ، ز، ض، ظ میں فرق کرنا یا ان الفاظ کو سمجھنا مشکل ہے۔ اردو کی ان آوازوں میں فرق نہیں۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''رہا اردو کی ان آوازوں کا معاملہ جن کے لیے ایک سے زیادہ علامتیں ہیں مثلاً س، ث، ص یا ز، ذ، ظ، ض، ان کے بارے میں اتنی بات خاطر نشاں رہنی چاہیے کہ اردو میں ان سب علامتوں کی اپنی اپنی الگ آوازیں نہیں۔''[33]

ان علامتوں کے استعمال کی لغت میں اہمیت سے انکار نہیں لیکن ان کی آوازوں کی مماثلت اس قدر ہے کہ ایک نو آموز غیر ملکی طالب علم کے سننے میں مزید مشکل کا سبب ضرور ہیں۔

لہجے کے مسائل:

غیر ملکی زبان سیکھنے والوں کے لیے ان کا پہلا مدرس اور معلم بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نو آموز طالب علموں کا ذہن اس بچے کی طرح ہوتا ہے جو نیا نیا اس دنیا میں آیا ہو، اس کو جو کچھ سکھا دیا جاتا ہے وہ اس کے ذہن میں خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے سکھانے والے کا لہجہ بہت صاف واضح اور اہل زبان کا سا ہونا چاہیے۔

مقامی طالبعلم چونکہ کئی طرح کے لوگوں سے سن چکا ہوتا ہے اور اس کے پاس سننے کی مشق بہت زیادہ ہوتی ہے جبکہ غیر ملکی کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی۔ اردو کے حوالے سے دیکھا جائے تو ہماری علاقائی زبانوں اور لہجوں کا اثر اردو بولنے والوں پر شدید نظر آتا ہے۔

اردو اور پنجابی آپس میں قریب کا تعلق رکھتی ہے اس لیے پنجابی بولنے والے اردو الفاظ کو پنجابی لہجے میں عام بولتے ہیں مثال کے طور پر وقت کو وقّت تشدید کے ساتھ بولنے، عمل اور عقل کو بھی اسی طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اٹک کے لوگ ہوئے کو ہویئے بولتے ہیں اور یہ ایسے مسائل ہیں جو کسی غیر ملکی کے لیے راسخ ہو جاتے ہیں۔

ہلکی اور بھاری آوازیں:

اردو زبان میں چونکہ کئی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اور وہ نہ صرف اپنی حقیقی آوازوں کے ساتھ موجود ہیں بلکہ اردو بولنے والے ان کے تلفظ ادا بھی کر لیتے ہیں۔ اسی صورت حال کے پیش نظر ہمارے پاس

مقامی زبانوں کے لاتعداد ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں بھاری آوازیں مستعمل ہیں۔ یعنی ب، بھ، پ، پھ، ت، تھ، اور اسی طرح دیگر حروف کی آوازیں اتنی قریب ہیں کہ ان میں فرق کرنا دشوار ہے۔ ایک غیر ملکی پل اور پھل، بھوت اور بہت، گر اور گھر، ڈول اور ڈھول، کوٹہ اور کوٹھا وغیرہ جیسے دوسرے کئی الفاظ ایسے ہیں جن میں فرق نہیں کر پاتے اور یہ سننے میں ایک جیسے محسوس ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے فرزانہ کوثر لکھتی ہیں:'جب غیر ملکی طلبا اردو زبان سیکھنا شروع کرتے ہیں تو وہ سافٹ (Soft)اور ہارڈ(Hard) آوازوں میں فرق نہیں کر سکتے اور ان کو ایک ہی آواز سمجھتے ہیں۔"[34]اس طرح سے سننے والے طالب علم جب سننے میں غلطی کرتے ہیں تو ان کو سمجھنے میں بھی دشواری ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ ان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں تو اس میں بھی وہ غلطی کرتے ہیں۔

معیاری اور عامیانہ زبان:

غیر ملکی طالب علم عام طور پر کتابوں سے پڑھتا ہے اور جدید دور میں اس کو سننا سکھانے کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جس میں کارٹون، ڈرامے، ٹی وی شو اور اس طرح کا دوسرا مواد ان کو سننے کے لیے دیا جاتا ہے۔ ان کو دیکھنے والے عام طور پر زبان و ادب سے وابستہ لوگ ہوتے ہیں اور وہ ایک معیاری زبان کو لکھتے بھی ہیں اور بولتے بھی۔ طالب علم وہاں سے معیاری زبان سیکھ لیتا ہے اور اس طرح جب وہ کوئی ایسا کردار دیکھتا ہے یا کسی ایسے شخص سے ملاقات کرتا ہے جو معیاری زبان نہیں بولتا تو طالب علم اس کو سن اور سمجھ نہیں سکتا بلکہ وہ اس لہجے اور زبان کو کوئی دوسری زبان تصور کرتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

د۔ ادائیگی کے مسائل:۔

غیر ملکی زبان سیکھنا ایک ایسا تجربہ ہے جو عام طور پر لوگ زمانہ بلوغت میں جر کر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی انسان اپنے بچپن میں کوئی غیر ملکی زبان سیکھے کیونکہ یہ زبان اس کے لیے ثانوی زبان کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص عمر کے ایسے دور میں غیر ملکی زبان سیکھنے لگتا ہے۔ جس وقت وہ مادری زبان بھی سیکھ رہا ہوتا ہے تو وہ اس وقت وہ دوسری زبانوں کو ثانوی زبان کے طور پر سیکھ رہا ہوتا ہے۔

غیر ملکی زبان سیکھنے والوں کے کی عمومی یہ ایک ہی رائے ہوتی ہے کہ اگر کسی زبان کی ادائیگی کو بہتر بنانا

ہے تو اس کے لیے (In Put) یعنی جو زبان وہ سیکھ رہے اور جہاں سے سیکھ رہے ہیں۔ اگر ان کی اپنی ادائیگی بہت اچھی ہے تو وہ یہ زبان سیکھ جائیں گے۔ کہیں اگر یہ رائے بالکل درست ہوتی تو بہت سی مشق اور بہت سا وقت خاص علاقے میں گزارنے کے بعد لوگ بہت اچھے غیر ملکی زبان بول سکتے لیکن اثر ایسا نہیں ہوتا۔

تاہم اس بات کا انحصار طلبا پر ہے کہ طلبا کا تلفظ بہت جلد اچھا ہونے لگتا ہے اور وہ بہت ہی جلد مقامیوں جیسے لفظ ادا کرنے لگتے ہیں۔ لیکن بعض طلبا کے سیکھنے کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ وہ حروف کی ادائیگی تو سیکھ جاتے ہیں لیکن اس کے لیے انہیں بہت محنت کوشش اور وقت درکار ہوتا ہے۔ لیکن بعض طلبا عمر بھر ایسا نہیں کر پاتے اور وہ اپنے پرانے یا پیدائشی لہجے پر اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ ان کے ہاں الفاظ کی دائیگی ایک الگ شکل اختیار کر جاتی ہے۔

کسی بھی زبان کے حروف اور الفاظ کی ادائیگی میں دو چیزیں اہم ہوتی ہیں۔ لہجہ (Accent) یا طریقہ ادائیگی (intoination) (لحن) ہوتے ہیں۔ یہ دونوں مل کر ہی کسی زبان کی ادائیگی کو مکمل کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا لہجہ اور تلفظ وغیرہ تو بہت اچھا ہو لیکن اس کا لحن بہت اچھا نہ ہو تو وہ بات چیت کوئی معنی پیدا نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے اس کے جملے طویل اور بے ترتیب ہوں گے اور بہت زیادہ لفظوں اور جملوں کے استعمال سے وہ بہت کم معنی ادا کر پائے گا۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ہر زبان کے کئی لہجے ہوتے ہیں اور ان میں سے بیشتر کو معیاری لہجے ہی سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی دنیا بھر میں امریکی اور برطانوی دونوں لہجوں میں بولی اور پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح اردو میں بھی دو معیاری لہجے یعنی دہلوی اور لکھنوی تصور کیے جاتے ہیں اور ان دونوں کو معیاری ہی مانا جاتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی زبان کی ادائیگی یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ بولنے والا کہاں کا ہے اور کس علاقے سے آیا ہوا ہے۔

غیر ملکی کے کسی بھی زبان کی ادائیگی کے راقم کے خیال میں چار مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔

1۔ سیکھنے والے کی عمر

2۔ سیکھنے والے کا مقصد

3۔ سیکھنے والے کی مادری سے زبان سے مماثلت

4۔ سیکھنے والا غیر ملکی زبان کو کتنا استعمال کرتا ہے۔

انسان کی عمر جیسے جیسے زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کا لہجہ بھی پختہ ہوتا جاتا ہے اور اس کے آواز پیدا کرنے کے اعضاء مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ نئی آوازوں کو پیدا کرنے یا پھر پرانی آوازوں میں تبدیلی کرنے کے قابل نہیں رہ جاتا۔

لکھنے کے مقاصد میں اگر نو آموز کی ذاتی دلچسپی بھی شامل ہو جائے تو اس کے سیکھنے کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور وہ اپنی دلچسپی کی وجہ سے مشق کو بڑھا دیتا ہے اور اپنی ذاتی کوشش سے زبان سیکھتا ہے جس کے نتیجے میں وہ مقامیوں جیسی ادائیگی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

تیسرے درجے پر اگر کسی غیر ملکی کی زبان مادری زبان نئی سیکھی جانے والی زبان سے مماثلت رکھتی ہو تو نئے سیکھنے والے کے لیے وہ مماثلت بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے اور وہ پہلے سے موجود لہجے اور الفاظ کے ذریعے نئی زبان کی ادائیگی میں سہولت پیدا کر سکتا ہے۔ جس سے اسے کم محنت سے زیادہ کامیابی ہوتی ہے۔

اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نو آموز۔۔ زبان کو وقت کتنا دے رہا ہے۔ اگر نو آموز دن کا زیادہ وقت اسی زبان کو استعمال کرتا ہے تو وہ بہت ہی جلد اس زبان کو سیکھ جائے گا لیکن اگر اس نے اس زبان کو مخصوص صورت حال یا مخصوص لوگ تک ہی محدود رکھا ہوا ہے تو وہ کبھی اس کو مقامیوں جیسا واضح اور صاف لہجے میں ادا نہیں کر پائے گا۔

اردو حروف کی تعداد 50 سے زائد ہے اور ان کی یہ تعداد دنیا میں بولی جانے والی دوسری کئی زبانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کہ انگریزی میں یہ 26، عربی اور فارسی میں 31، چینی میں چالیس سے اوپر ہیں۔ اکثر ایسے طالب علم جو دوسرے ممالک سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کی مادری زبانوں میں کئی آوازیں ایسی ہیں جو ہوتی ہی نہیں ہیں۔ مثلاً فارسی میں ایسے حروف نہیں ہیں جن کو ہندی کی وجہ سے اردو میں شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر کیو مرثی جو ایران میں اردو کے استاد ہیں اور خود ان کی مادری زبان فارسی ہے ان کا کہنا ہے کہ اردو میں ایسے حروف کی آوازیں جن پر چھوٹا "ط" ہوتا ہے یعنی ڈ، ڑ، ٹ، ٹھ وغیرہ فارسی میں موجود نہیں۔ جس کی وجہ سے اہل فارسی کے لیے یہ حروف ادا کرنا ممکن نہیں۔[35]

اسی طرح انگریزی بولنے والوں حروف علت کی آوازیں نکالنا بہت مشکل ہے۔ مثلاً وَاوَ معروف کی آواز ان کے لیے اجنبی ہے۔ وہ الف کا اضافہ کرتے ہیں اور و کی آواز کو ء سے بدل دیتے ہیں۔ اسی طرح "ح" کی آواز ان کے لیے اجنبی ہے وہ خان کو کان، خرگوش کو کرگوش پڑھتے اور بولتے ہیں۔ انگریزی پس منظر کے

طلبا کے ہکاری آوازیں ادا کرنا بھی آسان نہیں ہوتا وہ اپنی آواز وہ کر ادا کرتے وقت اکثر ان کے قریب کے حروف کی آوازوں میں ملا دیتے ہیں۔

کسی بھی دوسری زبان کی طرح اردو بھی ایک بولنے کی زبان ہے۔ لیکن یہ زبان آوازوں کا ایک جنگل ہے جس میں کئی دوسری زبانوں سے لفظ آکر شامل ہو گئے ہیں۔ اور ہم ان الفاظ کو اکثر ایسی زبان میں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس زبان سے لفظ لیا گیا ہوتا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے اندر رہنے والے لوگوں کے لیے یہ مشکل موجود ہے کہ بعض حروف کی ادائیگی ان کے لیے آسان نہیں ہوتی مثلاً پشتو بولنے والے لوگوں کے ہاں "ف" کی آواز کی ادائیگی کرنا مشکل ہے۔ اس کی جگہ وہ "پ" کو ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح سندھی بولنے والے "س" سے لفظ کی ابتدا نہیں کر سکتے بلکہ ان کے وہ جو لفظ س سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی ابتدا میں وہ الف کا اضافہ کرتے ہیں جیسے وہ سکول کو اسکول کہتے ہیں۔

عمومی طور پر جب بھی کوئی شخص زبان سیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ نئے الفاظ سیکھنے کی طرف زیادہ توجہ کرتا ہے۔ اس کے بعد ان الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے وہ جملے بناتے ہیں۔ یہاں پر زبان سیکھنے والے کچھ لوگ تو مقامی ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف غیر ملکی بھی اس کوشش میں شامل ہوتے ہیں۔ یہاں پر بہت سے لوگ ایسے ہیں جو زبان کو سیکھتے وقت الفاظ کے یا تو غلط تلفظ یاد کر لیتے ہیں یا پھر ان کے ہاں ادائیگی کی وہ صورت پیدا نہیں ہو پاتی جو مقامی لوگ کر سکتے ہیں۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ وہ الفاظ کی ادائیگی غلط کر رہے ہیں اور بعض اوقات وہ جانتے ہیں لیکن اس تلفظ کو درست کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ غیر ملکی یہاں پر تین مختلف مدارج ہیں۔ ایک خود ساختہ صورت حال پیدا کر لیتے ہیں۔

1۔ پہلے تو وہ خود سے ایک لفظ تیار کرتا ہے جو اصل لفظ کے قریب تر سمجھا جا سکتا ہے اور بولنے والا خود سے اسے ہدفی زبان کا تلفظ طے کر لیتا ہے۔

2۔ غیر ملکی طالب علم اس بات کا اندازہ کر لیتا ہے کہ اس تلفظ سے سننے والا اس کے معنی کو سمجھ جائے گا۔

3۔ تیسرے درجے میں سننے والے مقامی لوگ بھی اس لفظ کو درست ہی سمجھتے ہیں کہ غیر ملکی کے پاس اتنی گنجائش موجود ہوتی ہے۔

یہاں اس بات کا اندازہ لگانا ہر گز مشکل نہیں کہ اساتذہ کی عدم توجہ اس مسئلے کا ایک بڑا سبب ہے کہ جب غیر ملکی طالب علم کسی لفظ کو غلط طور پر ادا کر رہا ہے تو اساتذہ اس کی اصلاح کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دے رہے ہوتے۔

طلبا کو کسی بھی زبان کی ادائیگی میں درج ذیل سطحوں پر مشکل آسکتی ہے۔

1۔ حروف پر زور Stress

2۔ حروف کے ردھم Phythm

3۔ لہجے سے Intonation

4۔ حروف علت Vowels

5۔ حروف صحیح Consonants

مندرجہ بالا پانچ صورتیں ایسی ہیں جہاں پر عمومی طور پر غیر ملکی طلبا غلطی کر سکتے ہیں۔

اردو کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو اردو میں غلطی کئی زبانون کی نسبت زیادہ ہو سکتی ہے۔

اردو حروف جب الفاظ کی شکل اختیار کرتے ہیں تو وہ مختلف طرح کی علامتوں اور لفظوں کی ادائیگی کی وجہ سے مختلف جگہوں پر اپنی اصل آواز کو تبدیل کرتے ہیں۔

راقم کا یہ تجربہ ہے کہ مختلف پس منظر کے طلبا جب اردو زبان کو بولتے ہیں تو اہ اپنے اپنے علاقوں اور مادری زبانوں کی وجہ سے لفظوں کو تبدیل کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جان پاتے کہ وہ کس آواز پر زور دیں گے۔ مثال کے طور پر غلط لفظ کے تینوں حروف متحرک ہیں جبکہ عام طور پر طلبا اس لفظ کو متشد د لام کے ساتھ "غل لط" کر کے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ختم، جنم، عقل اور اسی وزن کے دوسرے الفاظ کے درمیانی حروف پر بلاوجہ زور دیتے ہیں اور ان لفظ کو ختم، جنم، عقل وغیرہ کا لفظ کرتے ہوئے غلط ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح چند الفاظ جن کے آخر میں ح یا ع کی آواز آتی ہے ان کو بھی بلاوجہ زور دے کر بولتے ہیں مثلاً صبح کو صبحا، جمع کو جمعا بولنے کا چلن عام ہے۔

غیر ملکی طلبا کو اگر دیکھا جائے تو وہ عمومی طور پر اپنی مادری زبان میں لفظوں کی ادائیگی کی عادت کے مطابق لفظوں کو تبدیل کرتے ہیں۔ جیسے کہ چینی زبان میں الفاظ مسلسل ہونے کی بجائے ان کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے تو جب چین کے طلبا اردو کے الفاظ کو ادا کرتے ہیں تو وہ ہر لفظ کو ہی

درمیان سے کاٹنے یا پھر درمیان میں ایک Stress دے کر دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح انگریزی بولنے والے طلبا کے ہاں ٹ اور ڈ کی آوازوں میں آپس میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں تو جب وہ اردو کے ایسے الفاظ ادا کرتے ہیں تو اکثر اوقات آپس میں آواز کو تبدیل کرتے ہیں اور وہ لفظوں کو زور دے کر تلفظ کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ عابد سیال، اردو اور نستعلیق لازم و ملزوم ہیں، مشمولہ اردو کالم شمارہ 7، 6 دسمبر 2015ء، جنوری 2016ء، ادارۂ تحقیقات اردو اسلام آباد، ص16

2۔ رشید حسن خان، اردو کیسے لکھیں، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1996ء، ص15

3۔ انوار احمد ڈاکٹر، سوالنامہ، 8 بذریعہ برقی رابطہ اکتوبر 2022

4۔ چویوان (نسرین) سوالنامہ، بذریعہ برقی رابطہ، 17، مارچ 2020

5۔ رشید حسن خان، اردو کیسے لکھیں، نیشنل اکادمی دہلی، 1974ء، ص45

6۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، مرتب قواعد اردو، انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان 2009ء، ص50

7۔ اردو املا کمیٹی اصلاح رسم الخط اردو، جنوری 1944، ص114، بحوالہ رشید حسن خان، اردو املا، ص 130

8۔ رشید حسن خان، اردو املا، مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور، ص268

9۔ رشید حسن خان، اردو کیسے لکھیں، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1996ء، ص25

10۔ شان الحق حقی، لسانی مسائل ولطائف، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1996، ص171۔72

11۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، آواز کتاب گھر دہلی، 1964، ص38

12۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی آوازیں، مشمولہ اردو املا و قواعد، مرتب فرمان فتح پوری، ڈاکٹر مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1990ء

13۔ شان الحق حقی، لسانی مسائل ولطائف، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1996، ص172۔73

14۔ ندا علی خان بہادر پروفیسر، قواعد اردو، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ 1995ء، ص71

15۔ ایضاً ص69

16۔ محمد آفتاب احمد ثاقب، ڈاکٹر، اردو قواعد و املا کے بنیادی اصول، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگو ئجز اسلام آباد، 1994ء، ص34

17۔ زین العابدین، محمد، مولوی، آئین اردو نامی پریس، میرٹھ 1926ء، ص19

18۔ عبدالحق، مولوی، قواعد اردو، ص97

19۔ رشید حسن خان، اردو کیسے لکھیں، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1996ء، ص17
20۔ رشید حسن خان، اردو کیسے لکھیں (صحیح املا)، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1996ء، ص18۔19
21 ایضاً، ص50
22۔ ایضاً، ص45
23۔ ایضاً، ص51
24۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1988ء، ص91
25۔ ایضاً ص91
26۔ ایضاً، ص92۔93
27۔ ایضاً، ص93۔94
28۔ رشید حسن خان، اردو کیسے لکھیں، ص15
29۔ ایضاً
30۔ عابد سیال، اردو اور نستعلیق لازم وملزوم ہیں، مشمولہ اردو کالم شمارہ 7، 6 دسمبر 2015ء، جنوری 2016ء، ادارۂ تحقیقات اردو اسلام آباد، ص16
31۔ رشید حسن خان، اُردو کیسے لکھیں، ص16
32۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، اردو کتاب گھر دہلی 1964 ص ۱۲
33۔ اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، ص ۲۷
34۔ فرزانہ کوثر، غیر ملکیوں کے لیے اردو سننے اور سمجھنے کے مسائل مشمولہ اخبار اردو صفحہ 13 مئی ۲۰۰۱
35۔ کیو مرثی ڈاکٹر، سوالنامہ بذریعہ برقی رابطہ، 18 اکتوبر، 2020

باب چہارم

تدریسِ اردو بطور غیر ملکی زبان: امکانات کی جستجو

زبان کی تدریس کے حوالے سے جو مسائل عمومی طور پر غیر ملکی طلبا کو درپیش ہیں۔ ان کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اردو زبان اور اس کی تدریس ایک کٹھن کام ہے جس میں نہ صرف طلبا مشکلات کا شکار ہوتے ہیں بلکہ اساتذہ کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جو نہ صرف کٹھن ہیں بلکہ بعض اوقات لاجواب کر دینے والے ہوتے ہیں۔

ان مسائل کو کس طرح سے حل کرنا ممکن ہو سکتا ہے اس کا کوئی ایک قاعدہ یا اصول وضع کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے۔ پچھلے باب میں ان مشکلات اور مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے اور مختلف ماہرین اردو اور مختلف لسانی پس منظر رکھنے والے اساتذہ اور طلبا کے مسائل ان کی آراء کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ان طلبا اور ماہرین کی آراہی کو سامنے رکھتے ہوئے ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چونکہ پچھلے صفحات پر جن مہارتوں کا جائزہ لیا گیا وہ بنیادی طور پر صرف دو ہیں اس لیے ان کے امکانات اور حل کی طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے۔

الف۔ تدریس اردو میں پڑھنے کے مسائل کا حل:۔

پڑھنے کا عمل نہ صرف حروف کی اور ان کی ادائیگی یا الفاظ کو پڑھ سکنے (Reading) تک محدود ہے بلکہ یہ عمل اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے کہ پاکستان کا باسی جب دوسرے درجے تک پہنچتا ہے تو اردو کی کوئی کتاب بھی پڑھ سکتا ہے اور صرف اتنا پڑھ سکنا ناکافی سمجھا جاتا ہے۔

دوسری طرف ہمارے یہاں عمومی لوگ قرآن مجید کو ناظرہ جبکہ بعض تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی جانتے ہیں۔ لیکن وہ صرف عبارت کو پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس سے یہ سمجھنا بالکل مشکل نہیں رہ جاتا کہ صرف ناظرہ پڑھنا (Reading) کافی نہیں۔

گزشتہ باب میں جس طرح ان مسائل کی نشان دہی کی کوشش کی گئی ہے۔ جن کو ایک طالب علم پڑھتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ اسی ترتیب سے ان مسائل کا حل دیکھنے کی بھی کوشش ہے کہ کس طرح اردو کی تدریس کے دوران درپیش مسائل کو دور کیا جاتا ہے یا اس کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

1۔ اردو رسم الخط

2۔ تلفظ / ادائیگی

3۔ روانی

4۔ لفظوں کا ادارک

5۔ تناظر یا الفاظ کا ربط

6۔ تفہیم

مندرجہ بالا نکات کے علاوہ ایک ضروری عمل جو زبان کی تدریس میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے وہ زبان سیکھنے والے طالب علم کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس زبان کو سیکھے کیونکہ زبان سیکھنا ایک صبر آزما مسلسل اور سست عمل ہے۔ جس کی بنیاد مشق پر ہے۔ اس لیے عمومی طور پر ابتدائی مشکلات کو دیکھ کر طالب علم اپنے کام کی رفتار یا تو سست کر دیتے ہیں یا پھر وہ کام کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اور بے دلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سیکھنے کی طرف آمادگی کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح غیر ملکی زبان سیکھنے والے طلبا عمومی طور پر بلوغت کی عمر کو پہنچ کر اس طرف توجہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی بعض عادات راسخ ہو جاتی ہیں۔ یا پھر وہ بات کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں یا پھر نئے یا پرانے سوالات کو اپنی مادری زبان یا اگر انہوں نے اس سے پہلے کوئی ثانوی زبان سیکھ رکھی ہو تو اس سے تقابل کرتے ہیں۔ اور خود سے حد لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ کام مشکل ہے یا آسان۔ ایسا کرنے سے وہ عمومی طور پر مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں اور بعض بہت سادہ اور آسان نوعیت کے کاموں اور مشقوں کو بھی بہت مشکل سمجھتے ہیں۔

اس مرحلے پر مدرس کو اس بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ طالب علم کو اس بات پر آمادہ کرے کہ اگر اس نے یہ کام شروع کیا ہے تو اس کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ ان مشکلات کے علاوہ بھی کئی طرح کی مشکلات ہیں جو عدم آمادگی کا سبب بنتی ہیں۔

اسی طرح طالب علم کی جسمانی صحت، یا جنس بھی تعلیم و تدریس میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جسمانی طور پر کمزور، دماغی طور پر کم یا زیادہ استعداد کے طالب علم پڑھنے اور کام کرنے کی صلاحیت کے حوالے سے بھی مختلف ہیں۔ مثلاً ایک کمزور طالب علم اور ذہین طالب علم جب ایک ہی کمرہ جماعت میں موجود ہوں تو ان کے اثرات ایک دوسرے پر مختلف ہوتے ہیں۔ راقم کا تجربہ ہے جس مخلوط جماعت (Co-Education)

میں جس جنس کے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گی وہ ہمیشہ اپنی کارکردگی بہتر بناتے ہیں۔

بیرون ملک تدریس کے دوران میرا واسطہ ایک ایسی کلاس سے بھی پڑا جس میں لڑکیاں بہت زیادہ اور لڑکے صرف دو ہی تھے۔ اس کلاس میں دونوں لڑکے دب کر رہ گئے اور کبھی نمایاں کارکردگی نہ دکھا پائے ان کے مقابلے میں ایسی لڑکیاں جن کی کارکردگی پچھلے دو سمیسٹر میں اوسط تھی وہ اس فضا میں زیادہ سہولت محسوس کرتی تھیں۔ اور ان کی تربیت بھی اچھی ہوئی اور وہ مہارت حاصل کرنے میں بھی پیش پیش رہیں۔

اس صورتِ حال میں راقم کے لیے سب سے مشکل یہ امر رہا کہ ان دو لڑکوں کو بھی آمادہ کر پاؤں کہ وہ اپنی کارکردگی کو بہتر بنا سکیں۔

اور اس سے پہلے کئی طریقہ ہائے تدریس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان کو سامنے رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو یہ بات بہت حد تک عیاں ہو جاتی ہے کہ جس طرح دنیا کی دیگر زبانوں میں مشکلات موجود ہیں۔ اسی طرح اردو کی تدریس بھی آسان عمل نہیں بلکہ یہ ایک پیچیدہ عمل ہے۔

ابتدا میں پیش کیے گئے ماڈل یا طریقہ ہائے تدریس کو دیکھا جائے تو ان میں سے زیادہ تر مغربی زبانوں کی تدریس اور خاص طور پر انگریزی کی تدریس کے حوالے سے سامنے آتے ہیں۔ جبکہ اردو کا مزاج، رسم الخط، کلچر سب کچھ ہی اس سے مختلف ہے۔ لہٰذا اردو زبان کی تدریس کے دوران کسی بھی ایسے ایک طریقے کو استعمال نہیں کیا جا سکتا بلکہ مختلف مہارتیں سکھانے کے مختلف طریقہ ہائے تدریس کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر عطش درانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "حقیقت یہ ہے کہ سبھی مصنفین مغربی طریقوں کو اردو پر لاگو کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جو اپنی نوعیت میں گھل ملی یا امتزاجی ہے چنانچہ اس کے قاعدے کے لیے بھی کسی امتزاجی طریقے کی ضرورت ہے۔"[1]

اس لیے ابتدا میں دیے گئے طریقہ ہائے کار اپنا کر کم از کم اردو کی تدریس بہت آسانی سے ممکن نہیں۔ لہٰذا کلاس کے درجوں، نوعیت اور مزاج کے حساب سے اور ساتھ ہی کلاس کے نصاب کے مطابق ان طریقوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

رسم الخط کے مسائل کے ممکنہ حل:۔

پہلے باب میں جس طرح تحریر سکھانے کے لیے مونیٹسوری کا طریقہ سامنے آیا جس میں طلبا کو کسی

بھی سمت سے حروف کو کاٹ کر ان پر انگلیاں پھیر کر سکھانے کی تجویز دی گئی تھی۔ وہ طریقہ لکھنے میں تو بھلا لگتا ہے اور انگریزی سکھانے میں شاید کار آمد بھی لیکن اردو کے حروف جس قدر شکلیں بدلتے ہیں اور وہ شکلوں، دائرویں، نقطوں، نصف دائروں اور آڑھی ترچھی لکیروں پر مشتمل ہوتے ہیں ان سب کو اس طریقے سے یاد کرنا یا سکھانا آسان نہیں۔

گزشتہ ابواب میں جہاں رسم الخط کے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے وہاں درجہ ذیل مسائل سامنے آئے تھے۔

1۔ حروف کی شکلیں

2۔ قریب شکل الفاظ

3۔ شوشے اور نقطے

4۔ حروف کی تعداد

5۔ اعراب

6۔ نسخ یا نستعلیق

ان مسائل کو اسی ترتیب سے سمجھانے کے حوالے سے بات ذیل میں کی جائے گی۔

حروف کی شکلیں:۔

یہ بات سب پہ عیاں ہے کہ اردو حروف کم از کم 4 شکلیں تو بناتے ہی ہیں۔ یعنی ابتدائی، درمیانی، آخری اور مکمل اور ایک محتاط انداز کے مطابق 54 حروف تہجی کی چار چار شکلوں کے حساب سے 116 بنتی ہیں۔ جب کہ صرف ب کی 9 سے زائد شکلیں ہیں۔ لیکن یہ بات یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہو گی اگر ہم حروف کو ان کی مفرد شکلوں میں شباہت کے حوالے سے تقسیم کریں تو یہ صرف آٹھ بنتی ہیں۔ اگر ایک طالب علم "ب' کے جوڑ ملانے سیکھ لے تو وہ خود بخود پ، ت، ٹ، ث دیگر اسی طرح تمام اشکال کے جوڑ لگانا سیکھ لیتے ہیں اسی طرح د، ذ، ز، ر وغیرہ کی کوئی ابتدائی شکل یا درمیانی شکل نہیں ہوتی تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حروف کی جنسی شکلیں اور جوڑ توڑ بنائے جاتے ہیں تو سیکھنے کا عمل آسان ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے درمیان ایک جیسی اشکال کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔

ڈاکٹر حمیرا اشفاق اس حوالے سے کہتی ہیں کہ لکھنے کے مسائل کو حل کرنے کے لیے قرات اور

لکھنے کی مشق اور اس کے ساتھ ہی بعض مشکلات کو دور کرنے کے لیے انگریزی، فونکس یا رومن رسم الخط کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔[2]

انٹرنیشنل فونیٹکس کے ذریعے پڑھانا کافی بہتر اور آسان ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم پہلے اس سے آشنائی رکھتے ہوں تاہم راقم کا تجربہ اس سے مختلف رہا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ طالب علم بہت جلد ہی بنیادی حروف تہجی اور ان کی سادہ یا مفرد شکلیں سیکھ جاتے ہیں دوسری طرف اگر حروف کے جوڑ توڑ اطلاقی طریقے سے سکھائے جائیں اور ان کی مشق کروائی جائے تو یہ سلسلہ بہت حد تک آسان بھی ہو جائے اور قابل عمل بھی ہے۔

کمپیوٹر کے استعمال کے بعد تو اس مسئلے کو حل کرنا اور بھی آسان ہو گیا ہے کہ سبق تیار کرتے وقت ہر حرف کا رنگ اگر مختلف کر دیا جائے، تو چند ہی دنوں کی مشق کے بعد طالب اس الجھن سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک چینی استاد کا خیال بھی اس سے مختلف نہیں کہ حرف یا رسم الخط ابتدا میں ہی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کچھ دن کی مشق کے بعد طالب علم اس پر کافی حد تک مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔[3]

لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حروف کی شکلیں چاہے کتنی بھی زیادہ ہوں لیکن مشق اور اعادہ کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کے استعمال سے ان کی تدریس کی رفتار بہر بڑھ جاتی ہے۔

املا کے مسائل کے ممکنہ حل:۔

زندہ زبانیں ہمیشہ ترقی پذیر رہتی ہیں اور ہمیشہ ماحول کا اثر قبول کرتی رہتی ہیں۔ جیسے جیسے دنیا عالمگیریت، گلوبل ولیج وغیرہ کی طرف بڑھ رہی ہے ویسے ویسے زبانوں میں بھی وسعت پیدا ہوئی ہے۔ نئے الفاظ، اصطلاحات، مسائل، ایجادات وغیرہ ذخیرہ الفاظ کو بڑھا رہے ہیں تو دوسری طرف ٹیکنالوجی کے استعمال سے زبانوں کے مطالعے بھی آسان تر ہوتے جا رہے ہیں۔

اردو زبان میں املا کا معاملہ دوسری زبانوں کی طرح ہمیشہ سے ترقی پذیر رہا ہے اور شاید املا کی اصلاحات اور اس حوالے سے سفارشات ابتدا سے ہی سامنے آ رہی ہیں۔

ابتدا سے لے کر اب تک جتنے بھی املا کے اصول یا قاعدے وضع کیے گئے ان میں کبھی جھکاؤ عربی کی طرف ہوا اور کبھی جھکاؤ فارسی کی طرف رہا۔ چند لوگوں نے کسی ایک ماہر لسان کی پیروی کی تو دوسروں نے کسی دوسرے کی۔ لیکن ہمیشہ پیش نظر مسئلہ املا کی درستی میں مقامی لوگوں کو، اہل زبان کو یا پھر ایسے لوگوں کو

سامنے رکھا گیا جن کی اگر مادری زبان اردو نہ بھی ہو لیکن انہوں نے اردو کو بچپن سے سیکھ رکھا ہوتا ہے۔

املا کی سفارشات ادارہ فروغ قومی زبان 2022 میں ایک جگہ پر رشید حسن خان کی سفارشات پر اعتراض کرتے ہوئے تحسین فراقی کا خیال ہے کہ:

> "سوال یہ ہے کہ ہم فارسی کے تتبع میں۔۔۔۔ موسیٰ، عیسیٰ، اعلیٰ اور ادنیٰ کو الف مقصورہ کی بجائے الف سے موسا، عیسا، اعلا اور ادنا کیوں لکھیں۔ بات یہ ہے کہ موسیٰ، عیسیٰ کے روایتی طرز املا سے ہماری آنکھیں اور ہمارے حافظے ایک مدت سے جمالیاتی اور تصویری بیعت کر چکے ہیں۔ لہٰذا اسے مسخ کر کے موسا، عیسا نہیں لکھ سکتے۔"[4]

یہاں املا کے حوالے سے جو بات کی گئی ہے اس میں روایت اور چلن کو اہم سمجھا گیا نہ کہ سہولت کو اردو زبان میں اس کا کیا قاعدہ ہے۔ اس پر بھی بات نہیں کی گئی۔

اسی طرح پچھلے ابواب میں املا کے حوالے سے جو جو مشکلات سامنے آئیں ان کا ایک بڑا سبب ہمیشہ ہونے والی اصطلاحات میں چلن، روایت، پسند ناپسند۔ کو سامنے رکھا گیا ہے روایت سے کٹ کر چلنا چاہے مشکل عمل ہے لیکن اس کو ساتھ گھسیٹنا بھی آسان نہیں۔

لیکن جدید دور اور جدید تقاضوں کے پیش نظر اس میں کبھی اردو املا کی غیر ملکیوں کے حوالے سے اصلاح کرنے کی شاید کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اگر ان مشکلات کو جو ایک غیر ملکی طالب علم کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں اس نظر سے دیکھا جائے تو اردو میں بہت زیادہ آسانیاں پیدا کی جا سکتی ہیں۔

زبان کو پڑھتے ہوئے ہمارے ہاں املا کا چلن کئی طرح سے رہا ہے۔ مثلاً دو مختلف کتابوں میں ایک ہی لفظ کا املا کبھی تائے مدودہ (ۃ) اور کبھی تائے دراز سے لکھا جاتا ہے۔ یا پھر بعض الفاظ کا املا الف سے کبھی ہ سے کیا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر لفظ کو "ء" پر ختم کیا جاتا ہے اور بعض کتابوں میں الف پر ختم ہوتے ہیں۔

مبتدی طالب علم ایشیاء، ایشیا، چائے، چاے، کمرہ، کمرا، اعلیٰ، اعلا، طوطا، توتا، جیسی الجھنوں میں پڑا رہتا ہے۔ یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر ملکیوں اور مبتدیوں کے لیے ترتیب دی جانی والی کتابوں میں ان مشکلات و مسائل کو دور کیا جائے اور خاص ترتیب بنائی جائے پھر قاعدے اور کتاب میں املا کی درستی کا خصوصی اہتمام کیا جائے تاکہ اس طرح کی مشکلات سے بچا جا سکے۔

املا کی تدریس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے راقم جو طریقہ استعمال کرتا ہے اس میں الفاظ کو کچھ

حصوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔

1۔ بے معنی الفاظ / حروف

2۔ با معنی اور سادہ الفاظ

3۔ عمومی یا زیادہ استعمال ہونے والے الفاظ

4۔ مرکب الفاظ کا املا

5۔ الفاظ کا استثنائی املا

6۔ کم استعمال ہونے والے الفاظ

7۔ انگریزی الفاظ کا املا

راقم پڑھنے کی مشق کرانے کے دوران اور پڑھنا سکھاتے ہوئے بہت ابتدائی سطح پر حرف حرف کی تدریس کرواتا رہا ہے۔ یعنی ایسے لفظ جو جملوں میں ربط پیدا کرتے اور زبان کا ڈھانچہ انہی الفاظ اور حروف پر کھڑا ہوتا ہے۔ ان حروف کے مطلب اور مفہوم کی تدریس اور پھر ان کی مشق کرانا سب سے پہلا مرحلہ ہے۔ مثلاً حروف ربط، حروف عطف وغیرہ اور ان کے ساتھ ہی کچھ ایسے الفاظ کا املا سکھایا جاتا ہے کہ جو دو حروف پر مشتمل ہیں تاکہ طالب علم بہت ابتدا میں ہی ایسے حروف اور الفاظ میں نہ الجھے جن کا املا مشکل ہے۔ ان، اس، تب، جب، پر، دل، دن، کب، اس طرح کے متعدد الفاظ کی مشق کے بعد عمومی زور ان حروف پر دیا جاتا تھا جن کا املا تو سادہ ہے لیکن ان کی اصوات زیر تعلیم طالب علم کی مادی زبان میں موجود نہیں۔ مثال کے طور پر چینی طالب علموں کے لیے ر، ڑ، ج وغیرہ کی آواز نکال نہ کرنا پانا اور اس میں غلطی پیدا کرنے کا امکان 80 فیصد سے زیادہ رہتا ہے۔ کیونکہ یہ آوازیں ان کی مادری زبان میں شامل نہیں۔ اور وہ ان کو ادا کرنے یا سیکھنے میں بھی شدید دشواری کا سامنا کرتے ہیں۔

دوسرے مرحلے میں ان الفاظ پر توجہ دی جاتی تھی جن کا استعمال روزمرہ تحریر میں بہت زیادہ ہے۔ یہاں ہم عام طور پر سادہ جملے، جن میں سمتیں، وقت، رشتے، گھر، کمرہ جماعت وغیرہ میں استعمال کی اشیا، کھانے، مشروبات، درخت، پھول، پھل وغیرہ کے نام اور اس طرح کے دوسرے اسما اور ساتھ صفات وغیرہ کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے جلد ہی طالب علم پڑھنے کے قابل ہو جاتے تھے۔

اس سے اگلا مرحلہ کم استعمال والے الفاظ کے املا کی تدریس کا مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں توجہ اس

طرف مرکوز کی جاتی ہے کہ کچھ ضروری الفاظ ایسے جو، عام استعمال میں نہیں آتے لیکن ان کی معلومات، ان کا املا سیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ طالب علم کتاب کے متن سے ہٹ کر بھی سیکھ سکے۔ اور کوئی دوسری کتاب، اخبار یا رسالہ وغیرہ کو پڑھتے ہوئے اس کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس سے اگلا مرحلہ ایسے الفاظ سکھانے کا آتا ہے کہ جن کو تراکیب اور مرکب الفاظ کہا جاتا ہے۔ تراکیب کا معاملہ کافی دلچسپ رہتا ہے اور طالب علم نہ صرف سابقے لاحقے سیکھتے ہیں بلکہ خود سے نئی تراکیب بنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ خاص طور پر مرکب اضافی اور توصیفی سیکھنے میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

تراکیب میں طالب علم سابقے اور لاحقے سیکھتے ہوئے اپنی استعداد کو اس حد تک بڑھا لیتے ہیں کہ وہ اچھی طرح املا کو ذہن نشین کر لیتے ہیں اور کچھ املا کی کئی ہفتوں کی مشق کے بعد الفاظ یا حروف کا املا پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

آخری مرحلے میں جا کر اردو میں مستعمل انگریزی الفاظ کا املا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ جو طلبا کے لیے کافی حیران کن بھی ہوتا ہے۔

اس طرح اردو سیکھنے والے غیر ملکی طلبا میں ایک اور اجنبیت ان مرکبات کی ہوتی ہے، جن میں عام طور پر سابقے یا لاحقے کو ملا کر لکھا جاتا ہے۔ انجمن ترقی اردو کی اصلاحات پہ عمل کرنے والے لوگ مرکبات کو توڑ کر لکھتے ہیں جبکہ اس کے برعکس روایتی انداز میں لکھنے والے مرکبات کو بھی جوڑ کر لکھتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ایک لفظ کا املا دو طرح سے رواج پا گیا ہے۔

انجمن ترقی اردو ادارہ فروغ زبان کی 2022 میں اردو املا کی اصلاحات میں بھی یہی تجویز پیش کی گئی ہے۔ جہاں لکھا ہے: "مرکبات الفاظ اگر بامعنی مفرد الفاظ سے مل کر بنے ہوں تو ان کو توڑ کر لکھنا بہتر ہے تاکہ پڑھنے والوں کو دونوں لفظوں کے الگ الگ معنوں کا ابلاغ ہو سکے۔ اور لفظوں کا اشتقاق بھی معلوم ہو سکے۔"[5] غیر ملکیوں کو اس طرح مرکب الفاظ کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہموطن، خوشدل، شمعدان، دلچسپ، قلمدان، خوبصورت وغیرہ جیسے الفاظ کو اگر الگ الگ کر کے ہم وطن، دل چسپ، خوش دل، شمع دان وغیرہ لکھا جائے تو وطن، دل، شمع وغیرہ عام استعمال کے لفظ ہیں۔ ان کی مدد سے غیر ملکی طالب علم اس بات کی طرف اپنی توجہ کر سکتا ہے کہ معنی کا رخ کس طرف کو موڑا جائے۔ اس طرح سے ابلاغ کی صورت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اور طالب علم کی مشکل کافی حد تک آسان ہو سکتی ہے۔

اسی صورت کی تجویز شفیع احمد صدیقی نے بھی دی ہے کہتے ہیں:"وہ الفاظ جو سابقے اور لاحقے کی مدد سے بنے ہیں۔ انہیں الگ الگ کر کے لکھنا چاہیے۔ کیونکہ اصل لفظ اور سابقے لاحقے کی تراکیب جدا جدا ہوتی ہیں۔"[6]

مندرجہ بالا مراحل سے گزر کر سبقی ڈیزائن تو واضح ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد ایک اور قابل ذکر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کر لینے کے بعد طالب علم کس طرح سے اس سب کو یاد رکھ سکتا ہے اس کے لیے درج ذیل چار مرحلوں سے گزرنے کے بعد غیر ملکی طالب علم ایک بہتر انداز میں املا کو پڑھنا سیکھ سکتا ہے۔

1۔ مشق

2۔ کم الفاظ سیکھنا

3۔ دہرائی

4۔ اعادہ

پڑھنا سیکھتے وقت طالب علم جب الفاظ سیکھ رہے ہوتے ہیں تو سب سے پہلا عمل مشق کرنا ہے۔ جب مختلف اساتذہ سے سوالنامے میں اس حوالے سے سوال کیے گئے تو انہوں نے بھی جس طرف اشارہ کیا وہ سب سے زیادہ مشق پر ہی زور دیتے ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد نے املا کے مسائل پر بات کرتے ہوئے مشق، مشق، مشق تین بار دہراتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ طلبا سب سے زیادہ مشق سے سیکھتے ہیں۔[7] ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا خیال بھی اس سے مختلف نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ لکھنے میں املا کے مسائل کو دور کرنے کے لیے طلبا کو مشق کے طریقے سے گزارا جاتا ہے۔[8]

مشق کروانے کے لیے راقم سب سے پہلے تو املا کو کمپیوٹر سکرین کے ذریعے طلبا پر واضح کرتا ہے اور پھر ان کو اس کو نقل کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد کچھ گھر میں مشق کرنے کے لیے گھر کا کام دیا جاتا ہے۔ اگلی کلاس میں زبانی املا لکھوا کر اس کی مشق کروائی جاتی ہے۔ اس سے ہٹ کر درج ذیل امور پر عمل کرتے ہوئے نئی املا سکھائی جا سکتی ہے۔

کم الفاظ سکھنا:

غیر ملکی طالب علم کو تعلیم دیتے وقت میرے خیال میں جس بات کا سب سے زیادہ خیال رکھنے کی

ضرورت ہوتی ہے وہ ہے اپنی رفتار کو سست رکھنا۔ عام طور پر زیادہ سکھانے کے چکر میں طالب علم کو الجھا دیا جاتا ہے۔ راقم کا تجربہ ہے جتنے کم متن سے اور کم الفاظ سے سیکھا جائے اتنا ہی موثر ہوتا ہے لیکن جتنی زیادہ سرعت سے کام لیا جائے اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔

ایک کلاس میں دس بارہ سے زیادہ نئے الفاظ نہیں سکھانے چاہیں۔ انہیں الفاظ کی مشق کروانی ضروری ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ طلبا ایک دن میں کئی کلاسیں لے رہے ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ کرنے کے لیے بھی انہیں وقت چاہیے اسی طرح اگر کسی کلاس کا کام بہت زیادہ ہے تو طلبا اس پر کم توجہ دیں گے جس کی وجہ سے ان کی استعداد کم ہو جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ الفاظ کی مشق وہ زیادہ بار کر پائیں گے جس کی وجہ سے ذہن نشین ہونے کے امکان زیادہ ہیں۔

دہرائی:

اس سے اگلا مرحلہ دہرائی کرنے کا ہوتا ہے چند کلاسیں لینے کے بعد ایسے متن کا انتخاب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جس میں پہلے سے سیکھے ہوئے الفاظ کو دوبارہ سے پیش کیا جاتا ہے اور طلبا کو بتایا جاتا ہے کہ کون کون سے الفاظ وہ پہلے سے سیکھ چکے ہیں اور اس طرح طلبا کو ایک طرح کا حوصلہ ملتا ہے اور نفسیاتی سطح پر بھی وہ خود کو مطمئن محسوس کرتے ہیں کہ وہ بہت کچھ سیکھ چکے ہیں۔ یہ الفاظ یا متن انہیں آسان محسوس ہوتا ہے۔

اعادہ کرنا:

انسان کا ایک فطری رویہ ہے کہ وہ باتوں اور چیزوں کو بھول جاتا ہے۔ طلبا کے ساتھ بھی یہ عمومی طور پر ہوتا ہے کہ وہ سیکھی ہوئی باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ اس لیے ان کی بار بار یاد دہانی کروانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ جب ڈاکٹر حمیرا اشفاق سے اس حوالے سے سوال پوچھا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ پڑھنے کے مسائل کے حل کے لیے بار بار قرات اور لکھنے کی مشق کروائی جانی چاہیے۔[9] بار بار قرات اور اعادہ کرنا ایسا طریقہ ہے جو پہلے سے سیکھی ہوئی چیزوں کو دوبارہ سے ذہن میں لاتا ہے جس کی بنیاد پر طالب علم دیر تک یاد رکھ سکتے ہیں۔

پڑھنے میں ہجا کے مسائل کے ممکنہ حل:۔

دوسری کئی زبانوں کی طرح اردو کا رسم الخط بھی دوسری زبان کے رسم الخط سے لیا گیا ہے۔ جس میں

ضروری تبدیلیوں کے بعد اردو کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ ابتداء میں اس کے اصول وضع نہیں کیے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ جیسے بولو ویسے لکھو کے اصول پر بھی رہا اور کئی الفاظ ایسے ہیں جن کے لکھنے کے لیے کسی دوسری زبان کا اصول بھی لاگو کر دیا گیا۔ جیسے کہ ترکی کی پیروی کرتے ہوئے اعراب کی بجائے حروف علت کو لفظوں میں شامل کیا جانے لگا۔ جس کا چلن اب تک بھی ہے۔ ان حروف کے تلفظ اور ہیں اور ہجا اور ہیں۔ خاص طور پر ن غنہ کی آواز کا مسئلہ۔ اول تو اس طرح کی آواز والے حروف کا ہجا درست کرنے کی ضرورت ہے اور جس طرح ان الفاظ کی آوازیں تلفظ کی جاتی ہیں۔ مثلاً مہندی، مہنگی اس طرح ان کا درست املا رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف ایسے الفاظ کو جب عمومی کتابوں میں لکھا جاتا ہے۔ تو ان کے جوڑ توڑ حواشی میں لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح بعض الفاظ جیسے پاؤں وغیرہ میں بھی غنائی آواز کا مسئلہ سامنے آتا ہے کہ ان میں "و" کی بجائے الف کی آواز غنائی ہے۔

ہجا کے مسائل میں پہلی اصلاح تو حروف کی ترتیب میں ہونے کی ضرورت ہے جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ جن الفاظ کا ہجا کوئی مشکل پیدا کرے یا اس کا امکان ہو تو اس کے حروف کو جوڑ توڑ سے لکھ دینا چاہیے تاکہ طالب علم ان کی آوازوں اور ترتیب کو دیکھ کر ان سے خود لفظ کو پڑھ پائے۔ اسی طرح کئی لفظوں کا املا کئی مختلف طریقوں سے رائج ہے جس کی وجہ سے ہجا میں بھی وہ مختلف طریقوں سے پڑھا اور لکھا جا رہا ہے۔

غیر ملکیوں کی تدریس جب کی جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہجا کے وہ مسائل اور ان لفظوں کی وہ آوازیں جو متنازعہ ہیں۔ ان کا عمومی چلن استعمال کیا جائے اور لفظوں اور حروف کو اس ترتیب سے بنایا جائے جن کا اس وقت تک رواج چل رہا ہے۔ ایسے الفاظ میں جن کے لکھنے میں حروف کی ترتیب کچھ مختلف بھی رائج ہو چکی ہے ان کو بھی پڑھا دیا جائے جیسے عام تحریر میں لکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ غیر ملکی نو آموز کا مسئلہ صرف زبان سیکھنا ہے نہ کہ املا، ہجا کے مسائل کے حل کی طرف توجہ کرنا۔

علم ہجا سے مراد کسی بھی زبان کے الفاظ کو حروف کی مدد سے لکھنا اور ان کی ترتیب درست رکھنا ہے۔ اردو میں ہجا کے حوالے کم کم ہی کچھ ملتا ہے جہاں پر بھی لکھا گیا ہے اس کو املا کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا جاتا ہے۔ اردو زبان کو حروف تہجی کے بارے میں دو باتیں قابل ذکر ہیں ایک تو اس کا رسم الخط عربی فارسی کی راہ سے ہم تک پہنچا ہے جس کی وجہ سے اس میں کئی حروف غیر ملکی طلبا کے لیے مشکل کا سبب بنتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حروف کے نام اور آوازیں کافی حد تک مختلف ہیں۔

ابتداء میں ہر طالب علم کو حروف کے نام سکھائے جاتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد ان حروف کی مدد سے الفاظ بنانا سیکھا جاتا ہے جو نہ صرف مشکل عمل ہے بلکہ کسی لفظ کے درست ہجا کو یاد رکھنے کی راہ میں بھی دشواری پیدا کرتا ہے۔ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب یہ طے کرنا ہو کہ لفظ کے اصل ہجا کیا ہیں۔

اردو میں سب سے بڑا مسئلہ لفظوں کے درمیان خالی جگہ (Space) نہ ہونے کا ہے جس کی وجہ سے الگ الگ لفظ پڑھنا غیر ملکی کے لیے کافی دشوار ہے مثلاً سویاں / سویاں، لوٹانا / لوٹا۔ نا / گوتم / گو۔ تم وغیرہ ایک طویل فہرست ایسے الفاظ کی ہے۔

اردو دان طبقہ یا جن لوگوں کا زبان میں محاورہ اچھا ہو جائے ان کے لیے اردو پڑھنا مشکل نہ بھی رہے لیکن غیر ملکیوں اور مبتدیوں کے لیے یہ مسئلہ ہمیشہ رہتا ہے کہ وہ کس طرح ان الفاظ میں فرق کریں۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ابتداء میں الفاظ کے درمیان مناسب خالی جگہ (Space) دینے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ طلبا ان الفاظ کو آسانی سے پہچان سکیں کہ کون سا لفظ کہاں ختم ہو رہا ہے اور نیا لفظ کہاں سے شروع ہو رہا ہے۔

تلفظ کے مسائل اسی طرح سے حل ہو سکتے ہیں یا ان میں غلطی کا امکان صرف اسی صورت میں کم ہو سکتا ہے جب ان تمام مراحل کو دیکھا جا سکے جو کسی لفظ کو ادا کرنے میں کسی راہ میں سامنے آتے ہیں۔

کسی لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرنے کے لیے عمومی طور پر درج ذیل مراحل سے گزرتا۔

حروف کی آوازیں: Voice

1۔ مصوت حروف Voiced

2۔ غیر مصوت حروف Voiceless

3۔ حروف کے مقام Place

4۔ سلیقہ صوت Manner

5۔ صفیری آواز Fricatives

6۔ حروف علت Vowels

حروف اور آوازیں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتی حروف کی صوت مشکل اور صورت کی تحریریں شکل والا معاملہ ہے۔

مندرجہ بالا ترتیب سے اگر دیکھا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح ایک لفظ زبان سے ادا ہوتا ہے۔ ان مراحل کو الگ الگ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کسی بھی لفظ کا تلفظ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کی آواز دوسرے حروف سے کس طرح سے مختلف ہو گی۔ اردو میں بہت سے حروف کی آوازیں ایسی ہیں جن کے مخارج یا تو اردو والوں کے پاس نہیں یا پھر ہیں تو وہ ان کو ادا کرنے پر قادر نہیں۔

دوسری طرف ایسے حروف بھی موجود ہیں جن کی آوازیں تو جدا ہیں لیکن ان کے مخارج بہت قریب ہونے کی وجہ سے غیر ملکی طالب علم ان کو سنتے وقت ان میں فرق نہیں کر پاتے۔ اس لیے تلفظ کی تدریس کرتے وقت ان کو نہ صرف ان الفاظ کا صحیح املا دکھایا جائے بلکہ کسی آڈیو وڈیو سنایا جائے تا کہ وہ ان حروف میں فرق سمجھ سکیں۔ اس کے ساتھ ایسے الفاظ کی فہرستیں مہیا کی جائیں جن میں یہ مسائل درپیش ہو سکتے ہیں۔ تا کہ یہ بات ان طلبا کو واضح ہو جائے کہ کہاں کہاں عمومی مشکل پیش آ سکتی ہے۔

دوسرا مسئلہ ان الفاظ میں ہوتا ہے جن میں کئی حروف خاموش ہوتے ہیں۔ خاموش حروف میں ایک تو عام مثال "خ" کے بعد "و" کی ہے کہ عمومی طور پر "و" خاموش ہوتا ہے۔ اسی طرح شمسی اور قمری حروف کی ابتدا میں "ال" کے استعمال کا اختلاف، شہروں کے نام میں پور، پوری میں و کو پیش پڑھنا کی مثالوں میں حروف کا اصل املا اور اس کے ساتھ ال کو پڑھنے کا طریقہ لکھنا ضروری ہے۔ جو حروف آواز پیدا نہیں کر رہے ان کو کس طرح ادا کیا جائے گا یا ادا کرنا ضروری بھی ہے یا نہیں۔

لفظ کے املا میں شامل ایسے حروف جو تلفظ تو ہوتے ہیں لیکن حرکات یا حروف علت کی وجہ سے ان کو آوازیں بدلتی رہتی ہیں ان میں کسی کی نشاندہی کرنا اور ان کے ساتھ بھی تلفظ کا مکتوبی طریقہ استعمال کرتے ہوئے ان کا تلفظ واضح کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ابتدائی سطح پر پڑھنا (Reading) مطالعہ اور تفہیم (Comprehensive Reading) اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی۔ جب تک طالب علم جملے کے تناظر میں لفظ کا معنی نہ سمجھ پائے اور اس طرح معنی کی تفہیم حاصل کرنے کے لیے لفظ کی سمجھ حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔

اس سے اگلا مرحلہ لفظ میں کسی تلفظ میں حروف کا مقام تلفظ ہے کہ کون سی آواز پہلی ادا کرنی ہے اور کون سی بعد میں چونکہ اعراب کا نظام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لیے حروف کی آوازوں میں اتار چڑھاؤ یا ان

کا تلفظ کیا ہو گا اور کہاں ہو گا یہ دیکھنا نہایت ضروری ہو تا ہے۔

اس مقصد کے لیے لفظ کا تلفظ توڑ کر بتایا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ کیونکہ مسلسل آوازوں صرف کرنا انتہائی مشکل امر ہے جس کی وجہ سے نیا سیکھنے والا مشکل کا شکار ہو تا ہے۔

رشید حسن خان نے جیسے بعض الفاظ کو مثال دی ہے کہ مہندی یا مہنگی یا لہنگا وغیرہ جیسے الفاظ میں املا اور تلفظ میں فرق ہونے کی وجہ سے پڑھنے والے کے لیے مشکل ہوتی ہے۔

دوسری طرف عام بول چال کی زبان میں حروف شخصی تلفظ کی وجہ سے یا کبھی کبھی علاقائی تلفظ کی وجہ سے حروف کی آوازیں اپنی جگہ تبدیل کر لیتی ہیں یا پھر ادائیگی میں حروف آوازیں بدل جاتے ہیں۔

اس لیے حروف کی آوازوں کو ان کی اصل جگہ ان کی آواز متن کے ساتھ بتانا ضروری ہو تا ہے۔ اس کے ساتھ غیر ملکی طلبا کو الفاظ کا اختلافی تلفظ بھی ضرور بتانا چاہیے تا کہ وہ اس بات کی طرف توجہ کر سکیں کہ اگر کوئی علاقہ کوئی جگہ کوئی شخص کسی لفظ کو مختلف تلفظ سے ادا کرتا ہے تو اس کو سننے کے بعد وہ اس کو سمجھ سکیں۔

اس سے اگلا مرحلہ حروف کی ادائیگی کا سلیقہ ہے۔ کیونکہ سلیقہ ہی ایسی شے ہے جو ابہام کو دور کرتا ہے۔ اگر لفظ میں حروف کی ادائیگی کا سلیقہ درست نہ ہو گا تو لفظوں میں ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔

راقم کا تجربہ یہ ہے کہ جب تک غیر ملکیوں کے لفظ کو پانے پورے تلفظ اور حروف کے ساتھ علت اور اتار چڑھاؤ کے ساتھ بولا نہ جائے تو وہ لفظوں میں فرق نہیں کر پاتے۔

مثال کے طور پر شہر، شعر اور شیئر میں فرق کو نہیں سمجھ پاتے اور، اُور میں فرق نہیں کر پاتے کیونکہ ہمارے ہاں عمومی طور پر فرق نہیں کرتے جس کی وجہ سے غیر ملکی طالب علم الجھ جاتے ہیں۔ حروف کی ادائیگی کا سلیقہ درست سیکھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یا تو استاد خود یا پھر کسی ایسے شخص سے جس کی آواز بہت واضح ہو ریکارڈ بنوانے اور بار بار سننے کو دے تا کہ طلبا مشق سے سیکھ سکیں۔

حروف علت کو بات کرنے سے پہلے ایک بات اور ضروری ہے کہ اردو حروف علت چونکہ دوہری حیثیت رکھتے ہیں۔ تو ان میں غیر ملکی طلبا عمومی طور پر فرق کرنے میں مشکلات ہوتی ہیں۔

جبکہ دوسری طرف نون غنہ کا استعمال ہے۔ نون غنہ کے استعمال میں سب سے بڑی الجھن اس وقت پیدا ہوتی ہے جب غنہ دو حروف کے درمیان کرتا ہے۔ اردو میں اس غنہ کو ظاہر کرنے کی علامت موجود ہے۔ اس لیے غیر ملکیوں کا سلیبس مرتب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس علامت سے استعمال کیا جائے تا کہ

پہچان آسان ہو سکے۔

اسی طرح حروف علت کا معاملہ ہے کہ کبھی یہ اعراب سے ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی یہ حروف کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ اسی طرح حروف کی آوازیں کبھی مصروف ہیں تو کبھی مجہول اور طالب علم کی الجھن کو دور کرنے کے لیے دو طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ لفظ کا تلفظ بتانے کے لیے اس کو مکتوبی طریقہ تلفظ بتایا جائے۔ اس کے بعد اگر ممکن ہو کمپیوٹر کی سلائیڈ بناتے ہوئے ان حروف کا رنگ تبدیل کر دینا بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ ان حروف علت کو پڑھنا اور درست تلفظ سے ادا کرنا بہت ضروری ہے۔

طالب علم بیشتر زبانوں میں علت کے سبب غلطی کرتے ہیں لیکن اردو زبان کا املا اور تلفظ میں علت کی بجائے حروف صحیح دھوکہ دیتے ہیں۔

نقطوں کے مسائل کے ممکنہ حل:۔

اردو رسم الخط کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ شارٹ ہینڈ کی صورت کا رسم الخط ہے۔ اس لیے جب کسی بھی لفظ میں حروف کو شامل کیا جاتا ہے تو حروف اپنی مکمل اور اصل صورت کھو دیتے ہیں۔ بہت کم حروف ایسے ہیں جن کی اصل شکل بر قرار رہتی ہے۔ لہٰذا لفظوں میں حروف کی پہچان نقطوں کی تعداد اور مقام سے ہوتی ہے۔ کیونکہ بعض حروف کے نقطوں کی تعداد مختلف ہے اور بعض کے نقطوں کے مقام الگ۔

دوسری طرف جب کسی لفظ میں حروف آتے جاتے ہیں تو ان میں لفظوں کی ترتیب بھی معنی رکھتی ہے۔ جیسے ب، پ، ت، ج، چ، ز، ژ وغیرہ میں نقطوں کی مختلف ہے۔ لیکن ب، ن، ت، پ اور ش وغیرہ نقطوں کے مقام مختلف ہیں غیر ملکی نو آموز کے لیے پڑھنے میں سب سے زیادہ مشکل اسی وجہ سے آتی ہے کیونکہ وہ بار بار بھول جاتے ہیں کہ گویا ایک ہی شکل کے مختلف الفاظ کس طرح مختلف آوازیں پیدا کر سکتے ہیں۔

ان مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے اس حوالے سے کئی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ جیسے کہ سب سے پہلے حروف کی شکلیں یاد کرواتے ہوئے ان کو حروف اس کی آواز اور اس کے ساتھ نقطوں کی تعداد اور پھر ان کا مقام چاروں چیزیں یاد کروائی جائیں۔ دوسرے مرحلے پر حروف کی مکمل شکلوں کے بعد صرف پہچان مسئلہ ہی رہ جاتا ہے۔ اس لیے نقطوں کی تعداد اور مقام کے ساتھ بار بار مشق کرائی جائے۔

تیسرے مرحلے میں ایسے دو حرفی اور سہہ حرفی الفاظ کا انتخاب کیا جائے جن میں طالب علم کے دھوکہ کھانے کا احتمال ہو۔ جیسے کہ پانی، ثانی، بجے، بچے، جرم، حرم، چرم، نہر، شہر، ثمر، ہم، تم، خال، جال، خبر، جبر،

بس، نس، حمل، جمل وغیرہ اس طرح سے طالب علم نہ صرف نقطوں کی اہمیت سے واقف ہو گا بلکہ ان کے مقام اور ان کی تعداد سے بھی باخبر ہو گا۔

اس کے بعد کا مرحلہ نقطوں کی ترتیب کا ہے۔ جن الفاظ میں حروف زیادہ ہیں۔ ہر شوشے کے اپنے نقطے ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات یہ اوپر نیچے ہوتے ہیں۔ اس لیے پڑھنے اور سمجھنے میں مشکل محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ بنی اور نبی میں فرق کرنا کافی مشکل ہے۔ کیونکہ ایک میں ن پہلے ہے اور دوسرے میں ب پہلے اسی طرح کے بیسوں الفاظ ایسے ہیں جن میں ایسی مشکلات ہیں۔ جس کے حل کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس بھی لفظ میں غلطی کا امکان پیدا ہو اس کو نستعلیق کی بجائے نسخ میں لکھا جائے کیونکہ نسخ میں لفظ اور حرف الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہاں پر ان کی پہچان کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس طرح ان کو الفاظ میں حروف کی ترتیب سمجھ آنے لگے گی۔ اور ساتھ ہی نستعلیق میں بھی لکھے ہوئے لفظ کو دیکھ کر ان کو اسی خط میں پڑھنا آسان ہو گا۔

حروف کا ایک جوڑا ایسا بھی ہے جس میں غیر ملکی طالب علم خاص پر الجھ جاتا ہے۔ یعنی ث، ش کے نقطوں کی تعداد اور مقام ایک جیسے ہیں۔ فرق صرف شوشوں کا ہے اور ش کی آدھی شکل میں عمومی طور پر دو شوشے بنائے جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان حروف کی پہچان الگ سے کروائی جائے اور ش کو لکھتے وقت کشیدہ رسم الخط استعمال نہ کیا جائے۔ تاکہ شوشے ظاہر ہوتے رہیں اور طالب علم ان کو دیکھ کر مشکل میں مبتلا نہ ہو۔

ب۔ اردو تدریس لکھنے کے مسائل کے ممکنہ حل:۔

اردو تدریس میں جس طرح پڑھنے کے حوالے سے طلبا کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اس طرح لکھنے کی مشکلات بھی مسلم ہیں۔ ان مشکلات کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ تحریر کی مشکلات

2۔ انشا پردازی کی مشکلات

تحریر کی مشکلات سے مراد ایسی مشکلات ہیں کہ جن حروف کی شکلیں بناتے حروف لکھنے، الفاظ میں ان کی ترتیب، رسم الخط کے مسائل اور ایک ہی لفظ کے ایک سے زیادہ املا ہونے کی وجہ سے اصل لفظ لکھنے تک

میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

جبکہ انشا پردازی میں ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کو ہم عام طور پر جملہ سازی، الفاظ میں ربط پیدا کرنا اور پھر جملوں اور لفظوں کی آپسی ترتیب بنانا وغیرہ جیسے مسائل کو حل کرنا ہوتا ہے۔

املا کے مسائل کے ممکنہ حل:۔

اردو پڑھنے میں املا کے مسائل ایسے ہیں جو بنیادی طور پر حروف کی قریب کی آوازوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ یا پھر ایسے الفاظ میں مسئلہ ہوتا ہے جن کی شکلیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ نقطوں کی تعداد مختلف ہوتی ہے یا پھر ہجا مختلف ہوتے ہیں۔ وہ لفظ دیکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں جبکہ پڑھنے میں مختلف ہوتے ہیں۔

غیر ملکیوں کو پڑھنا سکھاتے ہوئے سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایسے الفاظ کا استعمال کم سے کم کیا جائے جن کا املا کم استعمال ہوتا ہے یا پھر متروک ہو چکا ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ صرف اس طالب علم کا مسئلہ ہیں جس نے کلاسیک ادب پڑھنا ہے یا ایسا ادبی متن پڑھنا ہے جو متروک ہو چکا ہے۔ لیکن اگر کسی طالب علم کی ضرورت ایسا متن نہیں تو اس کو ان الجھنوں میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوسری طرف اگر ایسے طالب علم سامنے آتے ہیں جنہوں نے ایسے الفاظ کی فہرست بنا رکھی ہے تو ضروری ہے کہ ان طلبا کو اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ زبان کو اس زاویے سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بعض الفاظ اور املا اب متروک ہو چکے۔

لیکن عمومی طلبا کو رائج املا سکھانے اور پڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ماہرین کی آراء میں عربی فارسی ہندی الفاظ کے املا میں کئی طرح کی مشکلات سامنے آتی ہیں کہ عربی الفاظ میں کون سے حروف کا استعمال کیا جائے گا اور فارسی حروف کا املا کیا ہو گا۔ ایسے طلبا جن کے لیے اردو ایک غیر ملکی زبان ہے ان کے سامنے دوسرے کئی غیر ملکی زبانوں یعنی عربی فارسی، ہندی، پنجابی وغیرہ کے الفاظ رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔

لہٰذا ان الجھنوں سے بچانے کے لیے طلبا کو ابتدا میں ہی بتا دینا بہتر رہے گا کہ ان پر واضح کر دیا جائے کہ اردو میں الف اور ہائے مدور کی آوازیں ایک ہی جیسی ہیں۔ اس لیے اکثر الفاظ کے اختتام پر ان حروف کا اشتباہ پایا جاتا ہے کہ وہ کون سا حرف استعمال ہو گا۔ لہٰذا اگر کوئی لفظ کہیں الف پر اور کہیں ہائے مدّور پر ختم ہو تو ان الفاظ کو ایک ہی سمجھا جائے اور ان میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔

تیسری صورت میں جب تراکیب سکھائی جائیں تو اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ اردو میں

حروف کو آپس میں ملا کر ان کی آدھی شکلیں استعمال کر کے دو لفظوں کو آپس میں ملایا جاتا ہے۔ اس لیے اردو میں چوں کہ، کیوں کہ، کیوں کر، وغیرہ بالترتیب چونکہ، کیونکہ وغیرہ دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے۔ اس طرح اگر ان الفاظ یا ان جیسے الفاظ کا کوئی سا بھی املا ملے تو اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس صورت میں ان مشکلات سے بچا جا سکتا ہے۔

لیکن ایک بات ضروری ہے کہ جب غیر ملکی طلبا کا نصاب اور متن منتخب کیا جائے تو اس میں یکساں املا استعمال کیا جائے تا کہ جب بار بار وہ ان الفاظ کو دیکھیں تو کم از کم ابتدا میں الجھن کا شکار نہ ہوں۔ ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ غیر ملکیوں کو سکھاتے وقت املا کے جدید اور معیاری اصولوں کو مد نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ قدیم اور جدید املا کی الجھنوں میں طلبا ہمیشہ مشکلات کا سامنا کریں گے۔

رسم الخط کے مسائل کے ممکنہ حل:۔

جہاں تک رسم الخط کے مسائل کا معاملہ ہے یہ کئی طرح سے سامنے آتے ہیں۔ ایک تو یہ بحث ہے کہ کیا نستعلیق موزوں ہے یا نسخ بہتر ہے۔ لیکن دوسری طرف رسم الخط میں حروف کی شکلیں تبدیل کرنے کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

جہاں تک نسخ اور نستعلیق کی بحث ہے اس میں اکثر ماہرین کا خیال ہے کہ نسخ سے ابتدا کی جائے تو طالب علم سیکھنے میں سہولت محسوس کرتا ہے۔ اس بات میں ہرج بھی نہیں اور سہولت بھی ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نسخ میں حروف کو ایک سیدھے خط میں لکھا جاتا ہے جس سے ہر حروف الگ الگ نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ ہی شوشے نقطے پہچاننے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔

لیکن اس بات میں یہ امر مانع ہے کہ طالب علم ہر جگہ اور ہر طرف نستعلیق ہی پڑھتا اور دیکھتا ہے اور اس کو اپنی عمر اسی رسم الخط کے ساتھ گزارنی ہے تو کیوں نہ ابتدا سے ہی اسے وہ خط سکھایا جائے جس میں ابتدا میں تو اس کو مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن بالآخر وہ اس خط کو پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور آئندہ تحریر اور قرات میں سہولت محسوس کرے گا۔

راقم کا تجربہ یہ ہے کہ اگر پڑھنے کے لیے نستعلیق جب کہ وضاحت کے لیے نسخ کا استعمال کیا جائے تو سکھانے میں آسانی رہتی ہے کہ جس لفظ کا املا اور ہجا واضح کرنے کی ضرورت ہو اس کو نسخ میں لکھ کر واضح کیا جا سکتا ہے۔

ب کے مسائل کا حل:۔

ایسے حروف جو "ب" کی سی شکل کے ہیں ان سب کی آدھی شکلیں ایک جیسی ہیں اور حروف کے جوڑ توڑ کے دوران ان کی آدھی اور پوری شکلیں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ ان کی تدریس کے دوران سب سے زیادہ مشکل آتی ہے کیونکہ ہر حرف ایک شوشے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اس مشکل سے بچنے کے لیے راقم کا تجربہ یہ رہا ہے کہ ایسے حروف کی ابتدائی مشق، نسخ میں لکھ کر کروائی جائے اور ہر حرف کا شوشہ تختہ سیاہ پر بنایا جائے اور اس میں وقفہ دے کر دوسرے حرف کا شوشہ بنایا جائے۔ اس طرح سے اس کے نقطے بھی الگ الگ لگائے جائیں کچھ ہی دن کی اس کی مشق سے طلبا اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ ان حروف کی شکلیں اور نقطوں کے مقام اور تعداد سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد جب وہ نستعلیق میں بھی ان کو دیکھتے ہیں تو انہیں پڑھنے میں مشکل محسوس نہیں کرتے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ ایسے حروف اپنے مقام اور دوسرے حروف سے اتصال کی صورت میں کئی کئی شکلیں بدلتے ہیں۔ یعنی ب کا پ، س، ج، د، ر کے ساتھ جوڑ الگ الگ ہے اور اسی طرح اگر یہ کہیں پر درمیانی صورت میں آتی ہے تو اس کا جوڑ مختلف ہوتا ہے۔ یہی حال بالترتیب ب،، ت، ٹ اور ث وغیرہ کا بھی ہے۔

اس صورتِ حال میں عمومی طور پر طلبا زیادہ مشکل صرف بنیادی سطح پر ہی محسوس کرتے ہیں جب ان کا محاورہ لفظوں کی پہچان سے حروف کی آوازیں پہچاننے کا ہو جاتا ہے تو وہ اس مشکل پر جلد ہی قابو پا لیتے ہیں البتہ ابتدا میں ان کو بار بار کی مشق اور استاد کی راہنمائی سے اس قابل بنا لیا جاتا ہے کہ وہ حروف میں نقطوں کی مدد سے ہی حروف پہچان پائیں۔

ر، د میں مشکل کا حل:۔

ر اور د میں آپس میں بہت سی اشتباہ پائے جاتے ہیں۔ ر اور د اور اسی قبیلے کے دوسرے حروف یعنی، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ژ، ز وغیرہ جیسے حروف کا وصل ما قبل ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے حروف ابتداء میں تو آتے نہیں بلکہ الگ ہو کر اپنی شکل بر قرار رکھتے ہیں۔ البتہ اس سے قبل ملنے والے حروف ان کی شکلوں کو اختیار کر لیتے ہیں۔

ب اور اس قبیل کے حروف جب د سے ملتے ہیں تو اس کا زاویہ قائم ہو جاتا ہے اور یہ ر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بہتر میں لفظ میں بر میں ر کا اتصال ہے۔

اس مسئلے کے حل کے لیے راقم اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ د اور اس کے قبیل کے حروف کے کا مقام

اتصال جڑ ہے یعنی جس مقام پر حرف میں زاویہ پیدا ہوتا ہے وہاں اس کے ساتھ دوسرے حروف ملتے ہیں۔

جبکہ "ر" اور اس کے قبیل کے دوہرے حروف کا مقام اتصال ان حروف کا اوپر والا سرا ہے جہاں سے یہ دوسرے حروف کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس وضاحت سے دوسرے کئی حروف کا نظام اتصال وہ خود ہی سمجھ جاتے ہیں اور کچھ بنیادی مشق کے بعد ہی اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اس قسم کی مشکلات پر قابو پا لیتے ہیں۔

یائے معروف اور مجہول کے مسائل کا حل:۔

معروف اور مجہول کے مسائل غیر ملکی کے ساتھ ساتھ مقامی طلبا کو بھی درپیش رہتے ہیں۔ لیکن غیر ملکی طلبا ان مسائل کو آسانی سے حل نہیں کر پاتے۔

یائے معروف اور مجہول کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ راقم نے جب ملک سے باہر تدریس شروع کی تو اس وقت تک وہ طلبا کچھ ابتدا زبان سیکھ چکے تھے۔ تیسرے سال کے طلبا کے سامنے جب میں نے "کیا کیا" ایک ساتھ بولا تو حیران ہوئے کہ کیسے الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کو کَیا اور کِیا میں فرق معلوم ہی نہیں تھا۔

راقم نے اس کے بعد ہمیشہ املا لکھتے وقت اعراب کا استعمال کیا جبکہ دوسری طرف جب بھی پڑھانے کی ضرورت پیش آتی تو آواز کو بول کر سکھایا جاتا اور حروف کو الگ الگ کر کے بھی سکھایا جاتا کہ وہ ان مشکلات سے ممکنہ بچ پائیں۔

اردو کو بطور غیر ملکی زبان سیکھنے میں سب سے زیادہ درپیش مشکل ہکاری یا ہائیہ آوازوں کی ادائیگی ہے۔ راقم نے جب مختلف لسانی پس منظر کے طلبا سے بات کی یا ان کی تدریس کے دوران مشاہدہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ طلبا جب ایک ہی حروف کو سادہ بولتے اور پڑھتے ہیں تو وہ زیادہ مشکل محسوس نہیں کرتے جب کہ وہ حروف جن کی ہکاری آوازیں بھی موجود ہیں ان کو طلبا کی اکثریت غیر ہکاری آوازوں سے ادا کرتے ہیں۔ اس میں اکثر تو اس وجہ سے ایسا کرتے ہیں کہ ان کی مادری زبانوں میں ہکاری آوازیں نہیں ہوتیں۔ یا اگر کسی زبان میں چند آوازیں ایسی ہیں بھی تو وہ اتنی زیادہ نہیں اور اس قدر بھاری بھی نہیں جتنی اردو میں ادا ہوتی ہیں۔

اس طرح ہندی آوازوں والے دوسرے حروف جن کے اوپر چھوٹا "ط" آتا ہے۔ مثلاً ٹ، ڈ، ڑ ان کی ادائیگی میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً انگریزی پس منظر والے طلبا ٹ کی آواز تو ادا کر لیتے ہیں لیکن ڈ، ڑ کی آوازوں کو آپس میں ملا دیتے ہیں۔

اسی طرح چینی پس منظر والے کے لیے "ر" "ڑ" اور "ج" کی آواز کو بولنا انتہائی مشکل ہے۔ چینی حروف آوازوں میں "ر" کی آواز موجود ہے لہٰذا چینی طلبا کسی لفظ میں درمیانی حرف کے طور پر تو اس کی آواز ادا کر لیتے ہیں۔ لیکن کسی بھی لفظ کی ابتدائی یا آخری آواز اگر رہے تو اس کی ادائیگی ان کے لیے ناممکن حد تک مشکل ہو جاتی ہے۔

عربی پس منظر والوں کے لیے فارسی اور ہندی دونوں زبانوں کے حروف بولنا آسان نہیں مثلاً گ کو، کبھی ع سے اور کبھی ج سے ملا دیتے ہیں۔

ہکار یا آوازوں کا مسئلہ معکوسی آوازوں (Reflex) سے پیدا ہوتا ہے۔ غیر ملکیوں کو بہت زیادہ مشق کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات ایک مدت کی مشق کے بعد بھی اس پر مکمل عبور حاصل نہیں کر پاتے۔

اسی طرح مصوتوں کی ادائیگی کا مسئلہ الگ ہے کہ اردو کے تین مختصر مصوتے اور تین طویل مصوتے ہیں۔ یہ طویل مصوتے کبھی حرف صحیح کی آواز پیدا کرتے ہیں اور کبھی یہ مصوتے کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ جن کا اظہار حرف اور اعراب کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ جبکہ اردو رسم الخط میں اعراب لگانے کا رواج بہت کم ہے۔ جس کی وجہ سے غیر ملکی طالب علم ان آوازوں میں الجھ جاتا ہے۔ لہٰذا جب طلبا کی مادری زبان مختلف ہوتی ہے تو ان مصوتوں کی ادائیگی بھی بہت مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ مثلاً عربی پس منظر کے طلبا کے لیے اعراب کی ادائیگی بہت آسان ہے۔ لہٰذا جس قدر آسانی سے عربی طلبا حروف کی اعراب کے ساتھ قرات کر سکتے ہیں، اکثر اوقات تو ان کو سکھانے والا پاکستانی استاد بھی اس قدر اچھی قرات نہیں کر سکتا۔ اس کی بنیادی وجہ ان کی زبان میں اعراب کی موجودگی اور تلفظ کرنے کی مشق بہت زیادہ ہے۔

جبکہ چینی پس منظر رکھنے والے طلبا کے ہاں مسائل اس سے قدرے مختلف ہیں۔ چینی زبان میں ایک ہی حروف کو مختلف جگہوں پر چار مختلف آوازوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ جس کو Tons کہتے ہیں۔ لیکن وہ آوازیں اردو زبر سے مطابقت رکھتی ہیں یا مد جیسی ہیں یا ساکن حروف کی آواز سے مشابہہ ہے۔ جس کی بنا پر وہ حروف کی مفتوح اور مکسور آوازیں نکالنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں اور اس پر کبھی آواز کو معروف اور کبھی مجہول بنا دیتے ہیں۔ یا پھر بعض اوقات ان میں فرق نہیں کر پاتے۔

انگریزی پس منظر کے طلبا کو مشکل "ا" کی مجہول آوازوں میں پیش آتی ہے۔ کیونکہ انگریزی میں او، اے کے مقابل کوئی آواز موجود نہیں۔ اس لیے وہ عام طور پر اے کو آئی، اور او کو آؤ کی طرح ادا کرتے

ہیں۔ اس طرح وہ لفظوں کو تلفظ کرتے ہوئے ان کی آوازیں تبدیل کر دیتے ہیں۔ مثلاً موج، ماؤج، حوض کو حاؤض کی طرح ادا کرتے ہیں۔

مصوتوں کی یہ الجھن ایسی ہے جس کی اصلاح کے لیے اردو میں اعراب کا چلن تھا۔ لیکن جدید دور میں آکر جب سے کمپیوٹر کمپوزنگ کا عمل شروع ہوا۔ اب اعراب آہستہ آہستہ ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے طلبا مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔

عمومی طور پر زبانوں میں گنتی بہت سادہ ہوتی ہے ایک سے دس تک اور پھر تیس، بیس، چالیس وغیرہ یعنی ہر ہندسے کے لیے الگ سے لفظ موجود ہے باقی ہندسے آگے پھر ایک دو تین ہی دہرائے جاتے ہیں۔ جیسے انگریزی میں ہے اسی طرح چینی، فارسی وغیرہ بھی اسی طرز پر گنتی موجود ہے۔ جبکہ اردو گنتی ایک سے لے کر سو تک ہر ہندسے کے لیے الگ سے نام ہیں۔ یعنی طالب علم کو ایک سو الفاظ یاد کرنے پڑتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اکثر طلبا گنتی میں چوک جاتے ہیں۔

اسی طرح جملے کی ساخت پر اگر بات کی جائے تو اردو جملے کی ساخت بہت سادہ نہیں۔ انگریزی میں جملے کے عمومی طور پر تین حصے ہوتے ہیں۔ یعنی فعل، فاعل اور مفعول وغیرہ ان میں کچھ حروف کا استعمال کر کے زمانے کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ جبکہ اردو جملے میں ایسا نہیں ہوتا وہاں افعال کے ساتھ امداد افعال آتے ہیں جو کوئی خاص معنی نہیں دے رہے ہوتے۔

ج۔ جدید دور میں غیر ملکیوں کی تدریس کے معاون ذرائع:۔

اکیسویں صدی میں ٹیکنالوجی نے ہر علم کو ایک نئے جہان سے متعارف کرایا ہے۔ جہاں روایتی طریقوں کو چھوڑ کر جدید یا ماڈرن طریقے رائج ہو رہے ہیں، سائنس کی دنیا ہو، سماجی سائنس کی دنیا ہو، ہر جگہ ایک انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ وہ زمانہ بہت پرانا ہو گیا جب نباض مریض کی نبض چھو کر دوا دیا کرتے تھے۔ اور اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے سے زیادہ فیض حاصل کرنے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ آج کی اس دنیا میں جدید سائنس مرض کی پرکھ بھی مشین سے کرتی ہے۔ اور استاد کی جگہ بھی مشینیں لے رہی ہیں۔ زبان سکھانے کے جہاں نئے نئے طریقے سامنے آرہے ہیں۔ وہاں ان سے متعلق بہت زیادہ سائنسی بنیادوں پر ان کی تدریس کے آلات بھی مارکیٹ میں آچکے ہیں۔ یہ ایسے آلات ہیں جو اساتذہ کی محنت کو آدھا کر دیتے ہیں۔ اس جدید دور

میں جہاں ہر کام کمپیوٹر سے کیا جارہا ہے وہاں سمعی اور بصری مواد کی دستیابی نے بھی زبان کی تدریس کے حوالے سے سہولت اور آسانی پیدا کر دی ہے۔

یہ آلات نہ صرف طلبا کے لیے سہولت کا سامان پیدا کرتے ہیں بلکہ ان کی موجودگی میں متحرک تصویریں، آوازیں، رنگ، خیالات اور علامات کو اس آسانی سے واضح کر دیتے ہیں کہ طلبا کی دلچسپی نہ صرف بڑھ جاتی ہے بلکہ طلبا کے لیے زندگی کے پوشیدہ پہلو بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

بصری مواد:۔

بصری مواد میں Audio Aid پہلے کمرہ جماعت کو مختلف طریقے کے نقشوں سے سجایا جاتا تھا۔ جن پر رنگ برنگ تصاویر اور ماحول، علامات ظاہر کی جاتی تھیں جو طلبا کی عادت کا حصہ بن جاتی تھیں اور طلبا مسلسل ان کو دیکھتے رہتے تھے۔ اور لاشعوری طور پر وہ اس سب سے سیکھتے جاتے تھے۔ لیکن اب کے دور میں یہ صورت ایک درجہ آگے بڑھ گئی ہے۔ اور کمپیوٹر میں موجود مختلف سافٹ ویر کے ذریعے استاد اپنے مواد کو بھی متحرک اور رنگین تصاویر سے ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر استاد کو رنگوں کے متعلق سکھانا ہے اور اس کے ساتھ ہی پھول کی مختلف اقسام اور کلی، پھول، پنکھڑی، پتی، ٹہنی وغیرہ میں فرق بتانا ہے تو وہ اس سب کی تصاویر کی سلائیڈز بناتا ہے۔ اس پر مختلف رنگ اور پھول کے مختلف اجزا اور ان کی اقسام وغیرہ کے نام ظاہر کرتا ہے تو یہ سب مل کر ایک بصری اظہار بن جاتا ہے۔ یہاں پر استاد کے پاس زبانی وضاحت کرنے، ان اشیا کے ناموں اور اقسام کو دہرانے اور باریک سے، باریک فرق ظاہر کرنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ اس طریقے میں اگر استاد براہ راست طریقے سے بھی تدریس کرے تو اس کو مشکل پیش نہیں آتی۔ بلکہ جب وہ تصویر دکھائے گا اور ساتھ نام بولے گا، لکھا ہوا دکھادے گا تو طلبا فوراً اس کو ذہن نشین کر لیں گے۔

سمعی مواد:۔ (Video Aide)

ایک وقت تک استاد خود بول بول کر پڑھاتے تھے اور بلند آواز میں اسباق کو دہرایا جاتا تھا۔ طلبا اس کے پیچھے پیچھے دہراتے تھے۔ اور یوں چند بار کی مشق کے بعد طلبا کسی حد تک اس کو ذہن نشین کر لیتے تھے۔ جدید وقت میں سب کچھ تبدیل ہوا تو ریڈیو، کیسٹ ریکارڈ، اور ٹیلی ویژن پر موجود خبروں وغیرہ نے اس سلسلے میں طلبا کے لیے کچھ سہولت پیدا کر دی۔ اب وہ نہ صرف کلاس میں بلکہ اس کے باہر بھی کچھ نہ کچھ مواد حاصل کر لیتے تھے۔ جدید دور میں اس ٹیکنالوجی نے بالکل مختلف شکل اختیار کر لی کہ طلبا اساتذہ کے لیکچر کو سننے کے

ساتھ ساتھ ریکارڈ بھی کر سکتے ہیں۔ اور گھر جا کر اس کو دہرا بھی سکتے ہیں۔ اسی طرح نہ صرف سمعی مواد دستیاب ہے بلکہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اساتذہ اسباق کی ریکارڈنگ پہلے سے تیار رکھتے ہیں اور یہ ریکارڈنگ اپنی سہولت کے مطابق اپنے کمپیوٹر، لیپ ٹاپ یا پھر موبائل فون میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ اور گھر کے کام میں جب وہ دہرائی کر رہے ہوتے ہیں تو اس مواد کو دوبارہ سے سن اور دیکھ لیتے ہیں جس طرح سے وہ کمرہ جماعت میں اس کو سیکھ کر آئے ہوتے ہیں۔

سمعی اور بصری مواد:۔ Audio Video Aide

سمعی اور بصری مواد کی الگ الگ اہمیت مسلم ہے۔ اور طلبا اس کو سیکھنے میں مکمل مدد حاصل کرتے ہیں۔ نہ صرف اس سے اپنے لیے سہولت اور آسانی محسوس کرتے ہیں بلکہ گھر کے کام میں یا مشق کرتے وقت ان سے مدد لیتے ہوئے غلطی کے امکان کو کم سے کم کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں چیز الگ الگ اپنی اہمیت رکھنے کے باوجود بعض اوقات کسی مشکل کو حل کرنے میں ناکام نظر آتی ہیں۔

اس کے برعکس سمعی اور بصری مواد اس مسئلے کا حل نکالتا ہے۔ اس کی ابتدائی شکل تو ڈراموں یا پھر کسی ڈاکومینٹری کی شکل میں موجود تھی۔ جہاں پر کوئی عمل ہو رہا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ایک آواز اس عمل کی اس جگہ کی یا پھر صورتِ حال کی وضاحت کرتی جاتی ہے۔

اب اس سے آگے کی صورت یہ ہے کہ کارٹون یا پھر اینی میشن کی صورت میں مواد دستیاب بھی ہے اور خود سے تیار بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک طرف تو کچھ کارٹون حرکات کر رہے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی اس مخصوص موضوع کے بارے میں گفتگو کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک کارٹون دوسرے کو حکم دیتا ہے دوسرا اس کی تعمیل کرتا ہے اور اس طرح یہ سب مل کر ایک مخصوص کیفیت یا صورت حال پیدا کرتے ہیں۔ جس میں طلبا آوازیں سن لیتے ہیں۔ اور تصاویر یا متحرک کارٹون دیکھ لیتے ہیں۔ جس سے دونوں صورتیں ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے جو غیر ملکیوں کو زبان سکھانے کے حوالے سے اپنایا جاتا ہے کہ حقیقی انسان مختلف کرداروں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اور جس طرح کی گفتگو مقصود ہو اس طرح کی جگہ پر چلے جاتے ہیں اور وہاں ریکارڈنگ کرتے ہیں۔ یہ مواد طلبا کو بہت سہولت فراہم کرتا ہے۔

اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے آوازیں بہت واضح اور صاف اور تلفظ اور ادائیگی کے

لیے اہل زبان کا انتخاب کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ سہولت بھی دستیاب ہوتی ہے کہ سکرین کے نیچے مکالمے لکھ کر بھی دکھائے جاسکتے ہیں۔

بولنے والی لغات:۔ Talking Dictionary

روایتی لغت کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں الفاظ کو ان کی الف بائی ترتیب سے لکھا جاتا تھا اور جہاں پر لفظوں کی درست ادائی کے لیے کہیں لفظوں کو توڑ کر کہیں اعراب لگا کر اور کہیں ہجا کی مدد سے تلفظ واضح کیے جاتے تھے۔ جدید دور میں آکر لغات میں کچھ تصاویر بھی شامل کر دی جاتی تھیں۔

ٹیکنالوجی نے اس میں جدت پیدا کی اور اب بولنے والی لغات دستیاب ہیں۔ جن میں جب طلبا کسی لفظ کا انتخاب کرتے ہیں تو لغت میں اس کا معنی لکھا ہے۔ اس کی ایک وضاحت دی گئی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ضرورت کے تحت کوئی تصویر دی جاتی ہے اور ایک بٹن دبانے سے اس لفظ انسانی آواز میں ادا بھی کیا جاتا ہے۔ جس کو سن کر تلفظ کو یاد کرنے ہیں بہت آسانی ہوتی۔ لفظوں کا املا، حرفوں کی آواز اور حروف علت کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا ذرائع غیر ملکی طلبا کے لیے بہت زیادہ سود مند ثابت ہوتے ہیں۔ اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے سے طلبا ان کی رنگا رنگی کی وجہ سے ان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ طلبا کو شخصی مطالعہ کرتے بار بار ان سے مدد ملتی ہے۔ جس کی وجہ سے غلطی کے امکانات کم سے کم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک بار غلط یاد ہو جانے والا لفظ طلبا کی یاد داشت کا حصہ بن جاتا ہے اور بعد میں اس کی اصلاح کرنے میں بہت دقت ہوتی ہے۔

کمرہ جماعت میں استعمال ہونے والے ذرائع میں تختہ سیاہ، رنگین چارٹ کچھ زبان دانی کے اصول چند مخصوص تصاویر جیسے رموزِ اوقاف وغیرہ اردو گنتی جغرافیائی حدود وغیرہ کو آویزاں کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ بہت ابتدائی سطح کے طلبا کے لیے حروف تہجی والا چارٹ بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اردو زبان غیر ملکی طلبا کو سکھائی جاتی ہے تو اس میں ابتدائی سطح پر تو بہت سا کام صرف زبان اور زبان دانی کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس میں زبان کے ساتھ اردو ادب سکھایا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا طریقے ادب کی تدریس کے لیے بھی بہت مفید ہوتے ہیں۔ اردو کے مشہور ادب پارے جن کو عمومی طور پر نصاب کا حصہ بنایا جاتا ہے ان پر ڈرامے موجود ہیں۔ اور بہت سی نظمیں اور غزلیں گائی گئی

ہیں یا پھر ان پر کسی نہ کسی طرح اداکاری موجود ہے۔ اس کے علاوہ متعدد کتابوں کی پڑھت یا آڈیو بھی دستیاب ہیں۔ جن کی مدد سے نہ صرف طلبا ان کو سن سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی وڈیو دیکھ کر اس کی کہانی اور کرداروں کی شکل وصورت واضح ہو جاتی ہے۔

غیر ملکی طلبا کے لیے سب سے مشکل کام کسی کہانی کی سمجھ حاصل کرنا ہے اور خاص طور پر ایسی کہانی کی جس کے پیچھے ثقافت کو سمجھنا ہے۔ کیونکہ ادب میں ثقافت کی گہری چھاپ ہوتی ہے کوئی ادب پارہ بھی کسی علاقے کی ثقافت سے باہر جا کر نہیں لکھا جا سکتا بلکہ اس کے اندر جگہ جگہ کلچر موجود ہوتا ہے۔ جب کسی ادب پارے کی وڈیو دیکھی جاتی ہے تو اس میں نہ صرف اس کی کہانی اور کردار سمجھنا آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس میں موجود علاقہ اس کے لوگ، رہن سہن، عقائد، برتن، لباس، مکان غرض کہ ہر شے کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا امدادی مواد نہ صرف زبان سکھانے میں طلبا کا مددگار ہوتا ہے بلکہ یہ ادب سکھانے میں اسی طرح ان کی مدد کرتا ہے۔ اس کو طلبا کے ذوق وشوق، ان کی مادری زبان، کلچر، ذہنی سطح کے مطابق ڈھالا اور تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس مواد کو مختلف درجوں کے مطابق آسان یا مشکل بنایا جا سکتا ہے۔ اس سب کے علاوہ ضمنی طور پر طلبا کو ایسی تقاریب میں شامل کرنا چاہیے۔ جہاں جا کر وہ مختلف لوگوں کو اردو بولتے اور پڑھتے سن سکیں۔ جیسے ان کو ٹی وی پروگراموں کی ریکارڈنگ، ادبی محافل، مشاعرے، مذاکرے، تقریری مقابلے اور کتب پڑھنے کی سرگرمیاں (Book Reading) وغیرہ میں شامل کرنا چاہیے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ مختلف موقعوں پر زبان اور الفاظ کا اتار چڑھاؤ کیا ہوتا ہے۔ کس طرح مختلف ادب پاروں اور زبان کی مہارتوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔

د۔ اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان کے حوالے سے ماہرین کی آراء کا جائزہ:

اردو زبان کی تدریس کے کئی حوالے ہیں۔ اردو دنیا کے علاوہ بھی اس کی تخلیق، ادب، تنقید کے ساتھ اس کی تدریس کے راستے بھی کھلے رہتے ہیں۔ اردو کی تدریس زبان کے طور پر جہاں کئی زاویے کسی زبان، غیر ملکی زبان کے طور پر بھی اس کی تدریس کی جا رہی ہے۔ دنیا بھر کے کئی ممالک کے مختلف ادارے اردو کی تدریس کے فریضے سرانجام دے رہے ہیں۔ جو کسی خاص علاقے، خطے، قوم یا ملک تک محدود نہیں بلکہ اس کے سیکھنے والے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اردو کی اس طرح دنیا بھر میں تدریس اس بات کا اظہار ہے کہ دنیا نہ

صرف اردو سیکھنے میں دلچسپی رکھتی ہے بلکہ اس کی عالمی زبانوں میں جگہ بھی رہتی ہے۔

تاہم علمی طور پر اگر دیکھا جائے اردو دان طبقہ اس طرف کوئی خاص توجہ کرتا نظر نہیں آتا کہ اردو کی بطور زبان تدریس بھی ایک ضروری عمل ہے اور اس کے تقاضے الگ ہیں۔ ہمارے ہاں زبان کا معاملہ صرف ادیبوں تک ہی محدود کر دیا گیا ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ زبان صرف ادب تک ہی محدود شے ہے جبکہ دنیا بھر میں ادب لکھنا الگ جبکہ زبان کی بطور ایک مضمون تدریس الگ شے ہے۔ لہٰذا جب مقامی سطح پر اردو کے نصاب تیار کیے جاتے ہیں تو ان میں سے زبان کی تدریس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

جبکہ اردو سکھاتے ہوئے جہاں مقامی طلبا کو سامنے رکھا جاتا ہے ویسے ہی غیر ملکی طلبانہ صرف مشکلات محسوس کرتے ہیں بلکہ ان کے ہاں کئی طرح کی نصابی پیچیدگیاں بھی دیکھنے میں ملتی ہیں کہ وہ خود سے اس چیز کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ کس طرح ان مشکلات پر قابو پایا جائے۔

اس تناظر میں تحقیق ہذا نہ صرف سیکھنے والوں بلکہ سکھانے والوں کو بھی شامل کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ وہ کیا کیا موضوعات اور جہات ہیں جو اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان کے عمل کے راہ کی رکاوٹ ہیں یا کس طرح یہ اس عمل کو سست بنا دیتی ہیں۔ اسی تناظر میں اردو کی عمومی چاروں مہارتوں یعنی پڑھنا، لکھنا، سننا اور بولنا کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ بالخصوص پڑھنے اور لکھنے کے تناظر میں کی گئی ہے۔ اس تحقیق میں نہ صرف ان مہارتوں پر بات ہی نہیں کی گئی بلکہ اس پورے عمل میں مختلف سطح کے اساتذہ اور طلبا کو کن کن مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ کن کن مہارتوں میں کم اور کن میں زیادہ سہولت محسوس کرتے ہیں۔ بالخصوص اساتذہ کس طرح کمرہ جماعت میں ان مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔

ان سوالوں سے جو آراء سامنے آئی ہیں ان سے جو نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں وہ بہت حیران کن تھے۔ جو نہ صرف ان مشکلات کی طرف اشارہ کرتے تھے جو اساتذہ کو دوران تدریس اور طلبا کو دوران تعلیم پیش آتی ہیں بلکہ بعض ایسی مشکلات جو مفروضے میں بطور خاص مدِ نظر رکھی گئی تھی ان کے جواب تسلی بخش رہے۔

یہ سوالنامے مقامی اساتذہ کے علاوہ چینی، فارسی زبانوں کے پس منظر رکھنے والے اساتذہ جو اردو کی تدریس میں شامل ہیں ان سے بھروائے گئے۔ بلکہ فارسی، عربی، چینی کو پس منظر کے ایسے طلبا جو اردو سیکھ رہے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے مواد (Data) لیا گیا جس کے نتائج مختلف رہے۔

سوالنامے میں سامنے رکھے گئے سوالات:۔

سوالنامہ ترتیب دیتے وقت اس کو دو مختلف درجوں میں رکھا گیا تھا۔ ایک طرح کے سوالنامے اساتذہ کے لیے بنائے گئے جن کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک ایسے اساتذہ جو خود پاکستانی ہیں اور وہ تدریس غیر ملکیوں کو کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف ایسے اساتذہ بھی پیش نظر رہے جو خود بھی غیر ملکی ہیں اور ان کا تجربہ بھی غیر ملکیوں کی تدریس کا ہے۔ تیسری طرح کے سوالنامے طلبا کے سامنے رکھے گئے جو غیر ملکی ہیں اور اردو زبان سیکھ رہے ہیں۔

سب سے پہلے اساتذہ سے کیے گئے سوالات کو دیکھتے ہیں۔

1۔ سننے کی مہارت

کسی کو کوئی بھی زبان سیکھنے میں سننے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ چاہے کسی بھی مہارت کی تدریس کی جائے طالب علم اس مرحلے سے گزرتا ضرور ہے۔ سوالنامے میں پہلا سوال سننے میں دقت کے حوالے سے رکھا گیا تو اس پر مختلف اساتذہ کی آراء مختلف رہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد کا خیال ہے کہ سننے میں دقت اس وقت تک تھی جب تک طالب علم کے کے پاس آڈیو وڈیو جیسی سہولیات موجود نہ تھیں۔ اس سہولت کی دستیابی کے بعد یہ دقت کم ہو چکی ہے۔ دوسری طرف یہ مشکل سامنے آتی ہے کہ طالب علم مکمل جملے نہیں سمجھ پاتے۔ اس کے برعکس سننے میں جن مسائل کا طالب علم کو سامنا کرنا پڑتا ہے وہ آوازیں ہیں۔

ان میں دو طرح کی آوازیں سننا مشکل ہے۔ ایک ایسی آوازیں جن کو ہم مخرج آوازیں یا قریب المخرج آوازیں کہا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ایسی آوازیں بھی شامل ہیں جو کسی طالب علم کی مادری زبان میں موجود ہی نہیں ہوتیں۔ ہم مخرج اور قریب المخرج آوازوں کے حوالے سے دقت کا ایک بڑا سبب مقامیوں کے پاس بھی آوازوں اور مخارج کا نہ ہونا ہے۔ کیونکہ مقامی لوگوں میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جن کے ہاں آوازوں کا فرق موجود نہیں بلکہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو بولتے ہوئے آوازوں میں تمیز کرنا آتا ہے۔ اس کے برعکس چند ہی علاقوں کے لوگ ایسے ہیں جو آوازوں میں فرق کر پاتے ہیں اس لیے غیر ملکیوں کے ہاں ایسی آوازوں کو سنتے ہوئے فرق کرنا انتہائی مشکل ہے۔

جبکہ غیر ملکی اساتذہ کے ہاں اپنے بھی چند مسائل ہیں جیسے کہ اکثر اردو بولنے والے جملے کی ترکیب کو توڑ کر جملہ بولتے ہیں یا پھر عام بول چال میں نامکمل جملوں میں تاثرات کو شامل کرنے کے مطالب واضح کرتے

ہیں جس کی وجہ سے جملہ سمجھنا مشکل ہے۔ جبکہ ایک اور استاد کا خیال ہے کہ باتیں سننا مشکل نہیں یہ طلبا کے ذخیرہ الفاظ پر انحصار کرتا ہے کہ وہ کس طرح کی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

غیر ملکی اساتذہ کے ہاں اکثر سننے میں خود بھی مشکل ہوتی ہے خاص طور پر ایسے اساتذہ جنہوں نے پاکستان میں کم وقت گزارہ ہو تو ان کی اپنی سننے کی مشق کم ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ خود بھی الفاظ کا درست تلفظ نہیں سن پاتے اور قریب المخارج آوازوں کو آپس میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔

جبکہ یہی سوال جب غیر ملکی طلبا سے کیا گیا تو انکے ہاں بھی کئی طرح کے مسائل سامنے آئے ان میں سے اکثر طلبا نے ان آوازوں کو سننے میں مشکل کا انتہائی جو ان کی مادری زبانوں میں نہیں تھے۔ مثلاً چینی پس منظر کے اکثر طلبا کے ہاں ط، ث، ر، پ، وغیرہ جیسی آوازیں پھر قریب المخرج آوازوں والے حروف میں مشکل ہوتی، جیسے وہ ط، د، ج اور چ، پ اور ت، ط، ت وغیرہ میں فرق نہیں کر پاتے۔

اسی طرح فارسی پس منظر رکھنے والے طلبا میں عربی فارسی الفاظ کو سننے میں مشکل نہیں ہوتی لیکن مقامی زبان کے الفاظ کی آوازیں اسی طرح یائے مجہول کی آواز چونکہ فارسی میں نہیں ہوتی، اسی طرح ر، د، ٹ وغیرہ کی آوازیں ان کو سننے میں مشکل محسوس ہوتی ہے۔ اکثر غیر ملکی طلبا کو جو انگریزی کے ایسے الفاظ جو اردو میں آکر اپنی اصل آواز بھی بدل گئے ہیں اور مشکل بھی ان کو سننے اور سمجھنے میں انتہا درجے کی مشکل پیش آتی ہے۔ کیونکہ اردو بول چال میں ایسے الفاظ بہت زیادہ تعداد میں بولے جاتے ہیں۔ اس لیے مقامی طور پر ان کے تلفظ بہت زیادہ تبدیل ہو گئے ہیں اور ایسے الفاظ جب بولے جاتے ہیں تو غیر ملکی طلبا ان سے مانوس نہیں ہو پاتے کیونکہ وہ انگریزی میں ان کے مختلف تلفظ سے واقف ہوتے ہیں۔

بولنے کی مہارت:

بولنا سننے کا Out Put ہے۔ انسان دیر تک سنتا ہے اور اپنے سنے ہوئے کا بڑا حصہ اپنے ذہن میں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ کچھ عرصے بعد اس ذخیرے کا کچھ کچھ حصہ اپنی زبان سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے لگتا ہے۔

لیکن جب غیر ملکیوں کے اردو بولنے کے حوالے سے بات کی جائے تو وہ سب ہی ایسی عمر میں ہوتے ہیں جہاں وہ کئی طرح کی مشکلات محسوس کرتے ہیں جو بچے کسی زبان کو سیکھتے ہوئے نہیں کرتے، جیسے کہ سب سے پہلا مسئلہ نفسیاتی ہوتا ہے کہ ایک عمر کے بعد خوف پیدا ہو جاتا ہے اور اس خوف کے سبب وہ اپنی عزت

نفس کو خراب ہوتا دیکھتے ہیں کہ اگر بولتے وقت غلطی ہو گئی تو دوسرے لوگ ہنسیں گے۔ اسی طرح کچھ طلبا قدرتی طور پر شرمیلے ہوتے ہیں اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس عادت کی وجہ سے بات چیت کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور درست بات کا علم ہونے کے باوجود بول نہیں پاتے۔

جب پاکستانی اساتذہ سے غیر ملکی طلبا کے بولنے میں مشکلات کے حوالے سے سوال کیا گیا تھا۔ ان میں سے مختلف اساتذہ کی آراء مختلف تھیں۔ سوال کچھ اس طرح تھا کہ بلوغت کے بعد سیکھی گئی زبان کو بولنے میں طلبا کو کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیا بول سکتے ہیں یا نہیں۔ ان میں سے اکثر اساتذہ کا خیال تھا کہ طلبا بول سکتے ہیں لیکن لہجے میں فرق صاف ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ کچھ اساتذہ کا خیال یہ بھی ہے کہ وہ روانی سے نہیں بول سکتے۔

لیکن اکثر اساتذہ کی رائے تلفظ اور روانی کے حوالے سے تھی کہ طالب علم جس قدر انہماک لگن اور شوق سے کوئی زبان سیکھے گا۔ اس درجہ ہی اچھی زبان بول سکے گا۔

جبکہ غیر ملکی اساتذہ سے بولنے کے حوالے سے سوال کیا گیا تو ان میں سے ایک استاد کا خیال تھا کہ وہ خود بھی اردو اچھی طرح بول سکتی ہے اور سکھانے میں بھی تو مشکل محسوس نہیں کرتی۔ جبکہ ایک استاد کا کہنا تھا کہ عام بول چال میں ان کی اردو اچھی ہے۔ لیکن جب کوئی خاص موضوع دیا جاتا ہے تو اس وت ان کا ذخیرہ الفاظ اور موضوع پر دسترس اس قدر نہیں ہوتی کہ گہرائی کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی جا سکے۔

جب یہی سوال طلبا سے پوچھا گیا تو دو طرح کی آراء سامنے آئیں۔ بہت بنیادی سطح پر سیکھنے والے طلبا جیسے کہ پہلے سال کے طلبا کا خیال تھا کہ اردو بولنا آسان نہیں بلکہ مشکل امر ہے۔ لیکن ان کے برعکس جب یہ سوال دو سال زبان سیکھ لینے والے سامنے رکھا گیا تو ان کا جواب اس کے متضاد تھا یعنی وہ اردو بولنا مشکل نہیں سمجھتے تھے اتنا ضرور تھا کہ ان کو اس مُس کئی طرح کی مشکلات کا سامنا رہا۔

مثلاً چینی طلبا کے لیے د، ڑ، ز، ج، وغیرہ کی آوازیں بولنا مشکل تھا۔ فارسی طلبا کے لیے پابند آوازیں اور غنائی آواز میں بہت مشکل محسوس کرتے ہیں۔ یا پھر ایسی آوازیں جو خالص ہندی ہو مثلاً ٹ، ز، ذ وغیرہ

بولتے ہوئے جن مسائل کا سب سے زیادہ جس مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ جملے کی ساخت ہے۔ عمومی طور پر بالغ آدمی کوئی بھی دوسری زبان بولتے ہوئے اپنی مادری زبان سے ترجمہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انسان کے دماغ میں گرامر کی اور جملے کی ساختیں کافی گہرے اثر سے نقش ہو

جاتی ہیں اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔ اس بنا پر اکثر وہ اپنی زبان کے جملوں کی ترکیب میں دوسری زبان کے الفاظ لگا کر بولتے ہیں۔

لکھنے کی مہارت:

انسان اپنی زندگی میں بولنا اور سننا تو معاشرے سے سیکھتا ہے اس کے لیے وہ کوئی باقاعدہ تربیت نہیں لیتا لیکن اس کے وہ معاشرے کو ہی استاد بناتا اس حوالے سے غیر ملکیوں کے مسائل الگ ہیں کہ وہ اس مہارت کی بھی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

انسان کسی بھی زبان کا مقامی بولنے اور سیکھنے والا ہو یا غیر ملکی ہو دونوں صورتوں میں اسے لکھنا پڑھنا بہر حال سیکھنا ہی پڑتا ہے۔ یہ ایسی تربیت ہے جو مختلف سطحوں پر ابتدا سے لے کر اعلیٰ سطح تک استعمال کی جاتی ہے۔ مختلف ماہرین سے جب اس حوالے سے سوالات پوچھے گئے کہ ان کی آراء کیا ہیں تو ان میں سے اکثر کا خیال تھا کہ اردو لکھنا سکھانا مشکل عمل نہیں سوائے چند بنیادی مشکلات کے۔

اس میں جو مشکل سب سے پہلے طلبا کو درپیش ہے اور اکثر اساتذہ اس پر متفق ہیں، وہ حروف کی تبدیل ہوتی صورتیں ہیں کہ الفاظ جب دوسرے الفاظ کے ساتھ ملتے ہیں تو وہ اپنی شکل تبدیل کر کے نئی شکل میں ڈھل جاتے ہیں، دوسری سطح پر ایک حرف ایک سے زیادہ شکلیں تبدیل کرتا ہے، جس کی پہچان کرنا مشکل کا سبب بناتا ہے دوسری سطح پر الفاظ میں جب حروف دوسرے الفاظ کے ساتھ جڑتے ہیں تو وہ ایک دوسری کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً د کے خاندان کے حروف کے پیچھے جب کوئی دوسرا حروف جوڑا جاتا ہے تو اس کی شکل "ر" کی شکل کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ دوسرا مسئلہ لفظوں میں نقطے لگانے اور خاص طور پر لفظوں کی ترتیب کا ہے کہ کس ترتیب سے نقطے لگانے ہیں ایک ہی لفظ پر ہر شوشے کے نقطوں کی تعداد مختلف ہوتی ہے اور ان کی سطح بھی مختلف ہے اس لیے یہ یاد رکھنا آسان نہیں کہ کب اوپر اور کب نیچے نقطے لگیں گے۔

جہاں تک مسئلہ رسم الخط کا ہے تو بعض ماہرین کا یہ خیال ہے کہ نستعلیق ایک خاص زاویے سے لکھا جانے والا خط ہے اور اس کے لیے خاص طرح کی قلم اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے نسخ کا استعمال بہتر رہے گا۔ لیکن بعض ماہرین کا خیال ہے کہ نسخ بہت ابتدائی سطح پر حروف کے جوڑ سکھانے یا آدمی شکلوں کے مسائل تک تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ طالب علم نے اپنی پوری زندگی املا لکھتے پڑھتے نستعلیق کے ساتھ گزارنی ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس خط کو ہی بنیاد بنا کر سیکھنا شروع کرے ابتداء میں چند مشکلات تو ضرور ہوں

گی لیکن جلد ہی طالب علم اس کا عادی ہو جائے گا۔

جب سوال ان حروف کو تحریر کے بارے میں کیا گیا کہ جو کسی طالب علم کی مادری زبان میں جن کی آوازیں موجود نہیں تو اس حوالے سے بعض اساتذہ کا خیال تھا کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ طلبا جیسا بولتے ہیں ویسا لکھتے ہیں۔ لیکن اکثر اساتذہ کا خیال تھا کہ طلبا لکھتے ہوئے اس طرح کی مشکلات کا سامنا نہیں کرتے۔

تو اکثر طلبا نے بتایا کہ ان کے لیے اردو پڑھنے کی نسبت لکھنا آسان ہے ان کے سامنے جو مختلف طرح کی مشکلات تھیں۔ ان میں سے ایسے طالب علم جن کا پس منظر ایسی زبانوں کا ہے جن کے کو بائیں سے دائیں لکھا جاتا ہے ان کے لیے دوسری طرف سے اردو لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری مشکل طلبا کے حروف کا جوڑ لگاتا ہے کہ وہ بھی بھول جاتے ہیں کہ لفظ کو میں حروف کا مقام اتصال کون سا ہے۔

لیکن مجموعی طور پر طلبا اور اساتذہ دونوں کے مطابق اردو لکھنا زیادہ مشکل ہے بلکہ کچھ ابتدائی مشق کے بعد وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ تحریر کر سکیں۔

پڑھنے کی مہارت:

پڑھنا لکھنے کا ان پٹ ہے کہ اگر انسان کچھ لکھنا چاہتا ہے تو اس کو لازم کچھ نہ کچھ پڑھنا ہو گا، یہ پڑھنا ہے آہستہ آہستہ لکھنے کی ترتیب بناتا ہے اور انسان پہلے سے سیکھے ہوئے الفاظ جملے استعمال کرتا ہے اور کچھ مزید مہارت حاصل کر لینے کے بعد اپنا ایک اسلوب بنالیتا ہے۔

نئے سیکھنے والوں کے لیے پڑھنا بھی ایک دلچسپ مشق ہے کہ وہ اس کو دو حصوں میں سیکھنے ہیں پہلی سطح پر تو طلبا کی وہ جماعت آئے گی جسے ہم مبتدی کہہ سکتے ہیں جبکہ دوسری سطح ایسا طلبا کی ہے جو بنیادی پڑھنا لکھنا تو جان چکے ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد وہ اس کی تفہیم بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

جب مختلف اساتذہ سے اردو رسم الخط پڑھنے کے حوالے سے رائے لی گئی تو ان میں سے اکثر کی رائے تھی کہ عربی فارسی پس منظر والے طلبا کے علاوہ سب کے لیے اردو کا رسم الخط اجنبی ہے اس لیے اس کو سیکھنا غیر ملکیوں کے لیے آسان نہیں جبکہ ایسے اساتذہ جن کا اپنا بھی علاقہ اردو نہیں ان کے مطابق اردو رسم الخط دائیں سے بائیں لکھا جاتا ہے اس لیے طالب علم بہت ابتدا میں اس کو پڑھنے میں مشکل کا شکار ہوتے ہیں۔

اسی حوالے سے دوسری مشکل یہ ہے کہ لکھتے ہوئے اعراب کا استعمال نہیں کیا جاتا جبکہ اردو کے حروف علت اس سے زیادہ اعراب ہی لفظ کا تلفظ ظاہر کرتے ہیں جن کا عدم استعمال طلبا کے مشکل کا سبب بنتا

ہے۔ اسی طرح حروف سہی میں بھی حروف کے جوڑ، ان کی بدلتی ہوئی شکلیں، نقطوں کی تعداد اور جگہ اردو پڑھنے کی روانی کی راہ کی رکاوٹ ہیں، خاص طور پر ث اور ش، پ اور ٹ، د اور دھ وغیرہ یعنی ویسے حروف جب میں "ھ" الگ سے لکھا جاتا ہے غیر ملکی طلبا ان میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب الفاظ سے آگے کی بات کی جائے تو تراکیب میں عمومی طور پر دو الفاظ جو یا تو عربی ہوتے ہیں یا فارسی ایک زیر کی مدد کی ان میں تعلق پیدا کیا جاتا ہے اور اضافت کی صورت میں یہاں علت ایک حرف کا کام کرتی ہے جس کو پڑھنا عام طور پر غیر ملکیوں کے لیے کافی مشکل ہے۔ مثلاً ابن مریم، رحمت عالم، جان من وغیرہ۔

پڑھتے ہوئے ایک اور مشکل انگریزی الفاظ ہیں الفاظ ہے، ایک غیر ملکی استاد کا کہنا تھا کہ جب اس نے پہلی بار لفظ سائیکل اردو میں لکھا ہوا دیکھا تو دیر تک نہیں سمجھ پایا کہ یہ کیا لفظ ہے اسی طرح بعض الفاظ جن کو اردو میں شامل کر کے ان کا تلفظ بھی اردو کر دیا گیا ہے ان کو پڑھنا خاصا مشکل امر ہے۔

جب پڑھنے کے بارے میں سوالنامہ طالب علموں کے سامنے سوالنامہ رکھا گیا تو ان میں سے اکثر کا خیال یہ تھا کہ اردو پڑھنا ابتدا میں کچھ مشکل ہوتا ہے لیکن بعد میں یہ مشکل نہیں لگتا بلکہ اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور پڑھنا مشکل نہیں رہتا۔

یہ خیال جو ابات صرف الفاظ کی پہچان یا ناظرہ پڑھنے کے حوالے تک ہیں اور کسی بھی رسم الخط کو ایک وقت کے بعد کوئی بھی سیکھ جاتا ہے۔ اس سے اگلا سوال تب پیدا ہوتا ہے، جب پڑھ کر سمجھنا بھی ساتھ ہو شامل ہو۔ اس میں سب سے پہلی مشکل وہاں سامنے آتے ہے، جب اردو لکھتے ہوئے لفظوں کوئی خالی جگہ Space نہیں چھوڑی جاتی بلکہ مسلسل لکھا جاتا ہے، اس طرح دو لفظوں کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ بعض اوقات لفظوں کو الگ الگ پڑھیں معنی اور ہوتا ہے اور ملا دیں تو اور لفظ بن جاتا ہے۔ اس سے ہٹ کر مشکل کسی بھی زبان کا محاورہ ہوتا ہے اور محاورہ جہاں مجازی معنی رکھتا ہے وہاں اس میں کلچر، مذہب، عادات، رسم و راج بہت کچھ شامل ہوتا ہے۔ اردو میں خاص طور پر عربی محاورہ کافی مشکل ہے کیونکہ اس زیادہ حصہ مذہبی متن سے لیا گیا ہے اور اس کے معنی خدا کی ذات سے جڑے ہوئے ہیں لیکن مجاز میں وہ بہت مختلف معنی دیتا ہے۔ اس لیے پرھتے ہوئے ایسے الفاظ کو پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح علمی، ادبی، صحافتی متون کو پڑھنا اور سمجھنا بھی آسان نہیں۔

مندرجہ بالا سوالنامے 15 اساتذہ کے سامنے رکھے گئے جن میں پاکستانی اور غیر ملکی دونوں طرح کے

اساتذہ شامل ہیں۔ ان میں کچھ اساتذہ ایسے بھی ہیں جن کا تجربہ غیر ممالک میں جا کے وہاں کے طلبا کو اردو سکھانے کے حوالے سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان اساتذہ کے آرا کی روشنی میں درج ذیل جدول ترتیب دیا گیا ہے، یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ بعض سوالات پر اساتذہ نے ایک سے زیادہ آرا بھی دی ہیں اس حوالے سے ان کی دونوں آرا کو شامل کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	سوالات	جوابات	تعداد	فیصد
1	غیر ملکی طالب علم کو سننے میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟	مشکل ہے	6	40
		تھوڑا مشکل ہے	7	46
		سننا سیکھنے کا مواد دستیاب نہیں	3	20
2	مخارج کے اعتبار سے کون سی ایسی اصوات ہیں جن کو سننا غیر ملکی طالب	ع، ص، ط، ظ، ض، ذ، ق	8	53
		ر، ق، ج	4	26
		ع، غ، ر، ڑ، ڈ، ت	3	20

	علم کے لیے مشکل ہے؟			
3	کیا غیر ملکی طالب علم کو مشابہ آوازوں میں امتیاز کرنے میں کیا مشکلات درپیش ہوتی ہیں؟	اب کم ہو گئی ہے	4	26
		فرق کرنا مشکل ہے	11	73
4	غیر ملکی طالب علم کو اردو لکھنے میں کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟	دائیں سے بائیں لکھنا	10	66
		مشکل نہیں	4	26
		روزمرہ کے مطابق لکھنا مشکل ہے	4	26
5	کیا آپ	زیادہ نہیں ہیں	8	53

	غیر ملکیوں کی تدریس کے لیے خط نستعلیق سے مطمئن ہیں؟	لفظوں کی بناوٹ /خوبصورتی	7	46
		جی ہاں	5	33
6	اردو لکھتے وقت غیر ملکی طالب علم عام طور پر کس طرح کی غلطیاں کرتا ہے؟	پیچیدہ الفاظ میں حروف کی ترتیب یاد رکھنا مشکل ہے۔	6	40
		ہم مخرج الفاظ میں غلطی کرتے ہیں	8	53
7	اردو میں حروف کی ایک سے زائد اشکال جیسے	کافی زیادہ مشکل ہے	7	46
		ابتدا میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔	8	53

	ابتدائی درمیانی اور آخری وغیرہ ہیں، ان کو یاد رکھنا غیر ملکی طالب علم کے لیے کتنا مشکل ہے؟			
8	طالب علم کو ایک جیسی آوازوں والے حروف کے استعمال میں کس حد تک مشکل پیش آتی	مختلف لسانی پس منظر والے طلبا کے مسائل مختلف ہیں۔	9	60
		اکثر کو لکھنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔	6	40

	ہے؟			
9	ایسی آوازیں جو کسی دوسری زبان میں موجود نہیں ہیں ان کو طالب علم کس حد تک درست لکھتے ہیں؟	مختلف لسانی پس منظر والے طلبا کے مسائل مختلف ہیں	9	60
		ث،ش،ژ کی آوازیں	4	26
		جو آوازیں مادری زبان میں شامل نہیں وہ اکثر غلط استعمال ہوتی ہیں۔	5	33
10	کیا کوئی طالب علم بلوغت کے بعد سیکھی ہوئی زبان کو روانی سے بول سکتا ہے؟	بولنا سیکھ سکتے ہیں	5	33
		مکمل بولنا مشکل ہے۔	9	60
		کافی مشق کی ضرورت ہے	8	53

11	اردو کی کون سی آوازیں نکالنا غیر ملکی طالب علم کے مشکل ہے؟	مادری زبان سے مختلف آوازوں کو بولنا	10	66
		ج؛چ؛ش؛ے؛ع	6	40
		ہکاری آوازیں	10	66
12	غیر ملک طالب علم کا تلفظ کس حد تک اچھا ہوتا ہے؟	بہت اچھا ہوتا ہے۔	3	20
		بہت اچھا نہیں ہو سکتا	12	80
13	کیا غیر ملکی طالب علم کے لیے اردو کا رسم الخط پڑھنا آسان ہے؟	مشکل ہے	7	46
		مشکل نہیں	5	33
		ابتدا میں مشکل لگتا ہے	5	33
14	اعراب کا عدم	ضروری ہیں۔	7	46
		ضروری نہیں	4	26

	استعمال غیر ملکی طالب علم کے لیے کس حد تک مشکلات پیدا کرتا ہے؟	تلفظ کے لیے ضروری ہے	4	26
15	کون سے حروف پڑھنے میں طالب علم اکثر غلطی کرتے ہیں؟	مرکب حروف	6	40
		ایسے حروف جن کی پہچان نقطوں سے ہوتی ہے۔	9	60
16	تراکیب میں طالب علم کس حد تک مشکلات کا	قاعدہ سمجھا دیا جائے تو مشکل نہیں	3	30
		کافی مشکل ہے	7	46

	شکار ہوتے ہیں؟			
17	اردو تذکیر و تانیث میں غیر ملکی طالب علم کس حد تک مشکل کا شکار ہوتا ہے؟	کافی مشکل ہیں۔	9	60
		زیادہ مشکل نہیں	6	40
18	جملوں کی نحوی ترکیب میں غیر ملکی طالب علم کو کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟	کافی مشکل ہے	3	30
		افعال مشکل ہیں۔	8	53
		طویل جملے مشکل ہیں۔	6	40
19	کلاس پڑھانے	مشق سے	8	53
		جدید آلات کی مدد سے	5	33

	کے دوران آپ ان مسائل پر کیسے قابو پاتے ہیں؟	دہرائی سے	5	33

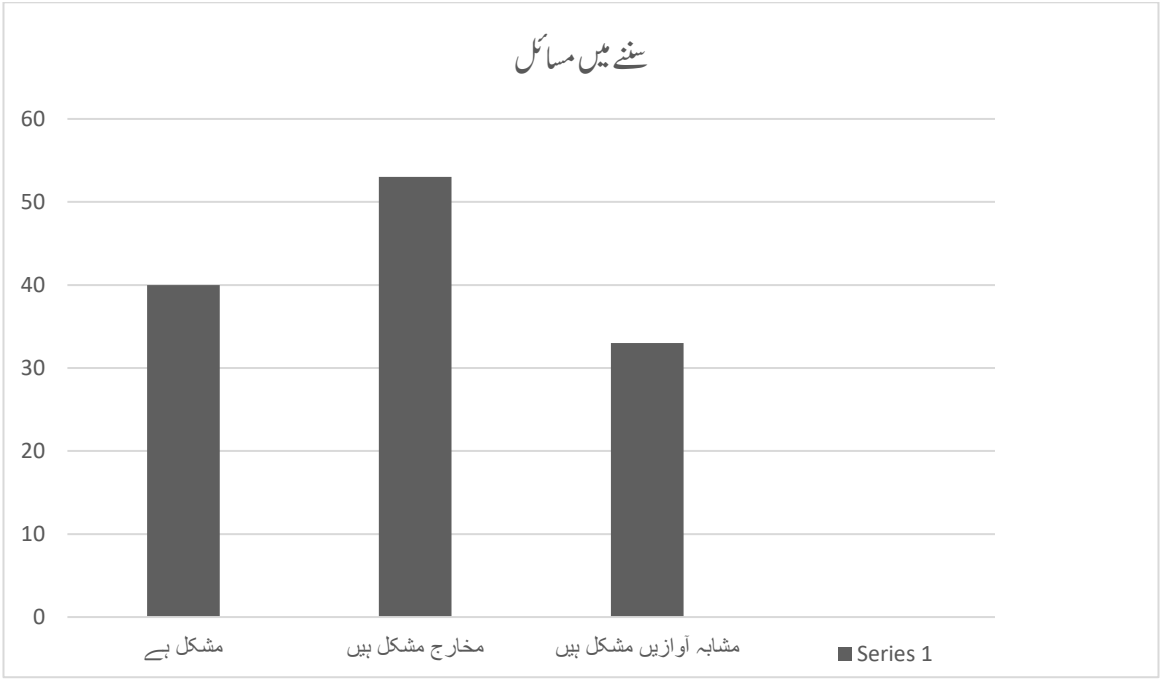

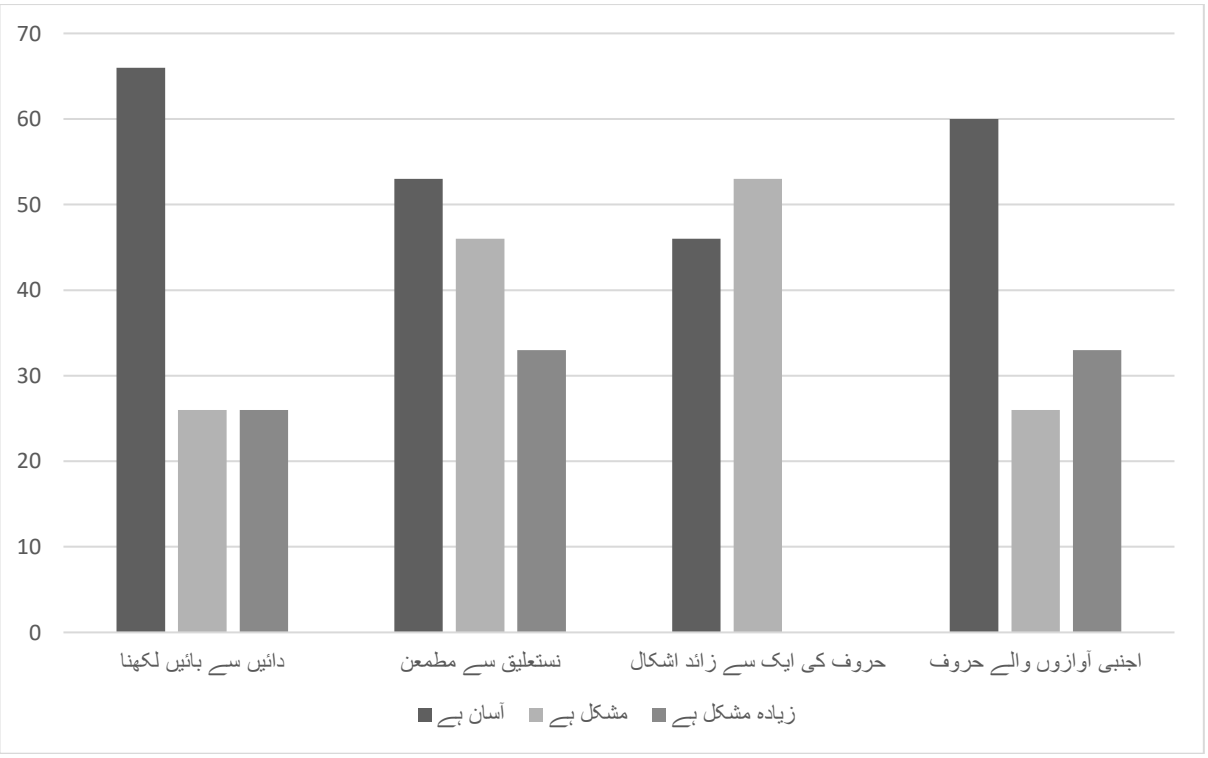

بولنے کے حوالے سے

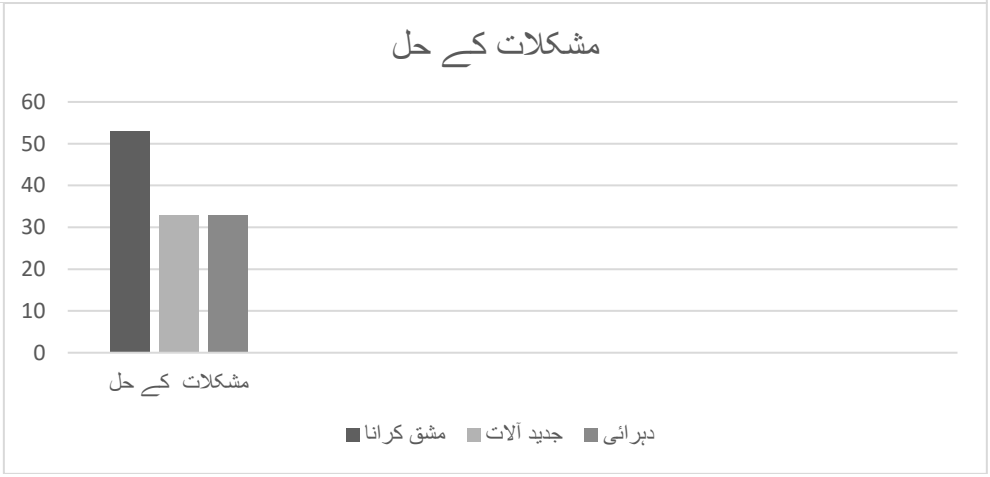

اوپر دیے گئے جدول اور گراف کی مدد سے غیر ملکیوں کو درپیش مسائل کی نشان دہی اساتذہ کی طرف سے کی گئی ہے اس کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ مختلف مسائل پر مختلف اساتذہ نے کس طرح کی آرادی ہیں اور کون سا مسئلہ کس حد تک اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں یہ سمجھنا بالکل مشکل نہیں رہ جاتا کہ اردو سیکھنے والے غیر ملکی طلبا کے ہاں مشکلات بہت زیادہ ہیں جن کے حل اور آسان طریقے دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

1۔ عطش درانی، ڈاکٹر، تدریسات اردو، اردو سائنس بورڈ لاہور، 2007

2۔ حمیرا اشفاق ڈاکٹر، سولنامہ اور انٹرویو، بمقام رہائش گاہ، اگست 22، 2022

3۔ لی لین شی (عندلیب) سوالنامہ بذریعہ ای میل، 10 اکتوبر 2020

4۔ تحسین فراقی، دیباچہ، سفارشات اردو املا 2022 اردو فروغ قومی زبان، اسلام آباد، 2022

5۔ سفارشات اردو املا 2022، مرتب، ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ڈاکٹر راشد حمید، ص، 21

6۔ شفیع احمد صدیقی، اردو زبان و قواعد، مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر نئی دہلی، 1991ء

7۔ انوار احمد ڈاکٹر، سوالنامہ، 8 بذریعہ ای میل اکتوبر 2022

8۔ حمیرا اشفاق ڈاکٹر، سولنامہ اور انٹرویو، بمقام رہائش گاہ، اگست 22، 2022

9۔ حمیرا اشفاق ڈاکٹر، سولنامہ اور انٹرویو، بمقام رہائش گاہ، اگست 22، 2022

باب پنجم

مجموعی جائزہ، نتائج اور سفارشات

الف: مجموعی جائزہ

دنیا زبانوں کا جنگل ہے جہاں سینکڑوں زبانیں، بولیاں اور لہجے بولے جاتے ہیں۔ لیکن کم زبانیں ایسی ہیں جن کے سننے اور بولنے والے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اردو کا شمار بھی ایسی ہی زبانوں میں ہے جو دنیا بھر میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ شاید ہی کوئی ملک علاقہ یا خطہ ایسا ہو گا جہاں پر اردو بولنے اور سمجھنے والے نہ موجود ہوں۔ اردو بولنے اور سمجھنے والوں میں دو طرح کے لوگ شامل ہیں ایک وہ جو برصغیر پاک و ہند کے کسی علاقے میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کی مادری یا پھر ثانوی زبان اردو ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے اس زبان کو سیکھا ہوا ہے۔ مادری زبان کے طور پر بولنے والوں یا پھر اردو کے خطے میں رہ کر سیکھنے والوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے بنیادی مسئلہ ان لوگوں کو رہا ہے جن کو اردو ایک غیر ملکی زبان کے طور پر سیکھنا تھی۔

ویسے تو اردو کی غیر ملکی زبان کی حیثیت سے تدریس، اردو کے ابتدائی دور سے ہی ہو جاتی ہے۔ جب یورپی لوگ متحدہ ہندوستان کا سفر کرتے ہیں اور یہاں کی زبان انفرادی کوششوں سے سیکھتے ہیں۔ لیکن اردو کی غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی کی ابتداء سے ہوتا ہے، جب فورٹ ولیم میں کئی مقامی زبانوں کے ساتھ اردو کی باقاعدہ تدریس شروع کی جاتی ہے۔

یہ بحث الگ ہے کہ فورٹ ولیم میں اردو کی تدریس کی ابتدا کے محرکات اور وجوہات کیا تھیں۔ ان کا سیاسی ہونا یا مقاصد حاصل کرنا اپنی جگہ لیکن اردو زبان کی تدریس کے حوالے سے وہاں بہت پہلے سے ہی ابتدا ہو چکی تھی۔ فورٹ ولیم نے جو ابتدا کی تھی وہ وہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ گل کرسٹ کے واپس جانے کے بعد یہ سلسلہ یورپ کی طرف منتقل ہو گیا۔ جہاں اردو کی تدریس کا آغاز ہو جاتا ہے۔

متحدہ ہندوستان کے سیاسی اور معاشی مسائل کے پیش نظر بیرونی ممالک میں ہجرت جاری رہی یہ ایسا سلسلہ تھا جو دنیا بھر میں پھیل گیا۔ جہاں جہاں یہ لوگ گئے ساتھ زبان بھی لے گئے۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے نہ صرف زبان کی ترویج اور ترقی میں اپنا حصہ ڈالا بلکہ ان کی ضرورتوں کے پیش نظر اردو کی تدریس کے

ادارے اور یونیورسٹیوں میں شعبہ جات قائم ہونے لگے۔ اب تک ایک اندازے کے مطابق پاکستان اور بھارت کے علاوہ دنیا کے ساٹھ سے زائد ممالک میں اردو کی ڈگری کی سطح کی تعلیم جاری ہے۔ یہ سلسلہ تمام براعظموں میں پھیلا ہوا ہے لیکن یورپ میں اس کا رجحان زیادہ ہے۔

ایشیا میں جاپان ایسا ملک ہے جس کی کئی جامعات میں نہ صرف اردو کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری ہے بلکہ وہاں اردو کی کتب کا ذخیرہ اور تراجم اور بعض نایاب کتب خانے بھی موجود ہیں۔

اسی طرح پاکستان اور بھارت ہمسایہ ممالک ہیں اور یہاں اردو بولنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان ممالک میں لوگ اس زبان کا تواتر سے استعمال کرتے ہیں۔

پاکستان بھی اردو کی غیر ملکیوں کی تدریس کے حوالے سے بہت دیر سے ڈگری کی سطح تک تعلیم دے رہا ہے۔ یہاں کی متعدد سرکاری اور غیر سرکاری جامعات کے ساتھ ساتھ کئی نجی ادارے بھی اس تعلیم کی سہولت غیر ملکیوں کو دیتے ہیں۔ پاکستان کی مختلف جامعات میں یہ تعلیم و تدریس کئی سطحوں اور درجوں میں دی جاتی ہے۔

پاکستان میں اکثر یونیورسٹیوں میں اردو کی تدریس غیر ملکیوں کے لیے کرنے کے حوالے سے الگ پروگرام ہیں، جن کے نصاب کو خاص طور پر غیر ملکیوں کے لیے ترتیب دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں آنے والے ایسے لوگ اکثریت میں ہیں جن کو زبان سیکھنا ہوتی ہے۔ لیکن ادب میں دلچسپی رکھنے والے غیر ملکیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے یہاں کی جامعات کئی طرح کے نصاب تیار کرتی ہیں۔

جامعات میں پیش کیے جانے والے نصاب کو تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ ابتدائی نصاب

2۔ زبان کی تدریس پر مبنی نصاب

3۔ ادب کی تدریس پر مبنی نصاب

ابتدائی نصاب اور ان کے حوالے سے پڑھنے والے بہت بنیادی سطح پر سرٹیفیکیٹ یا ڈپلومہ میں داخلہ لیتے ہیں۔ جہاں پر ان کو حروف تہجی سے شروع کر کے ابتدا میں بولنا، سننا، لکھنا پڑھنا وغیرہ جیسی مہارتوں کو سکھایا جاتا ہے۔ دوسرے درجے کے طلبا کو ان کی دلچسپی یا ضرورت کے حوالے سے زبان یا پھر ادب کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔

پہلے عمومی طلبا وہ ہوتے تھے جن کا شوق یا پھر تعلیمی ضروریات وغیرہ ان کو اردو سیکھنے کی طرف راغب کرتی تھیں۔ لیکن دور جدید میں ایسے طلبا کی تعداد زیادہ ہے جو یہاں کسی نہ کسی کاروبار یا ملازمت کے سلسلے میں آتے ہیں۔ مثال کے طور پر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز میں عرب طلبا کی ایک بڑی تعداد زیر تعلیم ہے۔ جو دوسری کئی مقامی زبانوں کے ساتھ اردو سیکھتے ہیں اور اس تعلیم کی بڑی وجہ ان کی ملازمتیں ہیں۔ وہ پاکستان و بھارت سے عرب ممالک میں سفر کرنے یا کام کرنے والوں کے ساتھ ان کی زبان میں بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔

چین اور کوریا وغیرہ سے آنے والوں کے لیے پاکستان ایک نئی منڈی کی حیثیت رکھتا ہے جو اپنے ممالک کی اشیا کو یہاں لا کر بیچنے یا پھر یہاں کی صنعت سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے اشیا کو اپنے ممالک میں برآمد کرتے ہیں۔

دوسری طرف وہ طلبا ہیں جو زبان، اردو ادب میں دلچسپی کی وجہ سے سیکھ رہے ہیں یا پھر ان کا مقصد کوئی کاروبار نہیں۔ ان کے لیے الگ سے نصاب تیار کیے جاتے ہیں۔ ان کو بہت جلد ہی زبان سے ادب پر منتقل کر دیا جاتا ہے اور ان کو عمومی طور پر بی ایس کی ڈگری دی جاتی ہے۔ ماضی میں ایسے طلبا جو اردو ادب میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں وہ دنیا بھر کی متعدد جامعات میں اس سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پاکستان ایک کثیر لسانی خطہ ہے جہاں طرح طرح کی بولیاں اور زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہاں لوگ اپنے اپنے علاقے سے ہٹ کر بھی زبانیں بولتے ہیں۔ ان میں نہ صرف پاکستان کی مقامی زبانیں شامل ہیں بلکہ بھارت سے ہجرت کر کے آنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو یوں تو پون صدی گزر جانے کے باوجود اپنی علاقائی یا مادری زبانوں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے دور دراز علاقوں دیہاتی علاقوں میں بھی سندھی، پشتو، پنجابی، کھوار، بلتی، سرائیکی بلوچی وغیرہ جیسی مقامی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور یہاں کے رہنے والوں کی زیادہ تعداد اب بھی اردو بولنے پر قدرت نہیں رکھتی۔

ایسے زبان سیکھنے والے اردو کو ایک ثانوی زبان کے طور پر سیکھتے ہیں یہ ان کی مادری زبان نہیں۔ لیکن اردو کے خطے میں رہنے کی وجہ سے یہ لوگ اس زبان کو سہولت اور آسانی سے بولتے اور لکھتے ہیں۔ ان علاقوں سے آنے والے طلبا بہت جلد اس زبان میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔

اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اردو کے خطے میں پیدا ہوئے ہیں۔ چاہے وہ اس زبان کو مادری

زبان کے طور پر نہیں سیکھتے لیکن پھر بھی وہ اردو زبان کو پیدائش کے بعد سے ہی اپنے ارد گرد کسی نہ کسی صورت میں ضرور پاتے ہیں۔

وہ اردو کی تہذیب، ثقافت اور علاقے وغیرہ سے واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کی آموزش اس خطے میں ہر طرف اردو کی موجودگی سے ہوتی رہتی ہے۔ وہ ٹی وی، فلم، ڈرامہ خبروں سے اردو سنتے ہیں۔ وہ اخبار، انٹرنیٹ، کتاب، رسالہ، بورڈ، اشتہار وغیرہ سے اردو دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ وہ اس رسم الخط سے شناسا ہوتے ہیں۔

کلچر سے محاورہ سیکھتے ہیں۔ ماحول سے آوازیں سیکھتے ہیں۔ ارد گرد سے زبان کا ڈھانچہ ان کے دماغوں میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ سکول یا کمرہ جماعت میں جا کر زبان کو سیکھنے کا عمل شروع کرتے ہیں تو بہت جلد ہی وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ روانی سے اردو بول، پڑھ، سن کر لکھ سکیں۔

لیکن دوسری قسم ایسے طلبا کی ہے جن کے لیے اردو ثانوی نہیں بلکہ غیر ملکی زبان ہے۔ ان کے لیے یہ زبان بالکل اجنبی ہے۔ بعض اوقات ایسے طلبا بھی یہ زبان سیکھنے آجاتے ہیں جنہوں نے صرف اور صرف اس زبان کا نام کسی وجہ سے سن رکھا ہوتا ہے۔

راقم کا تجربہ یہ ہے کہ جب چین میں نئے سال کے طلبا سے یہ سوال پوچھا جاتا تھا کہ انہوں نے اس زبان کا انتخاب کیوں کیا؟ ان میں سے اکثر کا جواب یہ ہوتا تھا کہ کسی دوست رشتہ دار سے اس زبان کا نام سن رکھا تھا یا حادثاتی طور سیکھنے آ گئے ہیں۔ یا پھر ہمسائے ممالک زبان ہونے کی وجہ سے اس کے نام سے واقفیت تھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان لوگوں کو زبان سکھانا ایک چیلنج ہوتا ہے۔

غیر ملکیوں کو زبانیں سکھانے کے حوالے سے دنیا بھر میں صدیوں سے کئی طریقے رائج ہیں۔ ان طریقوں میں کئی کلاسیکی طریقے ہیں جو ابتدا میں سکھائے جانے کے عمل میں مستعمل رہے۔ جبکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان طریقوں میں جدت آتی گئی۔ اور معیارات تبدیل ہوتے گئے۔ ضروریات میں تنوع آتا گیا اور زبان سیکھنے والوں کو مختلف طریقوں سے پڑھایا جانے لگا۔

ان میں سب سے قدیم طریقہ ترجمہ یا Grammar Translation کا طریقہ ہے۔ پاکستان میں رہنے والے تمام لوگ ہی جنہوں نے انگریزی زبان کو سکولوں میں جا کر سیکھا ہے۔ اس طریقہ تدریس سے واقفیت رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں انگریزی یا دوسری کئی غیر ملکی زبانوں کی تدریس اسی طریقے سے کی جاتی ہے۔ اس طریقے کو قدیم یا کلاسیکی طریقہ تدریس کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس طریقہ تدریس میں سب سے

زیادہ حصہ مدرس کا ہوتا ہے۔ اس طریقہ تدریس میں ہمیں عمومی طور پر کوئی خاص متن منتخب کیا جاتا ہے۔ جو اکثر اوقات کسی ادب پارے کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ مدرس اس ٹکڑے کو پڑھتا ہے پھر مادری زبان میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اس میں سب سے پہلے اس جملے میں استعمال ہونے والے مشکل الفاظ کے معنی بتائے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کا تلفظ ان کے ارکان بتائے جاتے ہیں۔ پھر جملے میں موجود ہر لفظ کی قواعد کے حوالے سے وضاحت کی جاتی ہے۔ یعنی یہ لفظ فعل، فاعل، مفعول حرف وغیرہ کیا ہے۔ اس جملے کا زمانہ کون سا ہے۔ اس کی ترکیب نحوی اس زمانے کا تعین وغیرہ کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد طلبا کو اس کی مشق کرنے کو کہا جاتا ہے۔ کہ وہ مشکلات کے مطالب و معانی سامنے رکھتے ہوئے اس کو ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ استاد اس عمل کو زبانی دہراتا ہے جبکہ طلبا اس کو تحریری صورت میں کرتے ہیں۔ طلبا کو کام تفویض کرتے وقت اس میں چنیدہ مختلف اہداف کے جملے بھی دیے جاتے ہیں جن کو وہ اپنی استعداد کے مطابق حل کرتے ہیں۔ اور اس طرح سے ایک پورا عمل مکمل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ایک دیرینہ طریقہ ہے اس لیے اس کی افادیت اپنی جگہ ہے۔ اس سے طلبا پڑھنا سیکھتے ہیں۔ نئے نئے الفاظ کے معنی سیکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی گرائم کے مختلف اصول اور قواعد سیکھتے ہیں۔ یہ سارا عمل استاد کرتا ہے۔ اس طریقہ تدریس میں سب سے متحرک کردار استاد کا ہوتا ہے جو مسلسل سکھاتا ہے۔ جبکہ طلبا اس کی ہدایت کو متن سامنے رکھتے ہوئے تحریر کرتے جاتے ہیں۔

اس طریقے کی خوبیوں کے ساتھ اس کی خامیوں کی طرف اگر دیکھا جائے تو اس سے نئے الفاظ اور گرامر کے اصولوں کے علاوہ باقی مہارتیں طلبا بہت کم سیکھ پاتے ہیں۔ اس طریقہ تدریس میں نہ تو کہیں سننے اور بولنے کی مشق کروائی جاتی ہے اور نہ ہی کہیں لکھنے کی۔ طلبا کی زیادہ توجہ صرف الفاظ کے معنی اور گرامر کی طرح ہوتی ہے۔

اس طریقے کا استعمال صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ لیکن کسی زبان پر مکمل عبور حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ زیادہ کارگر نہیں ہوتا۔ البتہ گرامر اور ترجمہ کرنے کے لیے اس سے بہت کچھ سیکھا یا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور قدیم طریقہ براہ راست (Direct) طریقہ کہلاتا ہے۔ یہ طریقہ گرامر سے ترجمہ کرنے کے طریقے کے متضاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طریقے میں ہدفی زبان (Target Language) کو

اسی زبان میں سکھایا جاتا ہے۔ اس کو فطری طریقہ (The Natural Approach) بھی کہا جاتا ہے۔ اس طریقے کی بنیاد ان کا مادری زبان سیکھنے کے عمل کو گردانا جاتا ہے۔ کہ جس طرح بچہ کوئی زبان نہیں جانتا ہوتا اور وہ اپنے والدین اور ماحول سے زبان کو سیکھتا ہے وہ مسلسل زبان سنتا ہے۔ اپنی دانست میں اس پر غور کرتا ہے۔ لفظوں کے مطالب خود سے اخذ کرتا ہے۔ ان کی مطابقت ماحول کے ساتھ کرتا ہے اور پہلے الفاظ پھر جملے بولتا ہے۔ اپنی غلطیوں کی اصلاح خود کرتا جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ زبان کے استعمال پر قدرت حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

براہ راست طریقہ بھی اسی کی نقل پر ہے۔ کہ کمرہ جماعت میں طالب علم کو کوئی بھی دوسری زبان بولنے سے سختی سے منع کیا جاتا ہے۔ اس طریقے میں گرامر اور اس کے اصولوں پر کم سے کم بات کی جاتی ہے۔ الفاظ کے معنی، حرکات، تصاویر اور اشاروں سے واضح کیے جاتے ہیں۔ اس طریقے میں بات چیت کرنے اور حد فی زبان کے زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کو سراہا جاتا ہے۔ جب بھی طلبا اس زبان میں کوئی بھی بات کرتے ہیں، استاد طلبا کو سراہتا ہے اور آہستہ آہستہ نرمی سے ان کی اصلاح کرتا جاتا ہے تاکہ طلبا کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ بلکہ وہ اس کو اپنی اصلاح ہی سمجھیں۔ اور جب وہ زبان کا استعمال صحیح کرتے ہیں تو ان کی تعریف کی جاتی ہے اور حوصلہ بڑھایا جاتا ہے۔ اس طرح طلبا اپنے لیے خود سے پیمانے مقرر کرتے جاتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ اس طریقے میں طاق ہوتے جاتے ہیں۔ اس کمرہ جماعت میں طلبا کو کچھ بولنے یا سننے وغیرہ کا کام دیا جاتا ہے۔ استاد ابتدا میں بلند آواز میں اسے پڑھ کر سناتا ہے۔ طلبا اسے بغیر دیکھے اپنے الفاظ میں یاد کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد استاد باری باری کچھ سوالات دہراتا ہے جس کے جواب میں طالب علم اپنے الفاظ میں جواب دینے کی کوشش کرتا ہے اور یوں آہستہ آہستہ اپنی اصلاح کر کے مہارت حاصل کرتا جاتا ہے۔

اس طریقے میں مرکزی حیثیت تکرار کو حاصل ہے کہ جیسے بچہ نیا لفظ سیکھتا ہے تو وہ بار بار اس کو دہراتا جاتا ہے اسی طرح طلبا بھی بار بار تکرار کر کے الفاظ اور جملے سیکھتے ہیں اور نئے نئے پیٹرن سے جملے بناتے ہیں۔

یہ فطری طریقہ ہونے کی وجہ سے اس میں طالب علم بالکل مادری زبان کی طرح سے زبان سیکھتے ہیں۔ استاد کی اصلاح ان کا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ اس میں گرامر کے اصول نہیں سیکھنے پڑتے جس کی وجہ سے یہ طریقہ بہت مشکل اور غیر دلچسپ نہیں ہوتا کیونکہ قواعد کی تدریس کافی غیر دلچسپ اور اکتا دینے والی مشق ہوتی ہے۔

اگر اس طریقہ تدریس کی خامیوں پر نظر ڈالی جائے تو سب سے پہلی خامی اس کی رفتار کا سست ہونا ہے۔ فطری طریقے میں بچہ پیدائش سے لے کر سال بھر تک صرف اور صرف آوازوں پہ توجہ کرتا ہے اور بولنا نہیں سیکھتا۔ دوسری طرف ابتدا میں اس لفظ اور جملے بالکل ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط ہوتے ہیں۔ لیکن بچہ ان کو دہراتا جاتا ہے جب کہ اس کے برعکس غیر ملکی زبان کا طالب علم بالغ ہوتا ہے۔ اس کے پاس زبان سیکھنے کا وقت محدود ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ابتدا میں ہی زبان کو ان طریقوں سے سیکھنے کی کوشش کرنا جو جلد از جلد اس کو ان مہارتوں سے طاق کر دیں۔ دوسری طرف بالغ شخص میں ایک فطری جھجھک ہوتی ہے۔ جس طرح ایک بچہ غلط سلط الفاظ اور جملے بول سکتا ہے، بالغ شخص اس سہولت سے نہیں بولتا یا اس کو بولنے میں سہولت نہیں ہوتی۔ یہ طریقہ بہت دیر کار گر نہ رہ سکا کیونکہ ایک تو اس میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے دوسرا یہ کہ ادارے اور کمرہ جماعت میں مسلسل ایک مصنوعی سا ماحول بنا کر رکھنا بہت آسان نہیں ہوتا۔ براہ راست طریقے کے خیالات اور نظریات اگرچہ کافی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کو مسلسل استعمال میں لانا ممکن نہیں۔ اور یہ زیادہ قابل عمل طریقہ بھی نہیں ہے۔

غیر ملکی زبان کو سیکھنے کے حوالے سے اگلا طریقہ استغراق (Immersion) کا طریقہ ہے۔ اس طریقے سے تدریس صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے کہ یہ طلبہ اس زبان کے علاقے میں چلے جائیں اور وہاں رہتے ہوئے زبان کو سیکھیں۔ کیونکہ اس طریقہ سے طالب علم زبان اور ثقافت ایک ساتھ سیکھتا ہے۔ زبان ثقافت کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے اور ثقافت کے تمام اظہاریے زبان کے ہی محتاج ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ نو آموز زبان سیکھتے ہوئے کلچر کا مطالعہ ساتھ ساتھ کرے۔ استغراقی طریقے میں طالب علم زبان کمرہ جماعت میں سیکھتا ہے۔ اپنے ارد گرد کے ہم جماعتوں اور اساتذہ سے اسی زبان میں بات چیت کرتا ہے۔ اپنے کلاس کے کام اور گھر کے کام میں اسی زبان کا استعمال کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جب وہ کمرہ جماعت سے نکل جاتا ہے تو ارد گرد کے لوگوں سے بھی اسی زبان میں بات چیت کرتا ہے۔ اسی زبان کو سنتا ہے۔ اور جب وہ دوسرے مضامین کا مطالعہ کرتا ہے تو بھی اسے اسی زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس سے ہٹ کر جب وہ ٹی۔ وی پر ڈرامہ، خبریں، اشتہار دیکھتا ہے۔ کوئی فلم دیکھنے کا تجربہ کرتا ہے یا اور کسی بھی طرح کی انٹرٹینمنٹ کے لیے جاتا ہے تو وہاں بھی اس کو وہی ماحول ملتا ہے جس کی وجہ سے وہ مسلسل اسی زبان کے سہارے چلتا ہے۔ لہٰذا اسے زبان سیکھنے کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا سب حوالوں سے سیکھی گئی زبان کو وہ خود ہی اپنے مختلف اسباق کی شکل دیتا چلا جاتا ہے اور وہاں سے سیکھی ہوئی زبان اور اس کے اظہاریے کو وہ استعمال میں لانا شروع کر دیتا ہے۔ اس طریقہ تدریس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں سکھاتے وقت الفاظ کو بیان کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے، تاکہ بات زیادہ سے زیادہ واضح ہو اور سیکھنے والا اس کو کلی طور پر سمجھ سکے یا پھر اس کو سمجھنے میں زیادہ سے زیادہ مدد ملے۔ یہ طریقہ بہت زیادہ کار گر اور دلچسپ ہونے کے باوجود اس میں کئی طرح کی مشکلات ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہ اس ماحول میں رہنے کے باوجود یہ ماحول اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب نو آموز اپنے ماحول میں واپس چلا جاتا ہے تو پھر سے وہ اپنی مادری زبان کے حصار میں آ جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس طریقے میں صرف کمرہ جماعت ہی کار گر ہو سکتا ہے۔ آن لائن تدریس میں اس سے خاطر خواہ نتائج حاصل کرنا مشکل ہے۔

ایک طریقہ حرکات و سکنات (Total Phiscal Response TRA) کہلاتا ہے۔ اس طریقے میں دوسرے تمام طریقوں کے برعکس زبان سیکھنے کے لیے بنیادی مہارتوں کو استعمال کا بھی طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ اس میں زبان کی عام فہم بول چال کی بجائے الفاظ اور افعال کے درمیان تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لیے اس میں پہلے زبان سیکھنے والے کو زبان بولنے کے دباؤ میں آنے کی بجائے زبان سمجھنے اور اس کے مطابق حرکات کرنے پر توجہ دی جاتی ہے۔

اس طریقہ کی بنیاد انسانی نفسیات پر رکھی گئی ہے۔ جب ایک بالغ کسی غیر ملکی زبان کو سیکھنے آتا ہے اور استاد اس سے وہ زبان بول رہا ہے جس پر نو آموز کی کوئی مہارت نہیں۔ اس سے ایسا مطالبہ کرنا کہ وہ کسی طرح سے استاد کے سوالوں کے جواب بھی دے پائے گا۔ یہ ایک غیر فطری سی بات ہے۔ ایک چھوٹا بچہ جب اپنی مادری زبان سیکھ رہا ہوتا ہے تو وہ زبان کو بولنے سے پہلے اس کو سنتا اور سمجھتا ہے۔ وہ والدین یا اپنے ارد گرد لوگوں کی باتیں سنتا ہے۔ اور کچھ عرصے کے بعد ان کی تفہیم کر لیتا ہے۔ اور جب کوئی اسے حکم دیتا ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ جبکہ اس وقت وہ زبان کو بولنے پر قادر نہیں ہوتا۔ TPR طریقے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کسی طرح کے تناؤ کا شکار نہیں ہوتا۔ طالب علم خاموش رہتا ہے اور اس کی اس خاموشی کی بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ کیونکہ سیکھنے والا زبان کو سیکھ رہا ہوتا ہے۔ دوسری طرف اس میں کسی بھی سطح کا طالب علم شامل ہو تو وہ ایک دوسرے سے شرمندہ نہیں ہوتے۔ بہت نچلے درجے کا طالب علم بھی استاد کو نقل کر کے بار بار کوشش کرنے سے نہیں کتراتا۔ وہ نئے الفاظ پر توجہ کرتا ہے۔ استاد اس کے سامنے الفاظ اور تلفظ

کو ادا کرتا ہے وہ بلند آواز میں نہ سہی لیکن اس کو دہرانے کی بھی کوشش کرتا ہے اور نقل بھی کرتا ہے۔ کچھ ہی ہفتوں میں طالب علم استاد کی نقل کرنے اور سننے کے بعد زبان کی مہارتوں پر مہارت حاصل کر لیتا ہے۔

اس طریقے میں استاد جو بھی تحریر میں لاتے ہیں۔ اس کو طلبا کو دکھاتے ہیں۔ اور پھر اس کے مطابق کچھ حرکت کر کے دکھاتے ہیں۔ پھر اس کو بلند آواز میں تلفظ کر ساتھ دہراتے ہیں۔ جو ایک حکم کی صورت میں ہوتا اور طلبا اس حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے بعد استاد اس عمل کو بار بار دہراتا ہے اور اس وقت تک یہ عمل جاری رکھا جاتا ہے جب تک طالب علم اس کو خوب سمجھ نہیں لیتے اور اس طرح عمل اصلاح اور تلفظ کے درمیان ایک رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر استاد ایک جملہ سکھاتا ہے۔ کھڑے ہو جائیں" اور خود بھی کھڑا ہو کر دکھاتا ہے۔ اس کے بعد جملہ دہراتا ہے اور کھڑا ہوتا ہے۔ اور ساتھ طلبا کو حکم دیتا ہے کہ ایسا کیا جائے اور استاد خود حرکت نہیں کرتا بلکہ صرف اور صرف جملہ دہراتا ہے اس طرح طلبا اس عمل کو دہراتے ہیں اور کچھ وقت کے بعد اس کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

TRP کا طریقہ بعض مخصوص حالات میں زیادہ قابل عمل ہوتا ہے لیکن اس کے ذریعے اصطلاحات سکھائی جاسکتی ہیں۔ جیسے کہ شیر کا کسی جانور پر حملہ کرنا، پھول کا کھلنا، درخت، سانپ، روشنی وغیرہ، شیر کے حملہ کرنے میں شیر کی آواز نکالنا، اس کے لیے ہاتھوں کو شیر کے پنجوں کی طرح موڑنا، اچھل کر پکڑنا یہ سب کر کے دکھایا جاسکتا ہے۔ افعال سکھانے میں بھی یہ کارگر ہے۔ اس فعل جیسی حرکات کر کے دکھایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر چلنا، بال بنانا، کھانا کھانا، پڑھنا، لکھنا، دوڑنا، گاڑی چلانا، خریداری کرنا وغیرہ۔ اس میں پہلے احکامات دیے جاتے ہیں۔ یعنی وہ جملہ دہرایا جاتا ہے پھر اس پر کچھ ہدایات دی جاتی ہیں کہ کس لفظ سے متعلق اشیا کے نام کیا ہیں۔ اور پھر اس کے مطابق عمل کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اور پھر پورا عمل بعد میں طلبا کو کرنے کو کہا جاتا ہے۔

کہانی سنانے میں بھی یہ طریقہ کارگر ہوتا ہے۔ کچھ اس بات کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ طلبا کسی بھی عمر کے کیوں نہ ہوں۔ وہ کہانی سننے میں دلچسپی ضرور ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے کہانی سناتے ہوئے ان کو وہ تمام عمل ساتھ ساتھ کر کے دکھائے جاتے ہیں۔ اس طرح سے وہ دلچسپی کے ساتھ ان تمام افعال اور اعمال کو دیکھتے ہیں، سننے اور دیکھنے کا عمل بہت زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس سے سیکھنے کے بعد طلبا دیر تک یاد بھی رکھ سکتے ہیں۔

جہاں تک اس طریقے میں مشکلات کی بات تو یہ کہنا بالکل مشکل نہیں کہ اس سے بعض ایسے افعال اور اعمال نہیں سکھائے جاسکتے جن کو کمرہ جماعت میں اشاروں سے ادا کرنا بہت مشکل ہو۔ مثال کے طور پر چائے پینے اور کافی پینے میں فرق کو سمجھانا انتہائی مشکل عمل ہے۔ یا آپ لکھنے کے بارے میں بتاسکتے ہیں لیکن وہ کیا لکھ رہا ہے یعنی کہانی، خط، کتاب، گھر کا کام یا کچھ اور اس پر وضاحت دینا بھی آسان نہیں۔ اس طرح جانوروں کے نام بتانا بھی مشکل عمل ہے۔ اکثر جانوروں کی عادات اور حرکات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اور کئی بار سکھاتے ہوئے یہ عمل ٹیڑھی کھیر بن جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ طریقہ کافی کارگر ہے اور جدید طریقوں میں سے ایک ہے۔

بات چیت کرنے کا طریقہ اس وقت دنیا میں غیر ملکی زبان سکھانے کا سب سے کارگر اور مفید طریقہ مانا جاتا ہے۔ ماضی میں پیش کیے جانے والے بہت سے طریقوں میں سے سب کی انتہا ہے۔ یہ طریقہ بنیادی طور پر بات چیت کرنے (Convocate) کرنے کی صلاحیت پر انحصار کرتا ہے۔ اس طریقے میں سوال جواب، مسئلہ بیان کرنا، کہنا، سننا، کام تفویض کرنا، کسی موضوع کے بارے میں سوچنا وغیرہ پر انحصار کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار میں حدفی زبان (Target Language) کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اور اسی میں بات چیت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے استعمال کے بارے میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بولنے والوں کی زبان کی کیفیت کیا ہے۔ وہ کس حد تک اس میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور زبان کا رجسٹر کیا ہے۔ کیونکہ رسمی اور غیر رسمی زبان میں فرق لازمی شے ہے۔ اس کے بعد اس میں سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں۔ ان سرگرمیوں میں سیاق وسباق کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ کسی شے کا ابلاغ کیا جانا کیوں ضروری ہے۔ اس ابلاغ کا مقصد کیا ہے۔ ان سرگرمیوں میں کھیل، معلومات کا فرق بیان کرنے، تاثرات دینا، کسی کردار کی نقل کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

زبان کے سیکھنے والے طلبا کا زبان سیکھنے کے حوالے سے جو بھی رویہ ہو اس کے مطابق وہ اس میں اپنی سہولت کرتے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی چاروں مہارتوں یعنی سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا میں اپنی استعداد بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

اس طریقے میں سبقی مشقیں تیار کرتے وقت طلبا کی عمر، ان کی ذہنی سطح، ان کی ضروریات دلچسپی وغیرہ کو مد نظر رکھا جاتا ہے، کہ وہ بنیادی طور پر کیا سیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ اس طریقہ میں سب سے مرکزی کردار استاد کا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح سبق کے آغاز سے ہی طلبا کی دلچسپی بڑھائے رکھتا ہے۔ یہاں پر استاد کی

حیثیت ایک گائیڈ یا سہولت کار کی سی ہوتی ہے۔ یہاں پر امتحان لینا اور غلطی کرنے کے بعد نرمی سے اسکی اصلاح کرنا بھی اس عمل کا حصہ سمجھا جاتا ہے جبکہ استاد سیکھنے والوں کی اصلاح کرتے وقت ان کی درستی کرتا جاتا ہے اور اس بات کو بھی مد نظر رکھتا ہے کہ کس طرح ان کی زبان بولنے اور لکھنے پڑھنے میں روانی پید اہو سکتی ہے۔

اس طریقہ میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ طلبا کو عام طور پر رٹے رٹائے مکالمے یاد نہیں رہتے۔ اس لیے جب بھی اس طریقے میں کچھ سکھایا جاتا ہے تو اسے سیاق وسباق کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی شے کو سمجھنے کے لیے اس کا سیاق یاد رکھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر طلبا کو کسی تصویر سے سکھانا مقصود ہو تو اگر استاد اپنے کسی تجربے کی تصویر دکھائے اور اس کے بعد اس کی وضاحت اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کرے تو طلبا کی دلچسپی زیادہ ہو گی اور اس تصویر کا سیاق بھی بالکل حقیقی ہو گا۔ دوسرا تصویر پر اس طریقے میں بات چیت کرتے ہوئے ابلاغ کی ضرورت ہو گی۔ یعنی بات چیت کا انداز فطری ہونا چاہیے۔ کسی دوسری زبان میں ترجمہ کا استعمال اس وقت کرنا چاہیے جب صورتِ حال ناگزیر ہو جائے۔ اور طلبا بہت زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہوں۔ اس طریقے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں وہ تمام طریقے یا اپروچیں شامل کی جاسکتی ہیں جو زبان پڑھانے اور سکھانے میں طلبا کی مددگار ہو سکتی ہیں۔ اس میں طلبا سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ حقیقی طور پر گروپ اور جوڑے بنا کر اپنے کام، اپنی تحریریں یا پھر اپنے مکالمے ایک دوسرے کو دکھائیں اور ان میں اصلاح کریں یا اضافے کرنے کی کوشش کریں۔

گروپ کی صورت میں زبان سیکھنے کے حوالے سے ایک اور طریقہ کافی مقبول ہے اور جدید بھی جسے تفویضی طریقہ تدریس (Task Based Language) کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ ابلاغ کرنے اور مخصوص کاموں کو تفویض کر کے ان کو مکمل کرنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس طریقے میں زبان سیکھنا یا سکھانا دونوں آسان ہے۔ اس طریقے میں طلبا کو مختلف کام یا اسائنمنٹس دیے جاتے ہیں۔ جس کو مکمل کرنے کے لیے وہ خود سے زبان کے الفاظ، جملوں کی ساخت وغیرہ کو ترتیب دیتے ہیں۔ اس طریقہ تدریس میں وہ گرامر کی وضاحت یا پھر سوال جواب سے ہٹ کر روزمرہ زبان کی معیاری صورت میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں۔ اس طریقہ میں استاد مرکزی سکھانے والا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ طلبا گروپ میں کام کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بات چیت کے ذریعے کام کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی اصلاح بھی کرتے

جاتے ہیں۔ اساتذہ اور ساتھیوں کی مثبت رائے اور حوصلہ افزائی طلبا کے اعتماد کو قائم رکھتی ہے اور ان میں بات چیت کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

استاد کورس کے ابتدا سے طلبا کی دلچسپی کو جان لیتے ہیں اور اس کے مطابق ٹاسک مہیا کر جاتے ہیں۔ طلبا کا تجربہ ذاتی ہے استاد کی راہنمائی میں بات کا سیاق وسباق واضح ہوتا ہے۔ جس سے طلبا کی زبان سے واقفیت گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔

طلبا جدید ترین طریقوں میں سے ایک ہے لہٰذا اس کے تمام عمل کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کو انگریزی میں

1۔ The Pre Task

2۔ The Task

3۔ The Review

کہا جاتا ہے کہ پہلے حصے میں کام کی تیاری کی جاتی ہے۔ استاد طلبا کو موضوع متعارف کراتا ہے۔ اسے ان کو حل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور ان کو کام پر لگا دیتا ہے۔ دوسرے حصے میں طلبا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں استاد کا عمل دخل بہت کم ہوتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر وہ طلبا کی کچھ راہنمائی کرتا رہتا ہے۔

آخر میں جب طلبا تمام کام مکمل کر لیتے ہیں اس وقت کام کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ طلبا اپنے اپنے کام کی پیشکش کرتے ہیں۔ استاد اس کی جانچ کرتا ہے۔ دوسرے طلبا بھی اس پر اپنی رائے دیتے ہیں۔ یہ سارا عمل اس زبان میں کیا جاتا ہے جس کو سیکھنے کی طالب علم کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ یعنی ہدفی زبان Target Language اسی میں اصلاح کی جاتی ہے اور اس میں رائے دی جاتی ہے۔ اس طرح مطلونہ ہدف حاصل کرنا آسان ہوتا ہے۔ اصلاح اور غلطیوں کی نشاندہی کے عمل سے طلبا مستقبل میں اپنی صلاحیتوں کو بڑھاتے ہیں اور وہ خود سے اپنے کام کا تجربہ کرنے کے بعد اس میں بہتری کے احکامات تلاش کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ بھی متعدد ایسے طریقے میں جن کو ماہرین کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ پڑھنے کا طریقہ (Reading Method) اس طریقے میں کسی دوسری زبان میں عملی مضامین کو سیکھنے اور پڑھانے میں مدد ملتی ہے۔ اس طریقے میں جملے، اصطلاحات کے ساتھ ساتھ گرامر سکھائی جاتی ہے۔ اور ذخیرہ الفاظ کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔

اس طرح آن لائن یا کمپیوٹر اسٹینڈ لینگوئج لرنگ (CALL) یا اس طرح متعدد طریقے میں جو زبان کی تدریس کسی خاص مقصد کے لیے کرواتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اور صرف زبان کی تدریس کسی خاص مقصد کے تحت ہوتی ہے۔ اسی طرح کا ایک طریقہ (Conecuting language leraning) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ جس میں استاد کی بجائے کسی کو ایک مشیر کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ طالب علم خود سے مشق کرتے ہیں اور زبان سیکھنے میں استاد وہاں صرف غلط درست بتاتا ہے اور کچھ اصلاح کرتا چلا جاتا ہے۔

اب یہاں مسئلہ یہ سامنے آتا ہے کہ مختلف ماہرین کے ہاں اس قدر زیادہ تدریس کی اپروچیں اور طریقے موجود ہیں۔ ان میں سے انتخاب کیسے کیا جائے کہ وہ کون کون سے طریقے یا سلیقے ہیں جن کی مدد سے کسی غیر ملکی زبان سکھائی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ یہ ایک واضح امر ہے کہ غیر ملکی زبان کی تدریس صرف اور صرف کسی ادبی یا سائنسی مضمون کی طرح یک رخی نہیں ہوتی بلکہ زبان کسی بھی علاقے کے کلچر کا واضح مظہر ہوتی ہے۔ جس کا دائرہ کار اس علاقے کی ہر اس شے پر محیط ہوتا ہے جو وہاں پائی جاتی ہے۔ چاہے وہ مادی ہو یا غیر مادی ہو۔ زبان کے دائرہ کار میں جہاں روزمرہ زندگی کے معمولات آتے ہیں۔ وہاں رسم و رواج، سائنس، طب، ادب، سماجیات، معاشیات، زراعت غرض کہ ہر ہر پہلو اس میں سامنے آتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی غیر ملکی کو زبان سکھاتے ہوئے ان سب مظاہر کو سامنے رکھا جاتا ہے۔

اوپر زیر بحث آنے والوں طریقوں میں سے کچھ طریقے زبان کے کسی نہ کسی خاص پہلو کو اپنا موضوع بحث بناتے ہیں۔ کوئی طریقہ، گرامر اور قواعد پر زور دیتا ہے۔ کسی میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو کسی کا مرکزی نقطہ ترجمہ، کوئی بول چال پر انحصار کرتا ہے تو کوئی پڑھنے اور لکھنے پر توجہ کرتا ہے۔

لیکن جب کسی غیر ملکی طالب علم کو زبان سکھا رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت بہت بنیادی سطح پر جملے حروف کو پڑھانے اور ان کو یاد کروانے کے لیے اس کے ساتھ حروف کی شکلوں، بنیادی مکالموں کی تدریس کے لیے کسی نہ کسی جگہ ان سب کو رٹا لگوا کر یاد کروانا ہوتا ہے۔ لیکن جب یہی طالب علم بنیادی جملے بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو جملے کی ساخت، زمانے، فعل، فاعل، مفعول، ان کی بدلتی ہوئی شکلیں سامنے لاتے ہیں۔ تراکیب، ترکیب نحوی وغیرہ سکھاتے وقت تو املا کی تدریس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جہاں پر انہیں ترجمہ کا طریقہ استعمال کر کے سکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات کسی دوسری زبان کا سہارا لیتے ہوئے۔ جملوں یا لفظوں کے معنی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

کمرہ جماعت میں داخل ہوتے وقت کھڑے طلبا کو بیٹھے کا کہنا، ان کو کتابیں کھولنے، کچھ تحریر کرنے، کچھ پڑھ کر سنانے وغیرہ جیسے احکامات دیتے ہوئے TPR یا جسمانی رد عمل کے طریقے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے طلبا اس کو روزانہ کی بنیاد پر دہراتے رہتے ہیں۔

کچھ پڑھانے کے بعد گھر کا کام دینا، کلاس میں کوئی کام کروانا، امتحان میں شامل کرنے کے کچھ مخصوص چیزوں کی وضاحت کرنا وغیرہ ایسے عوامل ہیں جن میں تفویضی طریقہ تدریسTask Basd Method استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف نصابی کام کرتے ہوئے مختلف طریقہ ہائے تدریس اور اپروچیں استعمال کی جاتی ہیں۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں بہترین طریقہ تدریس وہی ہوتا ہے جس میں استاد ضرورت کے مطابق اور صورت حال کی مناسبت سے طریقے کو تبدیل کرتا رہے۔ کیونکہ کسی مخصوص طریقے تک طلبا کو محدود کر دینے سے ان کے سیکھنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور وہ کسی ایک مہارت کو سیکھتے جاتے اور دوسری طرف توجہ ہی نہیں کر پاتے۔ کسی بھی اچھے استاد کے لیے ضروری ہے کہ طلبا کی عمروں ان کی ذہنی سطح، ان کی مادری زبان، ان کی ضروریات وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا طریقہ اپنائے جس سے طلبا کی صلاحیتیں ان کی ضرورت کے مطابق کھل کر سامنے آ سکیں۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طلبا کے لیے سب سے اہم زبان کو سیکھنا ہے کہ وہ کس خاص طریقہ یا اپروچ کو سیکھتا ہے۔

جہاں تک اردو کی غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس کا تعلق ہے تو اردو کی تدریس بطور زبان کی تاریخ تو طویل ہے لیکن اس کی تدریس کے جو طریقہ ہائے کار اب تک رائج رہے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جن میں اردو کی تدریس ادب کے ذریعے کرنے کی طرف توجہ دی جاتی رہی ہے۔

دوسری طرف کئی مسائل کے پیش نظر طرح طرح کی مشکلات سامنے آتی رہی ہیں۔ جنہوں نے اردو کی غیر ملکی زبان کی تدریس کے حوالے سے ہر سطح پر رکاوٹیں پیدا کی ہیں۔

ان مشکلات کو اگر عمومی طور پر دیکھا جائے تو یہ تین طرح کی مشکلات ہو سکتی ہیں۔

1۔ طلبا کو درپیش مشکلات

2۔ اساتذہ کو درپیش مشکلات

3۔ سسٹم میں موجود مسائل

تینوں سطح پر درپیش مشکلات میں اساتذہ کی مشکلات کو بھی دو سطحوں پر ہیں۔ ایک ان اساتذہ کی مشکلات میں اردو جن کے لیے ایک اجنبی یا غیر ملکی زبان ہے۔ لہٰذا ان کے طلبا بھی غیر ملکی ہیں۔ یعنی ایسے اساتذہ جو دوسرے ممالک میں اپنے اداروں میں اردو پڑھا رہے ہیں۔ دوسری سطح پر مشکلات نے ان اساتذہ کے لیے ہیں جو ہیں تو اہل زبان لیکن اردو ان کے شاگرد غیر ملکی ہیں اور وہ ان سے اردو سیکھ رہے ہیں۔

اسی طرح سسٹم میں موجود مسائل کو بھی دو سطوں پر پرکھا جا سکتا ہے۔ ایک طرف تو اردو زبان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو یا تو متنازعہ ہیں یا پھر ان میں سے اصلاح کی گنجائش ہے۔ وہ نہ صرف اردو دانوں کے لیے مشکلات کا سبب بنی ہیں بلکہ غیر ملکی بھی ان مشکلات سے محفوظ نہیں۔

دوسری سطح پر مشکلات زبان سکھانے کے نظام میں ہیں کہ جس طریقے سے ہم غیر ملکیوں کو زبان سکھا رہے ہیں۔ وہ ایک قدیم طریقہ تدریس ہے جس میں خامیاں موجود ہیں۔ یا پھر دنیا ٹیکنالوجی کے دور میں بہت آگے نکل گئی ہے لیکن ہم ابھی تک بھی اسی کلاسیکی طریقے پر انحصار کر کے زبان سکھا رہے ہیں۔

ان مسائل میں سے سب سے پہلے طلبا کے مسائل ہیں کیونکہ کسی بھی زبان کو سیکھنے والے طلبا ہی ہیں۔ اور ان کو درپیش مسائل اس معاملے میں سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں اس کی وجہ سادہ ہے کہ طلبا کی مشکلات کو اگر کم سے کم کیا جائے ان کی سیکھنے کی تعداد بھی بڑھ سکتی ہے اور ان کی استعداد کار میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ راقم کے تجربے کے مطابق مختلف لسانی پس منظر رکھنے والے طلبا کے مسائل بھی مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کورین زبان کی گرامر اور خاص طور پر جملے کی ساخت اردو کے جملے سے مطابقت رکھتی ہے اس لیے ان کو جملہ بنانے میں مشکل نہیں۔ ہجا، عربی فارسی والوں کے لیے رسم الخط میں زیادہ مشکل نہیں اگر عربی والوں کے لیے انگریزی الفاظ کا استعمال سہولت پیدا کرتا ہے۔ ہندی والے بول چال میں آسانی محسوس کرتے ہیں، چینیوں کے لیے بعض آوازیں پیدا کرنا اور اعراب کے ساتھ تلفظ کو مختلف آسان ہوتا ہے۔

جس طرح یہ آسانیاں موجود ہیں اسی طرح طلبا کا پس منظر ان کی مادری یا علاقائی زبانوں کی ساخت ان کے لیے مختلف مسائل پیدا کرتے ہیں۔

اردو کو بطور غیر ملکی زبان کے سیکھتے ہوئے طلبا اکثر اوقات مشکلات محسوس کرتے ہیں۔ طلبا اردو کو بطور غیر ملکی زبان سیکھنے میں جو سب سے زیادہ مشکل درپیش ہے وہ ہکاری یا ہائیہ آوازاں کی ادائیگی کا مسئلہ ہے۔

راقم نے جب مختلف زبانوں کے طلبا سے بات کی یا ان کی تدریس کے دوران مشاہدہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ طلبا جب ایک ہی حروف کو سادہ بولتے اور پڑھتے ہیں تو وہ زیادہ مشکل محسوس نہیں کرتے لیکن وہ حروف جن کی ہکاری آوازیں بھی موجود ہیں، ان کو اکثریت غیر ہکاری آوازوں سے ادا کرتے ہیں۔ اس میں اکثر تو اس وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ ان کی مادری زبانوں میں ہکاری آوازیں نہیں ہوتیں۔ یا اگر کسی زبان میں چند آوازیں ایسی ہیں بھی تو وہ اتنی زیادہ نہیں اور اس قدر بھاری بھی نہیں جتنی اردو میں ادا ہوتی ہیں۔

اس طرح ہندی آوازوں والے دوسرے حروف جن کے اوپر چھوٹا "ط" آتا ہے۔ مثلاً ٹ، ڈ، ڑ ان کی ادائیگی میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً بعض انگریزی پس منظر والے طلباٹ کی آواز تو ادا کر لیتے ہیں لیکن ڈ، ڑ کی آوازوں سے ملا دیتے ہیں۔

اسی طرح چینی پس منظر والے "ر" کی آواز کو بولنا انتہائی مشکل ہے۔ چینی آوازوں میں "ر" کی آواز موجود ہے لیکن وہ کسی لفظ میں درمیانی حرف کے طور پر تو اس کی آواز ادا کر لیتے ہیں۔ لیکن کسی بھی لفظ کی ابتدائی یا آخری آواز کی ادائیگی ان کے لیے ناممکن حد تک مشکل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں ج کی آواز بھی موجود نہیں تو وہ اس کو ادا کرتے ہوئے بھی مشکل محسوس کرتے ہیں۔

عربی پس منظر والوں کے لیے فارسی اور ہندی دونوں زبانوں کے حروف بولنا آسان نہیں مثلاً گ کو، کبھی ع سے اور کبھی ج سے ملا دیتے ہیں۔

ہکاری مسئلہ معکوسی آوازوں (Reflex) سے پیدا ہوتا ہے۔ غیر ملکیوں کو بہت زیادہ مشق کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ مدت کی مشق کے بعد بھی اس کا مکمل اظہار نہیں کر پاتے۔

اسی طرح مصوتوں کی ادائیگی کا مسئلہ الگ ہے کہ اردو کے تین مصوتے مختصر اور تین طویل مصوتے ہیں۔ یہ طویل مصوتے کبھی حرف صحیح کی آواز پیدا کرتے ہیں اور کبھی یہ مصوتے کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ جن کا اظہار حرف اور اعراب دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ جبکہ اردو رسم الخط میں اعراب لگانے کا رواج بہت کم ہے۔ جس کی وجہ سے غیر ملکی طالب علم ان آوازوں میں الجھ جاتا ہے۔ لہٰذا جب طلبا کی مادری زبان مختلف ہوتی ہے تو ان مصوتوں کی ادائیگی بھی بہت مختلف طریقوں سے کرتے ہیں مثلاً عربی پس منظر کے طلبا کے لیے اعراب کی ادائیگی بہت آسان ہوتی ہے۔ لہٰذا جس قدر آسانی سے عربی طلبا حروف کی اعراب کے ساتھ قرات کر سکتے ہیں۔ اکثر اوقات تو ان کو سکھانے والا پاکستانی استاد بھی اس قدر اچھی قرات نہیں کر سکتا۔ اس

کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کی زبان میں اعراب کی موجودگی اور تلفظ کرنے کی مشق بہت زیادہ ہے۔

جبکہ چینی پس منظر رکھنے والے طلبا کے ہاں مسائل اس سے قدرے مختلف ہیں۔ چینی زبان میں ایک ہی حروف کو مختلف جگہوں پر چار مختلف آوازوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ جس کو Tons کہتے ہیں۔ لیکن وہ آوازیں اردو زبر سے مطابقت رکھتی ہیں یا مد جیسی ہیں یا ساکن حروف کی آواز سے مشابہہ ہے۔ جس کی بنا پر وہ حروف کی مفتوح اور مکسور آوازیں نکالنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں اور اس پر کبھی آواز کو معروف اور کبھی مجہول بنا دیتے ہیں۔ یا پھر بعض اوقات ان میں فرق نہیں کر پاتے۔

انگریزی پس منظر کے طلبا کو مشکل "ا" کی مجہول آوازوں میں مشکل پیش آتی ہے۔ کیونکہ انگریزی میں او، اے کے مقابل کوئی آواز موجود نہیں۔ مصوتوں کی یہ الجھن ایسی ہے جس کی اصلاح کے لیے اردو میں اعراب کا چلن تھا۔ لیکن جدید دور میں آکر جب سے کمپیوٹر کمپوزنگ کا عمل شروع ہوا۔ اب اعراب آہستہ آہستہ ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے طلبا مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔

عمومی طور پر زبانوں میں گنتی بہت سادہ ہوتی ہے ایک سے دس تک اور پھر تیس، بیس، چالیس وغیرہ یعنی ہر ہندسے کے لیے الگ سے لفظ موجود ہیں باقی دہوں کے آگے پھر ایک دو تین ہی دہرائے جاتے ہیں۔ جیسے انگریزی میں ہے اسی طرح چینی، فارسی وغیرہ میں بھی اسی طرز پر گنتی موجود ہے۔ جبکہ اردو گنتی ایک سے لے کر سو تک ہر ہندسے کے الگ سے نام ہیں۔ یعنی طالب علم کو ایک سو الفاظ یاد کرنے پڑتے ہیں۔ جس کی بنیاد پر اکثر طلبا گنتی میں چوک جاتے ہیں۔

اسی طرح جملے کی ساخت پر اگر بات کی جائے تو اردو جملے کی ساخت بہت سادہ نہیں۔ انگریزی میں جملے عمومی طور پر تین حصے ہوتے ہیں۔ یعنی فعل، فاعل اور مفعول وغیرہ ان میں کچھ حروف کا استعمال کر کے زمانے وغیرہ کا ظاہر کیا جاتا ہے۔

اردو گرامر کی بنیادی کتابوں کو عربی کی طرز پر رکھا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ عربی پس منظر والے طلبا کے لیے تو کسی حد تک آسان ہے جبکہ دوسرے تمام طلبا کے لیے پیچیدہ تر ہونی چاہیے۔ مثلاً انگریزی میں اسم (NOUN) اور صفت (ADJECTIVE) دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جبکہ اردو میں ایسی صفت بھی اسم کی ایک ذیلی شکل ہے جس کو اسم صفت کہا جاتا ہے۔ اور ایک ہی لفظ کبھی اسم کے طور پر آتا ہے اور کبھی صفت کے طور پر آتا ہے۔ اور یہ سادہ طرز نہیں ہے۔

اسی طرح چینی زبان میں صفات بالکل الگ ہیں۔ جبکہ ان کے ہاں اسم کیفیت بھی الگ ہیں۔ جبکہ اردو میں یہ سب اسم کی ذیلی اشکال ہیں۔ جب طالب علم ان کو سیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ الجھ کر رہ جاتا ہے کہ ایک دم سے ایک لفظ شکل تبدیل کیے بغیر اپنی کیفیت کیسے بدل گیا ہے۔ اردو حروف اپنے نام سے کچھ الجھنیں پیدا کرتے ہیں مثلاً حروفی تہجی، حروف مرکب، اور پھر حروف جو جملوں میں استعمال ہوتے ہیں حروف جار، حروف وغیرہ۔

انگریزی میں حروف Preposation کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جبکہ ادھر بھی ان کو Postposition کہا جاتا ہے کہ اصل لفظ کے بعد استعمال ہوتے ہیں۔ دوسری کئی زبانوں کی طرح اردو کے ان حروف کی تدریس آسان نہیں اور ہمیشہ ان کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرتے ہیں خاص طور پر یاد رکھنا مشکل امر ہے۔

غیر ملکی طلبا کے لیے سب سے پیچیدہ اور الجھا دینے والا معاملہ غیر حقیقی مذکر مونث ہیں۔ ان کو یاد رکھنا نہایت مشکل ہے۔ کہ بہت سے فارمولے اور ہدایات ہونے کے باوجود بھی کئی عام استعمال کے اسماء بھی ایسے ہیں کہ جن کو یاد رکھنے کے لیے رٹا لگانے کے سوا کوئی طریقہ موجود نہیں۔ مثلاً کتاب، بس، نقل، محبت، بوتل، میز، بیگ، فرش، قالین وغیرہ۔ سینکڑوں ایسے لفظ ہیں جن پر کوئی اصول لاگو نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض الفاظ ایسے ہیں جن کو غلط العوام کے طور پر بول چال میں غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اردو اخبار ان کی عام مثالیں ہیں۔ اسی کے ساتھ بعض ایسی اشیا جن کے لیے ایک سے زیادہ نام لیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک مذکر اور دوسرا مونث ہوتا ہے۔ مثلاً ماتھا مذکر جبکہ پیشانی مونث ہے۔ کتابچہ، مذکر اور کتاب مونث ہے۔ چارپائی مونث جبکہ کھٹولا مذکر بولا جاتا ہے۔ جبکہ اردو میں مستعمل انگریزی حروف کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے۔

مندرجہ بالا مشکلات تو ایسی ہیں جو زبان کو سیکھنے کے حوالے سے طلبا کو درپیش ہیں۔ اس سے ہٹ کر بعض مشکلات ایسی موجود ہیں جو زبان میں نہیں بلکہ ان کا تعلق نظام سے ہے۔

جہاں طلبا کو اردو سیکھنے میں مشکلات درپیش ہیں وہاں اساتذہ بھی بعض مشکلات کا شکار ہیں۔ ان میں سب سے پہلے مقامی اساتذہ کو درپیش مشکلات کے بارے میں چند ایک کی نشان دہی کرتے ہیں۔ مقامی اساتذہ سے مراد ایسے استاد ہیں جن کا تعلق پاکستان یا ہندوستان سے ہے اور انہوں نے مادری زبان کے طور پر یا پھر ثانوی زبان کے طور پر اردو اپنے ماحول سے سیکھی۔

طلبا کی طرح اساتذہ کو بھی سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے۔ جب بازار میں اردو زبان اور اسکی مہارتوں کی تدریس کے لیے کوئی معیاری کتب دستیاب نہیں ہوتیں۔ پاکستان کی مختلف جامعات میں جب دیکھا جاتا ہے کہ ہر جامعہ میں اپنے اپنے الگ نصاب مرتب کیے ہوئے ہیں۔ اور ان نصابات میں سے بھی اکثر اساتذہ کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان اساتذہ میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی تعلیم کے دوران کبھی نصاب سازی کے متعلق کوئی علم حاصل نہیں کیا ہوتا۔ جس کی بنیاد پر جو نصاب وہ ترتیب دیتے ہیں۔ ان کو وہ خود تو شاید پڑھا لیتے ہوں لیکن وہ کسی دوسرے استاد کی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ نتیجتاً غیر معیاری نصاب مرتب ہوتے ہیں۔ دوسری طرف بازار میں دستیاب کتب میں سے اکثر ایسی ہیں جن کو یا تو مقامیوں کو اردو سکھانے کے لیے مرتب کیا جاتا ہے یا پھر وہ بہت پرانی ہیں اور اپنے اپنے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب دی جاتی ہیں۔ جس کی بنیاد پر اساتذہ ان کا سہارا تو لیتے ہیں لیکن وہ غیر ملکی طلبا کی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکامی کتابیں شمار ہوتی ہیں۔

دوسری طرف اردو کی تدریس کے مختلف مدارج ہیں۔ اور مہارتیں جبکہ اردو زبان کی تدریس کے حوالے سے کوئی بھی مواد یا تدریسی ماڈل ایسے تیار نہیں کیے جاسکتے جن کی روشنی میں ایک زبان کو معیاری طور پر سکھایا جاسکے۔ کیونکہ مختلف سطحوں پر طلبا کو ایک ہی مہارت کہ ایک سے زیادہ اساتذہ سکھاتے ہیں تو سب کے پاس اپنے اپنے پڑھانے اور سکھانے کی اپروچ ہوتی ہے۔ بعض اساتذہ جو دیر سے زبان سکھا رہے ہیں وہ اب بھی اسی روایتی انداز میں سکھاتے ہیں۔ جبکہ بعض اساتذہ جو زبان خود بھی سیکھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ بنیادی طور پر ادب کے طالب علم رہے ہیں اور اب آکر زبان پڑھا رہے ہیں۔ ان کے ہاں بھی زبان کی تدریس کی بنیادی مہارتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ زبان کی یہ مہارتیں پہلے تو ہر سطح کے طالب علم کے لیے مختلف ہوتی ہیں اور دوسری طرف یہ سب مہارتیں ایک ہی وقت میں پڑھائی نہیں جاسکتیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ تدریس کے دوران ان مہارتوں کو مختلف اپروچیز کے ذریعے پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن کوئی مناسب اور بنیادی لائحہ عمل نہ ہونے کے سبب اساتذہ کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ جس کی بنا پر وہ خود مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔

اداروں میں ایک بنیادی مشکل یہ بھی ہے کہ کسی طرح کا کوئی تدریسی ماڈل نہ ہونے یا پھر ہونے کے باوجود اس پر توجہ نہ ہونے کے سبب اساتذہ جو مختلف مہارتیں پڑھا رہے ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان مکالمہ

نہیں ہو پاتا۔ اس مکالمے کی فضانہ ہونے کی وجہ سے اساتذہ بعض اوقات تو اس قدر دوری پر کھڑے ہوتے ہیں کہ غیر ملکی طالب علم سمجھ نہیں پاتا کہ مختلف کلاسوں میں ہونے والی تدریس کو آپس میں کس طرح مربوط کیا جائے۔ اور ان سب اساتذہ کا مقصد کیا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی جماعت کو پڑھانے والے اساتذہ کا آپسی مکالمہ نہیں ہوتا جس کی بنیاد پر یا تو وہ مختلف سطحوں کی تدریس کر رہے ہوتے ہیں یا پھر بعض اوقات وہ ایک ہی نوعیت کے سبق کو بار بار دہرا رہے ہوتے ہیں۔ ایسا کرنے سے نہ صرف طلبا الجھن اور مشکل کا شکار ہوتے ہیں بلکہ تمام اساتذہ بھی اصل مقصد کا حصول نہیں کر پاتے۔

زبان کی تدریس کرتے وقت اساتذہ کے لیے جو شے سب سے مشکل ہوتی ہے وہ ہے زبان میں گرامر کے اصول یا قواعد کی تدریس ہے۔ اردو کے قواعد میں اردو کے اصول کم ہی استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی فارسی الفاظ کی جمع فارسی طریقے سے بنے گی جبکہ عربی الفاظ پر عربی کے قواعد استعمال ہو گی۔ اس طرح انگریزی حروف پر انگریزی کی گرامر لگے گی اسی طرح ایک ہی لفظ کے مترادفات ایک سے زیادہ ہیں۔ ایک ہی جملہ اپنے اندر کئی طرح کے الفاظ رکھنے کی وجہ سے ایک سے زیادہ طریقوں سے ادا ہوتا ہے اور ان کے معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ اکثر اساتذہ کو یہ کہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ اس کا بھی مطلب وہی ہے یا دونوں طرح سے درست جانا جائے گا۔

اردو کی غیر ملکی تدریس کے دوران کئی مشکلات ہیں جن میں سے ایک بڑی مشکل ایک ہی کلاس میں موجود مختلف پس منظر کے طلبا کی تدریس ہے۔ ایسے کمرہ جماعت میں جب کسی ایک بنیادی مہارت کی تدریس کرنا مقصود ہو تو استاد کے لیے ان کا مختلف پس منظر سے تعلق سب سے مشکل ہوتی ہے۔ مثلاً رومن رسم الخط میں لکھنے والوں کے ساتھ عربی فارسی میں تو اس وقت لکھنے کی مہارت میں مشکل ہو گی کیونکہ عربی فارسی والے اس رسم الخط سے پہلے ہی آگاہ ہوں گے جبکہ رومن والوں کو وقت لگے گا۔

اسی طرح کورین اور جرمن طلبا ایک ہی کلاس میں موجود ہیں تو استاد کو یہاں مشکل اس وقت ہو گی جب جملے کی ساخت سکھانا ہو گی۔ کیونکہ کورین زبان کے جملے کی ساخت اردو کے جملے سے بہت قریب ہے۔ جبکہ اس کے برعکس چینی کی ساخت مختلف ہے۔ اسی طرح فارسی والے شاعری، عربی والے مذہبی، انگریزی والے عمومی بول چال کے اکثر الفاظ سیکھ جاتے ہیں۔ جبکہ ہندی والوں کو صرف رسم الخط سیکھنا ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر سب کو ایک ہی ساتھ پڑھانے کی کوشش کی جائے تو مختلف مدارج اور مختلف مہارتوں میں استاد مشکل کا

شکار رہے گا۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ طلبا کو ایک ساتھ بٹھانے کی بجائے الگ الگ جماعتوں میں تقسیم کیا جائے تا کہ وہ ان اور اس طرح کی دوسری مشکلات سے بچ سکیں۔

اساتذہ کی مشکلات میں سے ایک مشکل یہ بھی ہے کہ ایسے طلبا جو کئی طرح کے مقاصد لے کر اردو زبان سیکھنے آتے ہیں۔ ان سب کو الگ الگ پڑھانے اور سکھانے کی بجائے ان کو ایک ہی کمرہ جماعت میں ایک ہی طرح سے پڑھایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کئی ممالک سے ایسے طلبا آتے ہیں۔ جن کا مقصد صرف بات چیت سیکھنا ہوتا ہے۔ اور اس کا مقصد ان کی ملازمت کی نوعیت ہے جیسے کہ وہ ہوائی اڈوں پر ملازم ہیں۔ جہاں وہ پاکستانی لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ یا پھر وہ پولیس یا فوج کے ملازم ہیں۔ اور اپنے پاکستانی ملزموں سے بات چیت کرتے میں مدد حاصل کرنے کے لیے ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ ان کو لکھنے پڑھنے سے زیادہ بول چال کی زبان میں دلچسپی ہے۔

اسی طرح بعض طلبا کاروبار کے سلسلے میں پاکستان کا سفر کرتے ہیں اور یہاں کاروبار میں اپنی دلچسپی کی وجہ سے زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کا مقصد کاروبار کرنا ہے جبکہ وہ کاروباری زبان سیکھنے کی غرض سے پاکستان آتے ہیں۔

بعض طلبا ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے مترجم کے طور پر ملازمت کرتے ہیں۔ یا پھر اخبار یا خبر یا ایجنسی میں ملازمت کرتے ہیں۔ ان کا ہدف زبان کا وہ رجسٹر ہے جس میں عوامی بول چال کے بجائے دفتری اردو سیکھنا اور دوسری زبانوں سے اردو میں تراجم کرنا ہے۔ ایسے طلبا کو لکھنے پڑھنے کی زبان سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اساتذہ کے مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جب ان تمام طرح کے طلبا کو ایک ہی جماعت میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اکثر اسباق طلبا کی دلچسپی کے نہیں ہوتے جبکہ بعض اوقات طلبا وہ چیز بھی سیکھ رہے ہوتے ہیں جس کی ان کو ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ پھر ہر طالب علم اپنی ضرورت کے مطابق سوال بھی مختلف کرتے ہیں۔ استاد مختلف طلبا کی ضرورت کے پیش نظر جب ایک سے زیادہ اسباق تیار کرتے ہیں تو کلاس کا وقت اتنا نہیں ہوتا کہ ایک ہی کلاس میں کئی اسباق پڑھائے جا سکیں۔ اس لیے استاد مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔

اساتذہ کے حوالے سے جو سب سے بڑی مشکل دیکھنے میں آتی ہے وہ نصاب ہے۔ عمومی طور پر اداروں میں نصاب جدید اصولوں پر تیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ بیس تیس سالوں سے ایک ہی طرز کا نصاب اور ایک

ہی طرز تدریس کو لے کر چل رہے ہیں۔ اکثر اساتذہ آج بھی گرامر ٹرانسلیشن کے طریقے سے تدریس کر رہے ہیں۔ جس سے وہ صرف اور صرف انگریزی کا سہارا لیتے ہیں۔ اور تمام اصول گرامر الفاظ کو انگریزی میں ترجمہ کر کے پڑھاتے ہیں جس کی وجہ سے طلبا کے سیکھنے کی صلاحیت بہت زیادہ ترقی نہیں کر پائی۔

جدید دور میں آ کر آڈیو وڈیو کی سہولت موجود ہے۔ لیکن اکثر اساتذہ ان طریقوں کے استعمال سے نابلد ہیں۔ جس کی وجہ سے یا تو وہ جدید طریقوں کے استعمال سے گھبراتے ہیں یا پھر اس محنت سے کتراتے ہیں۔ نئے مواد کی تیاری بھی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہاں دیکھا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا مسائل ایسے ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو کی تدریس بطور غیر ملکی زبان کرتے ہوئے مقامی اساتذہ بھی طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں جس کی بنا پر وہ صرف خود اپنے کام کو صحیح طریقے سے نہیں کر پاتے بلکہ طلبا بھی مختلف طرح کی مشکلات کا شکار نظر آتے ہیں۔

جہاں تک مقامی اساتذہ کی مشکلات موجود ہیں ان سے ہٹ کر غیر ملکی ایسے اساتذہ جو زبان کو سیکھ لینے کے بعد غیر ملکیوں کو ہی اپنے اپنے ممالک میں اردو کی تدریس کر رہے ہیں۔ وہ خود بھی کئی طرح کی مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ اس حوالے سے عمومی مسائل درج ذیل ہو سکتے ہیں۔

سب سے پہلی مشکل اساتذہ کا غیر تربیت یافتہ ہونا ہے۔ اردو کی بطور زبان تدریس کے حوالے سے کسی طرح کا کوئی نصاب، کوئی ورکشاپ، کوئی بھی تربیت نہیں دی جاتی۔ اس لیے اکثر اساتذہ اس حوالے سے غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اس زبان کی مہارت اپنے ہی ملک سے باہر پاکستان سے لی گئی یونیورسٹی سے حاصل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود ہی اس کی تدریس شروع کر دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ممالک کی یونیورسٹیوں میں تدریس زبان کی مہارت تو سکھا دی جاتی ہے۔ لیکن ان کے پاس اردو کی کوئی تربیت نہیں ہوتی بلکہ ہر کوئی اپنے ہی وضع کردہ طریقے سے اردو کی تدریس کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کر پاتے بلکہ ہر کسی کے پاس کوئی نہ کوئی مختلف طریقہ ہی ہوتا ہے۔ کسی بھی غیر ملکی زبان کی تدریس میں کسی غیر ملکی استاد کو جو سب سے بڑی مشکل ہوتی ہے وہ اس زبان کے مخصوص حروف کی آوازیں پیدا کرنا ہے۔ ہر انسان صرف ان لفظوں اور آوازوں کو صحیح طور پر ادا کر سکتا ہے جو اس کی مادری زبان میں ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسے کسی لفظ کو ادا کرنے کی کوشش کرے جو اس کی مادری زبان میں نہیں تو بہت کم ایسا ممکن ہو پاتا ہے کہ وہ

ان الفاظ کو صحیح طور پر ادا کر سکے۔ لیکن بعض اوقات کچھ مشق کے بعد وہ اس قابل ضرور ہو جاتا ہے کہ کچھ مزید آوازیں سیکھ سکیں۔ اردو تدریس کے دوران غیر ملکی اساتذہ بذات خود بھی اس کی تمام آوازیں ادا نہیں کر پاتے تو بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اساتذہ اردو کی ہکاری آوازوں کو یا پھر ڑ، ڈ، وغیرہ جیسی آوازوں کو ادا نہیں کر پاتے۔ اس صورت میں اساتذہ عام طور پر تو کسی ایسے شخص کو تلاش کرتے ہیں جس کی مادری زبان اردو ہے اس کے ساتھ مشق کرنے سے اپنی زبان کو بہتر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب یہ اساتذہ خود ہی ان الفاظ اور آوازوں کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے تو وہ دوسروں کی تدریس کے دوران مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات بہت مخصوص آوازوں کی تدریس میں بھی غلطی کرتے ہیں۔

دوسری بڑی مشکل اردو کے غیر ملکیوں کے لیے نصاب یا عدم دستیابی ہے یا پھر جو نصاب موجود ہے وہ بہت پرانا ہے۔ مثلاً چین میں ایک نصاب بیجنگ یونیورسٹی آف ماڈرن سٹڈیز نے مرتب کیا ہوا ہے۔ اس وقت بھی اس کا 1980ء والا ایڈیشن پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں جدید ترین ادب پارہ غلام عباس کا افسانہ شامل ہے۔ جبکہ اس سے بھی قدیم ادب پارے اس نصاب کا حصہ ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف زبان کے طلبا جدید ادب سے نابلد رہتے ہیں۔ بلکہ اس نصاب کی زبان بھی اتنی ہی قدیم ہے جس کی وجہ سے ان کی واقفیت نئی زبان سے نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس طرح دوسرے ممالک میں بھی یہی حال ہے کہ جہاں کوئی بھی جدید نصاب موجود نہیں اس طرح وہاں کے اساتذہ جب اس نصاب کو پڑھتے ہیں اور اسی نصاب سے تدریس کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں وہ ایسی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں کہ جدید زبان میں ان کو خامیاں نظر آتی ہیں، جبکہ مسئلہ ان کا خود جدید زبان سے ہم آہنگ نہ ہونا ہے۔ جدید دور کے تقاضوں کے کم ہونے سے، جس طرح ہر شعبہ علم کو جدید ٹیکنالوجی پر منتقل کیا جا رہا ہے، اس حوالے سے اردو کا دامن اس سہولت سے خالی ہے۔ غیر ملکیوں کو سب سے زیادہ سہولت اس سے ہوتی ہے کہ وہ تمام مواد انٹرنیٹ سے حاصل کر لیتے ہیں۔ جس کو وہ زبان سیکھنے میں بطور مددگار استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اردو کی بدقسمتی ہے کہ پہلے تو کوئی مواد دستیاب ہی نہیں اور اگر کوئی چیز مل بھی جائے تو وہ اس قدر غیر معیاری ہے کہ اس پر بھروسہ کرنا ایک طرف اس کو قابل توجہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

انٹرنیٹ پر موجود مواد عمومی طور پر ایسے لوگوں نے تیار کیا ہوا ہے جن کا مقصد اس سے پیسے کمانا ہوتا ہے۔ جبکہ اردو کے ادارے یا حکومت دونوں ہی اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں کر رہے جس کی وجہ سے یہ مواد غیر معیاری ہے۔

غیر ملکی اساتذہ جب طلبا کو کوئی کام دیتے ہیں یا پھر خود اپنی اصلاح کے لیے کوئی چیز تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس غیر معیاری مواد کی وجہ سے الجھن کا شکار ہوتے ہیں کہ کس طرح وہ اس کو استعمال میں لاتے ہوئے کوئی معیاری سبق تیار کر سکیں گے۔

اسی طرح اگر دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کو دیکھا جائے جن میں خاص طور پر انگریزی، چینی، عربی، فرانسیسی یہاں تک کہ ہندی وغیرہ کی بھی آن لائن لغات موجود ہیں۔ ان لغات میں کئی خوبیاں ہیں جیسا کہ لفظ کا املا دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی لفظ کا تلفظ بھی واضح کر دیا جاتا ہے۔ اب تو بولنے والی لغات بھی دستیاب ہیں۔ جن سے الفاظ سن کر ادائیگی سیکھی جا سکتی ہے۔ ماہرین اس لغت کو مرتب کرتے ہیں۔ پھر کسی بہتر تلفظ والے شخص کی خدمات حاصل کرتے ہوئے ان الفاظ کا تلفظ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ لغات انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔ یہ مقامیوں کے ساتھ ساتھ غیر ملکیوں کے لیے بہت زیادہ مفید ہوتی ہیں۔ اردو میں ایسی لغات نہ ہونے کی وجہ سے غیر ملکی طلبا مشکل کا شکار ہوتے ہیں۔ یہاں یہ لغت نہ ہونے کے سبب اساتذہ تدریس سبق کی تیاری کے وقت اکثر اپنے حافظے کی مدد سے تلفظ ادا کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کم ہی درست تلفظ اختیار کر پاتے ہیں۔

اس کے برعکس اردو کی معروف لغات بھی اغلاط سے پاک نہیں نہ صرف وہاں املا کی اغلاط موجود ہیں بلکہ ان میں تلفظ بھی غلط دیا ہوا ہے۔ اسی طرح کچھ لغات بہت قدیم ہیں جیسے کہ فرہنگِ آصفیہ اردو کا مستند لغت ہے لیکن وہ کم و بیش ایک صدی پرانا ہے۔ اردو میں جدید لغات ناپید ہیں۔ دوسری طرف دوبار پاکستان میں اور ایک بار بھارت میں بھی الفاظ کے املا کے حوالے سے سفارشات مرتب کی جا چکی ہیں لیکن کسی بھی لغت میں ان کو شامل نہیں کیا گیا۔ بلکہ زیادہ تر لغات میں پرانا املا ہی رائج ہے۔ جب کوئی غیر ملکی استاد اپنی سہولت کے لیے ان لغات کو خریدتا ہے۔ ان کی مدد سے پڑھانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اکثر غلطی کرتا ہے کیونکہ اس کا ماخذ ہی اغلاط سے پاک نہیں لہٰذا وہ نہ صرف اس املا اور تلفظ نہیں جان پاتا بلکہ وہ ان کی تدریس بھی غلط کرتا ہے۔

غیر ملکی اساتذہ کے لیے ایک اور مشکل اردو کے جدید محاورے کی عدم دستیابی ہے۔ روزانہ بول چال، سوشل میڈیا اور اردو کی عالمی سطح پر پذیرائی اور دوسری زبانوں کے اثرات کی وجہ سے اس کا روزمرہ دن بدن تبدیل ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے انگریزی کے ساتھ ساتھ کئی دوسری زبانوں کے الفاظ بھی اردو میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ جبکہ غیر ملکی اساتذہ کے پاس موجود مواد پرانا اور کلاسیکی ہے۔ وہاں لکھے گئے محاورے قدیم ہیں۔ ان کے ہاں کوئی جدید شے ایسی نہیں پہنچتی جس کی ذریعے سے زبان میں ہونے والی تبدیلی کو وہ دیکھ سکیں۔ لہٰذا جب یہ غیر ملکی اساتذہ طالب علموں کو جب اس طرح تدریس کرتے ہیں تو ان کے پاس کوئی نیا مواد دستیاب نہیں ہوتا اور وہ ایسی زبان کی تدریس کر رہے ہوتے ہیں جو یا تو قدیم ہوتی ہے یا پھر عام استعمال میں نہیں ہوتی۔ یہ ایسی مشکل ہے جس کی وجہ سے اساتذہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود طالب علم کو وہ سب نہیں سکھا پا رہے ہوتے جس کی ان کو ضرورت ہوتی ہے۔

جہاں تک اساتذہ کے مسائل اور مشکلات کا تعلق ہے ان کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے۔ لیکن زبان کی تدریس کے حوالے سے چند مسائل ایسے بھی ہیں جن کو سسٹم کے مسائل کہا جا سکتا ہے۔ سسٹم کے ان مسائل کو دو سطحوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک طرف تو زبان میں چند ایسی مشکلات ہیں جو غیر ملکیوں کے سیکھنے کے عمل کو سست بناتی ہیں دوسری طرف کچھ مسائل اس نوعیت کے ہیں۔ جو زبان کی تدریس کو نہ صرف سست کرتے ہیں بلکہ ان میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔

سب سے پہلی مشکل لینگویج لیب (Language Lab) یا لسانی تجربہ گاہ کی عدم دستیابی ہے۔ جدید دور میں زبان کی تدریس کو آسان اور کارآمد بنانے کے لیے جس شے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ لسانی تحقیق ہے۔ اردو میں لسانی تحقیق نہ ہونے جتنی ہے۔ جبکہ اس تجربہ گاہ کا تو شاید پاکستان میں کوئی وجود ہی نہیں۔ اس کی وجہ سے نہ تو کہیں زبان اور اس کی ساخت، اس بنیادی اور ذیلی آوازوں وغیرہ پر کوئی تحقیق کی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی اصول وضع کیے جا سکے ہیں۔ بلکہ اردو میں چند جدید ماہرین زبان جیسے گوپی چند نارنگ، گیان چند جین، سہیل بخاری وغیرہ جیسے لوگوں نے مضامین لکھ لکھ کر ہی اپنی دانست کے مطابق ان مسائل کو طے کر کے خود سے حل نکالے ہیں۔ ان ماہرین کی لسانی خدمات اور مہارت اردو کے لیے کسی غنیمت سے کم نہیں لیکن جب ان کے پاس کسی طرح کی کوئی جدید سہولت ہی موجود نہیں تو وہ کس طرح کوئی جدید طریقہ وضع کر سکتے ہیں۔

آج کل کے دور میں دنیا کی جدید یونیورسیٹوں میں زبانوں کی تدریس کمپیوٹر کی مدد سے ہوتی ہے۔ زبان کی مہارتوں خاص طور پر سننے اور بولنے کی مہارت کی تدریس، کمپیوٹر کی مدد سے مواد طلبا کو فراہم کیا جاتا ہے۔ جہاں پر استاد خود ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور طلبا ان کو سنتے اور بولتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ابھی تک ایسی کوئی لیبارٹری بھی دستیاب نہیں ہو سکی اور اگر کہیں بنائی بھی گئی ہے تو وہ طلبا کی تعداد کے لحاظ سے ناکافی ہے۔ جس کی وجہ سے ایسی تدریس آسان نہیں۔

دوسری مشکل آڈیو، وڈیو مواد کی کمی ہے۔ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق جس طرح پڑھنے کی مہارت کی کتابیں دستیاب ہیں۔ اسی طرح سننے اور بولنے کی مہارت کی تدریس کے لیے آڈیو، وڈیو مواد بہت ضروری ہے اور اس کے اسباق اس کے مواد اور اس کی تدریس کے لیے کسی طرح کا کوئی آڈیو، وڈیو مواد دستیاب نہیں۔ جس کو استعمال کرتے ہوئے اساتذہ غیر ملکی طلبا کو زبان سکھا سکیں یا طلبا خود کہیں سے اس مواد کو تلاش کر سکیں۔ کسی بھی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ طالب علم اس کو بار بار سننے اور بولنے کی کوشش کرے لیکن استاد کلاس میں چند گھنٹوں کے لیے آتے ہیں اور اپنا کام مکمل کر کے چلے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی اساتذہ اپنی سہولت کے مطابق مواد تیار کرتے ہیں۔ جو کبھی تو طلبا کی سمجھ اور توفیق سے زیادہ ہوتا ہے اور کبھی وہ غیر معیاری ہوتا ہے۔ استاد کے علاوہ کوئی دوسری جگہ بھی ایسی نہیں ہوتی طلبا جہاں سے اس مواد کو حاصل کر سکیں۔ لہٰذا طلبا اس مواد کی رسائی کے لیے استاد تک ہی محدود ہو جاتے ہیں۔

اردو اصوات میں سے بعض ایسی ہیں کہ جن کی تدریس آسان نہیں مثال کے طور پر غیر ملکی غ اور گ، ن، د، دھ، ڑ، ذ اور اس طرح کی آوازوں میں فرق نہیں کر پاتے یا پھر ان کی ادائیگی بہت آسان نہیں۔ بعض طلبا کے لیے ر کی آواز نکالنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ ایسی اصوات سکھانے کے لیے بھی کمپیوٹر لیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو بہت کم اداروں میں موجود ہے اور اگر کہیں موجود بھی ہے تو وہاں مواد دستیاب نہیں کہ کی تدریس ان مشکلات کو دور کیا جا سکے۔

نظام کی مشکلات میں سے ایک بڑی مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اردو کی تدریس کرتے وقت اساتذہ انگریزی زبان کو استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں اکثر کتابیں یا نوٹس جو غیر ملکیوں کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ وہ بھی انگریزی زبان کی مدد سے مکمل کیے جاتے ہیں۔ اس سے دو طرح کی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ جن طلبا کی مادری زبان انگریزی ہے وہ بہت جلد ہی انگریزی زبان کے ذریعے اپنا مافی

الضمیر بیان کرنے لگتے ہیں جس سے استاد اور طالب علم کے درمیان ایک ایسا علاقہ پیدا ہو جاتا ہے جہاں دونوں سہولت اور آسانی سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اردو کی طرف توجہ بہت کم ہو جاتی ہے اور طلبا اردو سیکھنے کے بجائے اپنا تمام کام انگریزی کے ذریعے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف ایسے طلبا جن کا پس منظر انگریزی نہیں بلکہ کوئی دوسری زبان ہوتا ہے۔ ان کی پہلی استعداد میں انگریزی بہت اچھی ہونا ضروری نہیں بلکہ چند ایک کو چھوڑ کر اکثر طلبا کی انگریزی بھی بہت اچھی نہیں ہوتی جس کی بنا پر جب انہیں کوئی سوال پوچھنا ہوتا ہے یا پھر کسی بات کی وضاحت کرنا ہوتی ہے تو وہ نہ ہی اردو میں اظہار کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور نہ انگریزی میں، وہ اس لیے نہیں بول پاتے کہ وہاں ان کی جھجھک حائل ہوتی ہے اور نتیجتاً وہ کسی بھی زبان میں بات نہیں کر پا رہے ہوتے۔

ب۔ نتائج

زبان پڑھانے کے عملی طور پر دو تناظر ہیں ایک طرف ادب کی تدریس کی جاتی ہے دوسری طرف زبان کی تدریس کی جاتی ہے۔ ادب بھی زبان کی ایک شکل ہے یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ادب زبان کا محتاج ہے۔ ادیب کے پاس زبان اعلیٰ اور بہترین شکل میں موجود ہوتی ہے اس لیے ادب کو بھی زبان پڑھانے میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

زبان کی تدریس عملی طور پر تین مختلف تناظر میں کی جاتی ہے۔ یعنی مادری زبان کی تدریس ثانوی زبان کی تدریس اور غیر ملکی زبان کی تدریس۔ پہلے دونوں تناظر ایسے طلبا کے لیے ہوتے ہیں جو اس خطے جبکہ تیسرا اور آخری تناظر یعنی غیر ملکی زبان کی تدریس ان دونوں سے بہت مختلف ہے۔

جس طرح دنیا بھر کی زبانوں کی غیر ملکی تدریس کی جاتی ہے اسی طرح اردو کی تدریس بھی غیر ملکی زبان کے طور پر کی جاتی ہے۔ زبان کی تدریس اور اردو زبان کی تدریس کے طریقہ ہائے کار کیا ہیں اور غیر ملکی طلبا کو اردو زبان کی تدریس کرتے وقت کون سے ماڈل یا طریقے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور ان کو کس طرح اس کی لسانی اور غیر لسانی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان طریقوں اور مسائل کو چند مفروضات کی روشنی پر رکھا گیا ہے اور کچھ نتائج اخذ کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1۔ پہلا مفروضہ یہ قائم کیا گیا تھا کہ زبان کی تدریس کے ماڈل کیا ہیں تو اس حوالے سے یہ نتیجہ

اخذ ہوا کہ زبان کی تدریس کا طریقہ بہت قدیم ہے اور پیشتر قدیم زبانوں کو غیر ملکیوں کو سکھایا جاتا رہے۔ لہٰذا زبان کی تدریس کے طریقے اور ماڈل بہت زیادہ ہے جن میں سے کچھ قدیم ہے اور کچھ جدید جبکہ کچھ طریقے متروک ہو چکے ہیں قدیم طریقوں میں سے ایک طریقہ Grammer Translation گرامر ٹرانسلیشن کا ہے جو آج بھی بہت سے زبانوں اور کئی طرح کی صورتحال میں کارگر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح براہ راست طریقہ یعنی اپنے دور کے مقبول طریقوں میں سے ایک ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ جس طرح بچہ ماحول سے سیکھتا ہے اسی طرح غیر ملکی زبان کو کسی دوسری زبان کی مدد کے بغیر سیکھنا اور سکھانا چاہیے۔ TPR یا حکمیہ طریقہ جدید طریقے ہیں۔

2۔ زبان کی تدریس اس کی مہارتوں کے حوالے سے کی جاتی ہے لہٰذا مختلف مہارتوں اور طلبا کے درجہ اور ان کی ذہنی قابلیت کے مطابق مہارت کی تدریس کی کیفیت اور اپروچ مختلف ہوتی ہے لیکن بعض طریقے کسی خاص زبان کو سامنے رکھ کر ترتیب دیے جاتے ہیں۔ اس لیے جب ان کو اس سے مختلف زبان پر استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو ان کے نتائج خاطر خواہ نہیں نکلتے اور نہ ہی وہ طلبا کے لیے سود مند ثابت ہوتے ہیں جیسے کہ مانشوری کا طریقہ بچوں کو لکھنا سکھانے کے لیے ہے جس طریقے میں حروف کے ماڈل کاٹ کر بچوں کی انگلیاں ان پر پھروائی جاتی ہیں کہ ان کا ہاتھ بیٹھ جائے لیکن یہ طریقہ ایسی زبانوں میں تو کارگر ہو سکتا ہے جن کے حروف الگ الگ لکھے جاتے ہیں لیکن اردو جیسی زبان کہ جس میں حروف کئی کئی شکلیں تبدیل کرتے ہیں اور ہر لفظ اپنی الگ شکل رکھتا ہے میں یہ طریقہ بہت کامیاب نہیں ہو سکتا۔

3۔ دوسرا مفرضہ قائم کیا گیا تھا کہ اردو زبان کی تدیس میں کون کون سے مراحل سامنے آتے ہیں تو زبان کی تدریس میں مختلف مراحل ہیں۔ کہیں کچھ مشکلات ہوتی ہیں اور کہیں کچھ عوامل ہوتے ہیں۔ زبان سیکھنے والا طالب علم کسی بھی درجے کا ہو یا زبان سیکھنے کی کی حیثیت اور وجہ کوئی بھی ہو لیکن طالب علم کو کئی طرح کی مشکلات کا سامنا ہمیشہ ہی رہتا ہے۔ جیسے ہر زبان کی گرامر اس کی محتاج ہوتی ہے زبان پہلے وجود میں آتی ہے اور گرامر بعد میں۔ لہٰذا

مقامی زبان سیکھنے اور بولنے والے براہ راست طریقے سے زبان سیکھنے کی وجہ سے اپنی زبان کے متعلق زیادہ سوالات نہیں اٹھاتے لیکن دوان میں اکثر جگہوں پر قواعد کی پابندی نہیں گئی اور غیر ملکیوں کے لیے وہ سب سوالات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ اردو کی تدریس کے دوران بھی جب گرامر کی تدریس کی جاتی ہے اکثر سوالات تشنہ رہ جاتے ہیں۔

اردو زبان کی تدریس کے حوالے سے خصوصی طور پر رسم الخط کا مسئلہ قابلِ ذکر ہے کہ اردو کے رسم الخط میں حروف کی آواز مشترک ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی شکلوں کی تبدیلی زیادہ مشکلات پیدا کرتی ہے۔ ان شکلوں کو یاد رکھنا اور نقطہ سے لفظوں کی پہچان کرنا آسان نہیں۔

اس طرح جب ایک ہی آواز کو ایک سے زیادہ حروف سے ظاہر کرتے ہیں تو کس حرف سے کون سے لفظ لکھا جائے گا اور جملہ کیا معنی دے گا یا پھر کسی ایک لفظ میں حروف کی ترتیب کیا ہو گی اور کون سے نقطے پہلے آئیں گے ان کو یاد رکھنا الگ سے مشکل ہے۔ غیر ملکی اردو زبان سیکھنا شروع کرتا ہے تو اس کو سب سے زیادہ مشکل اس مرحلے پر آتی ہے کہ درست املا کا تعین کیسے کرے جب کہ وہ آوازوں اور حروف کی شکلوں میں فرق کو پہچان نہیں پاتا۔

اردو زبان کی ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ یہ دوسری زبانوں کے الفاظ کو ہو بہو اپنے اندر سمو لیتی ہے اور انہی زبانوں کے قواعد بھی ساتھ لے آتی ہے۔ لہٰذا اس سے مشکل پیدا ہوتی ہے کہ یہ یاد رکھنا پڑتا ہے کہ کون سا لفظ کس زبان کا ہے اور اس پر کس زبان کا اصول لگے گا۔ جب یہ چیز غیر ملکیوں کے سامنے رکھی جاتی ہے تو ان کے لیے سب سے بڑی مشکل یہاں ہی پیدا ہوتی ہے کہ وہ کسی ایک اصول کو یاد کر کے جب استعمال کرتے ہیں تو صورت حال مختلف ہو کر سامنے آتی ہے۔

4۔ تیسرا مفروضہ یہ تھا کہ مختلف ماہرین اردو کی تدریس کے حوالے سے کیا رائے رکھتے ہیں۔ جب ماہرین سے اردو کی تدریس کے حوالے سے بات کی گئی تو اکثر نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اردو ایسی مشکل زبان نہیں کہ جس کو سیکھنا بہت پیچیدہ عمل ہو لیکن چونکہ اردو کی تدریس کا نظام بہت اعلی

نہیں، دوسری طرف اس میں آوازیں بہت زیادہ ہیں جو اس کی تدریس اور خاص طور پر غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس میں مشکل پیدا کرتی ہیں۔

ایک طرف تو ایسی آوازیں ہیں جن کی ادائیگی غیر ملکیوں کے لیے انتہائی مشکل ہے جیسے بعض ہکاری آوازیں اور ایسے حروف کی آواز جو خالص ہندی ہیں یا پھر ایسے الفاظ کی ادائیگی جن میں عربی اصول کے تحت اعراب کی وجہ سے آوازیں بدل دی جاتی ہیں۔ جیسے کہ تنوین کی صورت میں الف پر دو زبریں یا زیریں لگا کر اس کی آواز کو نون کی آواز میں بدل دیا جاتا ہے۔ اسی طرح "ی" پر کھڑا زبر لگا کر اس کو الف کی آواز دینا یا پھر گنبد، دنبہ، چنبیلی وغیرہ جیسے الفاظ میں ن اور ب کو ملا کر "م" کی آواز پیدا کرنا۔

لہجے کا مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے کہ اساتذہ جو اردو کی تدریس کر رہے ہوتے ہیں ان کا اپنا لہجہ بھی بہت اعلیٰ اور اچھا نہیں ہوتا جس کی وجہ سے طلبا بھی غلط لہجہ سیکھ جاتے ہیں۔ الفاظ کی ادائیگی جب وہ غلط سنتے ہیں تو اس کو پڑھتے بھی غلط ہیں۔ لکھتے اسی طرح اردو ہم صوت الفاظ میں جب حرف تبدیل ہوتا ہے تو لفظ کا معنی بدل جاتا ہے۔ اس لیے معنی کے ساتھ ہی حروف کو یاد رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کر پائیں تو بہت زیادہ غلطی کرنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

اس سے ہٹ کر ماہرین کا خیال ہے اردو گنتی بھی بہت آسان نہیں کہ اس ہر عدد الگ الگ ہے جس کو سوائے یاد کرنے کے اور کوئی طریقہ موجود نہیں۔

عمومی طور پر اردو کی تدریس کے نصاب جب مرتب کرتے وقت صرف غیر ملکی طلبا کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اور عمومی طور پر نصاب ایسے مرتب کیے جاتے ہیں کہ ان کے ذریعے طلبا زیادہ سے زیادہ ادب کو سیکھ سکیں۔ اس پر یہ بھی کہ پڑھاتے وقت اساتذہ بھی زبان کی بجائے ادب پر ہی زور دیتے ہیں۔ لیکن کسی بھی نصاب میں غیر ملکی طلبا کو مدِ نظر رکھ کر ترتیب نہیں دیا جاتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اردو میں شاذ ہی کوئی ایسی کتاب موجود ہو جس کا مقصد خالصتاً غیر ملکیوں کو اردو سکھانا ہے۔

5۔ آخری مفرضہ یہ تھا کہ کیا جو حل دریافت کیے جائیں گے کیا وہ قابل عمل ہیں یا نہیں تو یہاں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اکثر ماہرین کا خیال ہے کہ اردو ایسی ایک بہت اعلیٰ نظام کی حامل زبان ہے جس میں قواعد اور اصول و ضوابط اس درجہ کے ہیں کہ کسی بھی سطح پر اس کی تدریس آسانی سے کی جا سکتی

ہے۔ یہاں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اردو کی غیر ملکیوں کو تدریس کے لیے مواد کی تیاری کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اردو املا، قواعد اور تعلیمی مواد کی اصلاح کی جائے تا کہ اس کو پڑھنا اور سیکھنا آسان ہو سکے۔

ج۔ سفارشات:۔

1۔ اس تحقیق کے نتیجے میں جو نتائج سامنے آئے ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح دنیا کی دوسری زبانیں اپنے ممالک سے باہر بھی سکھائی جا رہی ہیں۔ اسی طرح اردو بھی ایسی زبان ہے کہ دنیا کی بہت بڑی آبادی اسے بولتی اور سمجھتی ہے۔ اس لیے اس کی غیر ملکی زبان کے طور پر سکھانے کے طریقے دریافت کرنے، وضع کرنے اور ان پر تحقیق کرنے کی عملی ضرورت موجود ہے۔

2۔ یہاں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ دنیا کی دیگر زبانوں کے حوالے سے مختلف ماہرین نے جو طریقے دریافت کیے ہیں یا پھر اپنائے جاتے ہیں وہ سب ان ہی زبانوں کے مزاج کے حساب ہیں۔ لہٰذا سفارش یہ کی جاتی ہے کہ اردو کی غیر ملکی زبان کی تدریس کے حوالے سے مختلف لسانی مہارتوں، تدریس کے مختلف ماڈلوں، طریقہ ہائے کار وغیرہ پر مزید تحقیق کی جائے تا کہ آنے والے وقت میں اردو کی عالمی سطح پر پذیرائی ہو سکے۔

3۔ سابقہ تحقیق کو صرف دو مہارتوں لکھنا اور پڑھنا تک محدود رکھا گیا ہے۔ جبکہ زبان کی دیگر دو مہارتوں سننا اور بولنا کے علاوہ قواعد اور زبان دانی کی مہارت بھی شامل ہیں۔ ان مہارتوں پر تحقیق کے دو وا ہیں۔ لہٰذا آئندہ آنے والے محقق ان مہارتوں کو بھی موضوعِ تحقیق بنا سکتے ہیں۔

4۔ سابقہ تحقیق کے نتائج میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ جہاں پر اردو کی غیر ملکی زبان کے طور پر تدریس کے لیے مختلف طرح کا معیاری مواد درکار ہے جبکہ اب تک کا دستیاب مواد یا تو انفرادی کوشش سے تیار ہوا ہے یا پھر غیر معیاری ہے اس لیے سفارش کی جاتی ہے کہ حکومتی ادارے اس طرف توجہ کریں اور مختلف پروجیکٹ کی صورت میں اس مواد کی تیاری میں معاونت کریں۔ یہ مواد کتابوں، آڈیو اور وڈیو کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

کتابیات

کتب:

- آفتاب احمد ثاقب، ڈاکٹر، اردو قواعد و املا کے بنیادی اصول، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد، 1994ء
- انعام الحق جاوید، مرتب، بیرونی ممالک میں اردو،، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1996ء
- انعام اللہ خان شیروانی، پروفیسر، تدریس زبان اردو، ساوتری پرنٹنگ پریس، کلکتہ 1989
- انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت چہارم، 1999ء
- برجموہن دتاتریہ کیفیہ، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، 1975ء
- بنجمن شلزے، ہندوستانی گرامر، ترتیب و ترجمہ وتعلیقات ابوللیث صدیقی، ڈاکٹر، مجلس ترقی ادب، لاہور،1977
- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور 2008
- جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، طبع سوم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1985
- خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، بیکن بُکس لاہور، 2009ء
- رشید حسن خان، اردو املا، مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور
- رشید حسن خان، اردو کیسے لکھیں (صحیح املا)، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1996ء
- ریاض احمد ڈاکٹر، اردو تدریس، جدید طریقے اور تقاضے، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، 2013
- زین العابدین، محمد، مولوی، آئین اردو نامی پریس، میرٹھ 1926ء
- سلیم فارانی، ڈاکٹر، اردو زبان اور اس کی تعلیم، ادارۂ مطبوعات، فارانی لاہور(طبع پنجم) 2000ء،
- سلیمان اطہر اردو کی تدریس ثانوی زبان کی حیثیت سے، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 2014ء
- سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات، حصہ سوم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1991ء
- سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1988ء
- سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1988ء
- سید سبط حسن، فورٹ ولیم کالج مشمولہ فورٹ ولیم کالج تحریک اور تاریخ تالیف سید وقار عظیم پروفیسرعظیم، ترتیب سید عتیق الرحمن، ڈاکٹر یونیورسل بکس لاہور 1986

- شان الحق حقی، لسانی مسائل و لطائف، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1996
- شانتی رنجن بھٹاچاریہ، بنگالی ہندوؤں کی اردوخدمات، ہندوستان آرٹ پریس، کلکتہ 1963
- شفیع احمد صدیقی، اردو زبان و قواعد، مکتبہ جامعہ۔ نئی دہلی، 1991ء
- شہناز نبی، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج اور حسن اختلاط، کوالٹی ویکس آفس پرنٹرز، 2003،
- عابدہ سلطانہ، ڈاکٹر، غیر ملکیوں کے لیے تدریس کی مشکلات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1998
- عبد الحق مولوی، ڈاکٹر، مرتب قواعد اردو، انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان 2009ء،
- عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کی ادبی خدمات، نصرت پبلشرز لکھنؤ 1983
- عتیق صدیقی، محمد، گلکرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو(ہند) علی گڑھ 1960ء
- عطش درانی، اردو تدریسات، اردو سائنس بورڈ لاہور، 2007ء
- علی خان بہادر پروفیسر، قواعد اردو، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ 1995ء
- غلام عباس گوندل، ڈاکٹر، کٹلر کی قواعد، کچھ نئی دریافتیں مشمولہ معیار(تحقیقی و تنقیدی مجلہ) شمارہ 8، شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، جولائی تا دسمبر2016ء
- فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو تدریس، الوقار پبلی کیشنز، لاہور 2016
- گو پی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، اردوکتاب گھر دہلی 1964
- گوپی چند نارنگ، تنقیدی و تحقیقی مضامین،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی2012
- گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی آوازیں، مشمولہ اردو املا و قواعد، مرتب فرمان فتح پوری، ڈاکٹر مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1990ء
- محی الدین قادری زور، ڈکٹر، ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب لاہور، 1961ء
- معین الدین، ہم اردو کیسے پڑھائیں، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ دہلی، 2011ء
- ندا علی خان بہادر پروفیسر، قواعد اردو، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ 1995ء
- وقار عظیم پروفیسر، مؤلف فورٹ ولیم کالج تحریک و تاریخ مرتب سید معین الرحمن ڈاکٹر، الوقار پبلی

رسائل و جرائد

- سہ ماہی اردو کالم شمارہ 7، 6دسمبر 2015ء، جنوری ء، ادارۂ تحقیقات اردو اسلام آباد2016
- ماہنامہ، اخبار اردو، اکتوبر، نومبر 1990
- سالنامہ، تخلیقی ادب، 5، نیشنل یوینورسٹی آف ماڈرن لیگویجز اسلام آباد2008
- سالنامہ، معیار، 1، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2009
- سالنامہ، خیابان 34۔ جامعہ پشاور2016
- سالنامہ، اورئینٹل کالج میگزین 86۔ 4اورینٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور 2011
- سالنامہ، الحمد6 الحمد یونیورسٹی اسلام آباد۔ 2012
- ماہنامہ،ماہ نو، کراچی جولائی، 1948
- تعارف نامہ شعبہ اردو نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد
- ادارے مجلہ علم و آگہی، مرتب، ابو سلمان، امیر السلام، گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی1938

انٹرویو اور سوالنامے

- انوار احمد،ڈاکٹر، سوالنامہ، 8 بذریعہ ای میل اکتوبر 2022
- حمیرا اشفاق،ڈاکٹر، سولنامہ اور انٹر ویو، بمقام رہائش گاہ، اگست 22، 2022
- مصباح رشید، سوالنامہ، انٹر ویو بمقام غالب بلاک نمل اسلام آباد، دن 11،
- عابد سیال، سوالنامہ، بمقام شعبہ اردو نمل اسلام آباد ستمبر 2022
- زاہدہ سعید، سوالنامہ، بمقام رہائش گاہ،
- کیومرثی ڈاکٹر، سوالنامہ بذریعہ برقی رابطہ، 18 اکتوبر، 2020
- خانم شکاری، سوالنامہ بذریعہ برقی رابطہ، 20 دسمبر 2020
- لی لین شی(عندلیب) سوالنامہ بذریعہ ای میل، 10 اکتوبر 2020
- چویوان(نسرین) سوالنامہ، بذریعہ برقی رابطہ، 17، مارچ 2020
- شازیہ ارم، سوالنامہ و ملاقات بمقام، رہائش گاہ، 10 اکتوبر، 2020
- ای یو ہوا(سعدیہ) سولنامہ بذریعہ برقی رابطہ، 7 اکتوبر2020
- روبینہ شہناز، پروفیسر، ڈاکٹر، سولنامہ و انٹرویو، نمل اسلام آباد، 8 ستمبر 2020

مرتبہ کتب
- رؤف پاریکھ ڈاکٹر، ڈاکٹر انجم حمید، عظمت زہرا، منظور احمد، مرتبہ سفارشات اردو املا 2022، ادارۃ فروغ قومی زبان اسلام آباد، 2022
- اعجاز راہی، مرتب، روداد، سیمینار، اردو املا، روموز اوقاف کے مسائل، مقتدہ قومی زبان، اسلام آباد 1986

ویب سائیٹ:
- https.//www.britannica.com/topic/angulge

مقالہ جات:
- ساجد جاوید، ڈاکٹر جان بورتھ، گل کرسٹ کی لسانی خدمات، مقالہ پی ایچ ڈی مخزونہ نمل، اسلام آباد، 2014ء
- عبد الستار ملک، پاکستان میں اردو زبان کی تدریس کے مسائل و مباحث، مخزونہ نمل، اسلام آباد2012

ضمیمہ جات

پاکستانی اساتذہ

1

نام:ڈاکٹر انوار احمد
ادارے کا نام : دل،تاریح وے جغرافیہ فیکلٹی انقرہ یونیورسٹی ترکی
انسٹی ٹیوٹ آف ورلڈ لینگوایجز اوساکا یونیورسٹی جاپان
غیر ملکیوں کو پڑھانے کاتجربہ: ۵+۲

سننے کے مسائل:

1۔ غیر ملکی طالب علم کو سننے میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟

یہ مشکلات تب تک تھیں، جب تک ریکارڈنگ کی سہولت طالب علم کو میسر نہیں ہوتی تھی

2۔ مخارج کے اعتبار سے کون سی ایسی اصوات ہیں جن کو سننا غیر ملکی طالب علم کے لیے مشکل ہے؟

ع، ص، ط، ظ، ض، ذ، ق

3۔ کیا غیر ملکی طالب علم کو مشابہ آوازوں میں امتیاز کرنے میں کیا مشکلات در پیش ہوتی ہیں؟

ریکارڈنگ کے بعد یہ مشکل کم ہو گئی

4۔ کلاس پڑھانے کے دوران آپ ان مسائل پر کیسے قابو پاتے ہیں؟

بچوں کے ٹیسٹ اور تحریری غلطیوں سے سیکھتا تھا

لکھنے کے مسائل:

1۔ غیر ملکی طالب علم کو اردو لکھنے میں کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟

دائیں سے بائیں لکھنے کی مشکلات

2۔ کیا آپ غیر ملکیوں کی تدریس کے لیے خط نستعلیق سے مطمئن ہیں؟

یہ خوش خطی مصوری سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے زیادہ تھی

3۔ اردو لکھتے وقت غیر ملکی طالب علم عام طور پر کس طرح کی غلطیاں کرتا ہے؟

ع، ظ، ض، ق

4۔ اردو میں حروف کی ایک سے زائد اشکال جیسے ابتدائی درمیانی اور آخری وغیرہ ہیں، ان کو یاد رکھنا غیر ملکی طالب علم کے لیے کتنا مشکل ہے؟

مشکل ضرور ہے مگر اب سکرین اور کمپیوٹر طالب علم کے مدد گار ہیں

5۔ طالب علم کو ایک جیسی آوازوں والے حروف کے استعمال میں کس حد تک مشکل پیش آتی ہے؟

اوپر جواب دیا گیا

6۔ ایسی آوازیں جو کسی دوسری زبان میں موجود نہیں ہیں ان کو طالب علم کس حد تک درست لکھتے ہیں؟

ترکی اور جاپان کے طالب علموں کے تجربات مختلف تھے

7۔ آپ ان مسائل کو کلاس میں کس طرح حل کرتے ہیں؟

اوپر جواب دے دیا گیا

بولنے کے مسائل:

1۔ کیا کوئی طالب علم بلوغت کے بعد سیکھی ہوئی زبان کو روانی سے بول سکتا ہے؟

سیکھ سکتے ہیں

2۔ عام طور پر غیر ملک طالب علم کو بولنے میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

اوپر جواب دے دیا گیا

3۔ اردو کی کون سی آوازیں نکالنا غیر ملکی طالب علم کے مشکل ہے؟(اگر وہ کوئی آواز نہیں نکال سکتے تو اس کی جگہ کون سی آواز نکالتے ہیں؟)

اوپر جواب دے دیا گیا

4۔ غیر ملک طالب علم کا تلفظ کس حد تک اچھا ہوتا ہے؟

مشق سے اچھا ہو سکتا ہے

5۔ آپ ان مسائل کو کیسے حل کرتے ہیں؟

اوپر جواب دے دیا گیا

پڑھنے کے مسائل

1۔ کیا غیر ملکی طالب کے لیے اردو کا رسم الخط پڑھنا آسان ہے؟

مشکل ضرور ہے مگر دل چسپ مواد [گاء یکی، کہانی] مدد کرتا ہے

2۔ اعراب کا عدم استعمال غیر ملکی طالب علم کے لیے کس حد تک مشکلات پیدا کرتا ہے؟

میں تو کمپوزنگ میں اعراب کا اہتمام کرتا تھا

3۔ کون سے حروف پڑھنے میں طالب علم اکثر غلطی کرتے ہیں؟

اوپر جواب دے دیا گیا

4۔ تراکیب میں طالب علم کس حد تک مشکلات کا شکار ہوتے ہیں؟

تراکیب کا قاعدہ سمجھا دیا جائے تو وہ دل چسپی لیتے ہیں

قواعد کے مسائل:

1۔ اردو تذکیر و تانیث میں غیر ملکی طالب علم کس حد تک مشکل کا شکار ہوتا ہے؟

مشکل ضرور ہوتی ہے مگر مشق، مشق

2۔ جملوں کی نحوی ترکیب میں غیر ملکی طالب علم کو کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟

قاعدہ سمجھا دیا جائے اور مشق کرائی جائے

3۔ افعال کے استعمال میں غیر ملکی طالب علم کیا مشکل محسوس کرتا ہے؟

افعال سیکھنے میں وہ زیادہ دل چسپی لیتے تھے

4۔ مطابقت کے کیا کیا مسائل ہیں؟

سوال سمجھ میں نہیں آیا

5۔ آپ ان مسائل کو کیسے حل کرتے ہیں؟

اوپر جواب دے دیا گیا

2

نام: شازیہ ارم
ادارے کا نام : شی آن یونیورسٹی
غیر ملکیوں کو پڑھانے کاتجربہ: 4 سال

سننے کے مسائل:

1۔ غیر ملکی طالب علم کو سننے میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟

محدود ذخیرہ الفاظ کی وجہ سے تمام الفاظ نہ سمجھنا، مطالب سے ناواقفیت، جملے کے ایک حصے کے معنی سمجھنے کے دوران اگلا حصہ مس کر دیتے ہیں، کئی بار ایک سے زیادہ مرتبہ سننے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر انہیں مواد کی نوعیت (سیاق و سباق) کا اندازہ نہ ہو تو سننے میں زیادہ دشواری ہوتی ہے۔ بولنے والے کی رفتار، توجہ مرکوز نہیں کر پاتے۔

2۔ مخارج کے اعتبار سے کون سی ایسی اصوات ہیں جن کو سننا غیر ملکی طالب علم کے لیے مشکل ہے؟

خ، ع، غ، ڑ، ر، ث، گ

3۔ کیا غیر ملکی طالب علم کو مشابہ آوازوں میں امتیاز کرنے میں کیا مشکلات درپیش ہوتی ہیں؟

اردو میں ز۔ ذ۔ ض۔ ظ، ت، ٹ (س، ص، ث) ق، ک، ح، ہ جیسی مشابہ آوازوں میں تمیز کرنا مشکل ہوتی ہے۔ کئی زبانوں جیسے چین کی زبان میں، وہ الفاظ جن کا تلفظ ایک جیسا ہوتا ہے، ٹون کی تبدیلی سے الفاظ کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ اس طرح اردو کی مشابہ آوازوں میں امتیاز کرنا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔

4۔ کلاس پڑھانے کے دوران آپ ان مسائل پر کیسے قابو پاتے ہیں؟

ہر روز کچھ نئے الفاظ اور ان کے استعمال سے واقفیت، سننے سے پہلے مواد سے متعلق آگاہی، بار بار سنانا، وقفے کے ساتھ سرگرمی انجام دینا تاکہ توجہ مرکوز رہے۔ شروع کی کلاسوں میں آڈیو کے ساتھ subtitles بھی دکھانا، مسلسل مشق سے بہتری آسکے گی۔

تصاویر اور وڈیوز کے ذریعے زبان کی منہ میں حرکات اور اتار چڑھاؤ کے ذریعے آواز کو ادا کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ اور ان آوازوں کا استعمال مختلف لفظوں میں مشق کے طور پر کیا جاتا ہے۔

لکھنے کے مسائل:

1۔ غیر ملکی طالب علم کو اردو لکھنے میں کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟

کیونکہ آوازوں کے آغاز، درمیان اور آخر کی شکل مختلف ہوتی ہے اس لیے لکھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ دیکھ کر درست لکھ سکتے ہیں۔

2۔ کیا آپ غیر ملکیوں کی تدریس کے لیے خط نستعلیق سے مطمئن ہیں؟

جی ہاں۔

3۔ اردو لکھتے وقت غیر ملکی طالب علم عام طور پر کس طرح کی غلطیاں کرتا ہے؟

نقطے نہ لگانا، حروف ربط کا درست استعمال نہ کرنا، اسم ضمیر کے استعمال میں غلطی، مذکر مونث کا استعمال۔ حروف کی شکلون کو یاد نہ رکھنا

4۔ اردو میں حروف کی ایک سے زائد اشکال جیسے ابتدائی درمیانی اور آخری وغیرہ ہیں، ان کو یاد رکھنا غیر ملکی طالب علم کے لیے کتنا مشکل ہے؟

تمام اشکال کے الفاظ لکھنے کی مشق سے اس مشکل پر قابو پا سکتے ہیں۔

5۔ طالب علم کو ایک جیسی آوازوں والے حروف کے استعمال میں کس حد تک مشکل پیش آتی ہے؟

مشکل (ز، ذ، ظ، ض۔ س، ص۔ ک، ق۔ ت، ط)

6۔ ایسی آوازیں جو کسی دوسری زبان میں موجود نہیں ہیں ان کو طالب علم کس حد تک درست لکھتے ہیں؟

مسلسل مشق سے لکھنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

7۔ آپ ان مسائل کو کلاس میں کس طرح حل کرتے ہیں؟

نقطے، حروف ربط کا درست استعمال، اسم ضمیر، مذکر مونث کا استعمال، کے حوالے سے تیار ورک شیٹ، (سمعی وبصری معاونات) کتاب میں دیئے گئے اور دیگر الفاظ کی شروع کی، درمیان کی، آخر کی آوازوں کا مشاہدہ، الفاظ کے جوڑ توڑ کے ذریعے وضاحت۔

بولنے کے مسائل:

1۔ کیا کوئی طالب علم بلوغت کے بعد سیکھی ہوئی زبان کو روانی سے بول سکتا ہے؟

جی ہاں کسی حد تک۔ لہجے میں کچھ فرق رہ سکتا ہے۔

2۔ عام طور پر غیر ملک طالب علم کو بولنے میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ہچکچاہٹ، غلط بولنے کا خوف، ذخیرہ الفاظ کی کمی۔ بہت سے نئے الفاظ اور جملے یاد کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے ان کا استعمال چھوڑ دینا۔ جملوں کی بناوٹ درست نہ ہونا۔ مذکر مونث

3۔اردو کی کون سی آوازیں نکالنا غیر ملکی طالب علم کے مشکل ہے؟(اگر وہ کوئی آواز نہیں نکال سکتے تو اس کی جگہ کون سی آواز نکالتے ہیں؟)

ٹ، گ، غ، ع، ر، ق،

4۔ غیر ملک طالب علم کا تلفظ کس حد تک اچھا ہوتا ہے؟

بہت اچھا بولنے والے کا ستر سے اسی فی صد۔

5۔ آپ ان مسائل کو کیسے حل کرتے ہیں؟

بولنے کے مواقع فراہم کرنا، انگریزی، اردو اور ان کی اپنی زبان سے متبادل بتانا، مکالمہ سننا اور بولنا، آڈیو کلپس میں اغلاط کی اصلاح کی ورک شیٹیں، الفاظ کے جملے۔ چینی، اردو کہانیاں سننا، سنانا

پڑھنے کے مسائل

1۔ کیا غیر ملکی طالب کے لیے اردو کا رسم الخط پڑھنا آسان ہے؟

زیادہ مشکل نہیں

2۔اعراب کا عدم استعمال غیر ملکی طالب علم کے لیے کس حد تک مشکلات پیدا کرتا ہے؟

اعراب کے ساتھ پڑھنے کی مسلسل مشق کے بعد بغیر اعراب کے پڑھنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی۔

3۔ کون سے حروف پڑھنے میں طالب علم اکثر غلطی کرتے ہیں؟

4۔ تراکیب میں طالب علم کس حد تک مشکلات کا شکار ہوتے ہیں؟

تراکیب، محاورات کا جملوں میں استعمال ان کے لئے مشکل ہے۔ خاص طور پر لٹریچر کے وہ الفاظ و تراکیب اور محاورات جو آجکل مستعمل نہیں۔

قواعد کے مسائل:

1۔اردو تذکیر و تانیث میں غیر ملکی طالب علم کس حد تک مشکل کا شکار ہوتا ہے؟

عام طور پر تذکیر و تانیث میں غلطی ہو جاتی ہے لیکن ذرا توجہ سے خود ہی درست بھی کر لیتے ہیں۔

2۔ جملوں کی نحوی ترکیب میں غیر ملکی طالب علم کو کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟

ان کو معلوم نہیں کہ جملہ اسمیہ ہے یا فعلیہ، فعل ناقص، فعل تام کو سمجھے بغیر مشکل پیش آتی ہے۔

3۔افعال کے استعمال میں غیر ملکی طالب علم کیا مشکل محسوس کرتا ہے؟

زمانے کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ وہ "تھے"، "ہیں" اور "گا" کو زمانے کو حوالے سے تو پہچانتے ہیں لیکن ان الفاظ کے بغیر فعل حال، ماضی اور مستقبل پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔

کانگرس نے تحریک چلائی۔ وہ بھاگا۔

آگ قابو سے باہر ہو چلی تھی۔ سوال ('ہو چلی تھی" کا کیا مطلب ہے؟)

4۔ مطابقت کے کیا کیا مسائل ہیں؟

لڑکی آتا ہے، لڑکا قلفی کھایا۔ لڑکے بھاگتا ہے۔ لڑکی نے دوپٹہ پہنی۔

5۔ آپ ان مسائل کو کیسے حل کرتے ہیں؟

'نے' کا اصول

فعل فاعل کے مطابق آتا ہے جیسے لڑکی گانا گاتی ہے اگر فاعل کے بعد "نے" آجائے تو فعل فاعل کے مطابق نہیں ،بلکہ مفعول کے مطابق ائے گا، جیسے لڑکی نے دوپٹہ پہنا۔ اس میں فعل مفعول کے مطابق ہو گا۔ بچوں نے کتابیں پڑھیں۔

واحد مذکر کا استعمال

اگر مفعول کے بعد 'کو" ائے تو ہانیہ نے سیب کو کھایا۔

"سب کچھ" یا "کوئی" اجائے تو فعل واحد مذکر ہو گا۔ اس کی کتاب، کاپی اور پنسلیں گم ہو گئے۔

جمع مذکر

استاد اور بچے پڑھتے ہیں۔ لڑکی اور لڑکا آئے۔

مؤنث

لڑکیاں کالج جاتی ہیں۔ لڑکوں نے کہا کہ ہم میدان جاتے ہیں۔

ان اصولوں کے ساتھ دیگر مسائل کے بارے میں الگ الگ ورک شیٹیں کروائی جائیں گی۔

3

نام: ڈاکٹر حمیرا اشفاق
ادارے کا نام : شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد
غیر ملکیوں کو پڑھانے کاتجربہ: دو سال (پاکستان میں غیر ملکی طلباء کو پڑھانے کا تجربہ)
6 ماہ (بیجنگ میں چینی طلباء کو پڑھانے کا تجربہ)

سننے کے مسائل:

1۔ غیر ملکی طالب علم کو سننے میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟

غیر ملکی طلبا کو اردو جملہ سنتے ہوئے جملے کی ساخت سمجھنے میں دقعت ہوتی ہے۔

2۔ مخارج کے اعتبار سے کون سی ایسی اصوات ہیں جن کو سننا غیر ملکی طالب علم کے لیے مشکل ہے؟

ذ، ز، ژ، ض، گ

3۔ کیا غیر ملکی طالب علم کو مشابہ آوازوں میں امتیاز کرنے میں کیا مشکلات درپیش ہوتی ہیں؟

جی ہاں، غیر ملکی طالب علموں کو ایک جیسی آوازیں سننے اور سمجھنے میں بہت دقعت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے (ح، ھ، ہ)، (ک، ق) (ی، ے) (س، ص) (ذ، ز) وغیرہ۔

4۔ کلاس پڑھانے کے دوران آپ ان مسائل پر کیسے قابو پاتے ہیں؟

- جملوں میں وقفے زیادہ بڑھاتے ہیں۔
- ہونٹوں کی بناوٹ سے آوازوں کو میل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لکھنے کے مسائل:

1۔ غیر ملکی طالب علم کو اردو لکھنے میں کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؟

غیر ملکی طلبا کے لیے کچھ حروف کی جڑی ہوئی اشکال کو سمجھ کر درست لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اردو حروف جب کسی دوسرے حرف سے جڑتے ہیں تو اپنی شکل تبدیل کر لیتے ہیں۔ ان میں (ی، ے)، (د اور ر کا خاندان) ان طلبا کے لیے کافی مشکل کا باعث بنتا ہے۔ حروف کی آدھی اشکال بھی غیر ملکی طلبا کے لیے برتنا مشکل ہوتی ہیں۔ دیگر

مسائل میں نقطے لگانے کا مسئلہ، شوشے لگانے کا مسئلہ، بعض حروف کی غیر معمولی مشابہت بھی طلبا کے لیے مشکل کا باعث بنتی ہے۔ جیسے وہ "ذ" اور "ز" میں فرق نہیں سمجھتے۔

2۔ کیا آپ غیر ملکیوں کی تدریس کے لیے خط نستعلیق سے مطمئن ہیں؟

میرے خیال میں خط نستعلیق میں حروف کی بدلتی ہوئی اشکال غیر ملکی طلبا کے لیے مشکل کا باعث بنتی ہیں۔ دورانِ تدریس انھیں پڑھانے میں خطِ نسخ زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔

3۔ اردو لکھتے وقت غیر ملکی طالب علم عام طور پر کس طرح کی غلطیاں کرتا ہے؟

حروف کی آدھی اشکال کے برتنے میں طلبا اکثر غلطیاں کرتے ہیں۔ الفاظ کی بناوٹ بھی درست نہیں ہوتی جس سے بعض حروف کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

4۔ اردو میں حروف کی ایک سے زائد اشکال جیسے ابتدائی درمیانی اور آخری وغیرہ ہیں، ان کو یاد رکھنا غیر ملکی طالب علم کے لیے کتنا مشکل ہے؟

اردو میں حروف کی بدلتی ہوئی اشکال طلبا کے لیے بہت مشکل ہے۔ ان کے لیے دو حرفی اور سہ حرفی الفاظ سمجھنا زیادہ آسان ہے جب کہ زیادہ حروف پر مشتمل الفاظ طلبا کے لیے سمجھنا مشکل ہوتے ہیں۔

5۔ طالب علم کو ایک جیسی آوازوں والے حروف کے استعمال میں کس حد تک مشکل پیش آتی ہے؟

طلبا کے لیے ایک جیسی آوازوں والے حروف کا استعمال کافی مشکل ہوتا ہے۔ ان کے لیے ذ، ز، ظ کا فرق سمجھنا کافی مشکل ہے۔

6۔ ایسی آوازیں جو کسی دوسری زبان میں موجود نہیں ہیں ان کو طالب علم کس حد تک درست لکھتے ہیں؟

اس حوالے سے غیر ملکی طلبا اکثر غلطیاں کرتے ہیں۔ جیسے وہ (پ، ب) (ج، چ) (ی، ے) مرکب حروف لکھنے میں بھی اکثر غلطی کرتے ہیں۔

7۔ آپ ان مسائل کو کلاس میں کس طرح حل کرتے ہیں؟

ان مسائل کے حل کے لیے بار بار قرات اور لکھنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ بعض اوقات انھیں سمجھانے کے لیے رومن اور انگریزی فونکس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

بولنے کے مسائل:

1۔ کیا کوئی طالب علم بلوغت کے بعد سیکھی ہوئی زبان کو روانی سے بول سکتا ہے؟

جی ہاں، یہ طالب علم کی دل چسپی اور بار بار مشق پر منحصر ہے۔

2۔عام طور پر غیر ملکی طالب علم کو بولنے میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

غیر ملکی

3۔اردو کی کون سی آوازیں نکالنا غیر ملکی طالب علم کے مشکل ہے؟(اگر وہ کوئی آواز نہیں نکال سکتے تو اس کی جگہ کون سی آواز نکالتے ہیں؟)

4۔ غیر ملک طالب علم کا تلفظ کس حد تک اچھا ہوتا ہے؟

غیر ملکی طالب علموں کے تلفظ کے بہت سے مسائل ہوتے ہیں۔اسے درست کرنے کے لیے بار بار مشق کروائی جاتی ہے۔

5۔ آپ ان مسائل کو کیسے حل کرتے ہیں؟

ان مسائل کے حل کے لیے بار بار مشق بہت مدد گار ہوتی ہے۔اس کے علاوہ ایسے آڈیوز بھی معاونت کرتی ہیں جن میں نثری اور شعری فن پارے اچھے ترنم اور تحت اللفظ میں پیش کیے گئے ہوں۔

پڑھنے کے مسائل

1۔ کیا غیر ملکی طالب علم کے لیے اردو کا رسم الخط پڑھنا آسان ہے؟

نہیں، اردو حروف کی بدلتی ہوئی اشکال کی وجہ سے غیر ملکی طالب علم کے لیے اردو کا رسم الخط پڑھنا بہت مشکل ہے۔

2۔اعراب کا عدم استعمال غیر ملکی طالب علم کے لیے کس حد تک مشکلات پیدا کرتا ہے؟

اعراب کے عدم استعمال سے طلبا لفظ کی صوت کو نہیں سمجھ پاتا۔

3۔ کون سے حروف پڑھنے میں طالب علم اکثر غلطی کرتے ہیں؟

غیر ملکی طلبا مشابہ اور ہم آواز حروف کو پڑھنے میں اکثر غلطی کرتے ہیں جن میں آ،ذ،ز،ٹ،ث،س،ص، گ،غ،ک،ق وغیرہ شامل ہیں۔

4۔ تراکیب میں طالب علم کس حد تک مشکلات کا شکار ہوتے ہیں؟

مفرد لفظ اپنا الگ لغوی معنی رکھتا ہے جبکہ ترکیب سے لفظ کے لغوی معنی بدل جاتے ہیں۔ جس سے طلبا کو اکثر مشکل ہوتی ہے۔

قواعد کے مسائل:

1۔اردو تذکیر و تانیث میں غیر ملکی طالب علم کس حد تک مشکل کا شکار ہوتا ہے؟

کافی حد تک مشکل کا شکار ہوتے ہیں، بعض اوقات مکبر اور مصغر الفاظ میں انھیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔انگریزیnoun noun اردو اور میں اکثر فرق پایا جاتا ہے۔

2۔جملوں کی نحوی ترکیب میں غیر ملکی طالب علم کو کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟

دیگر زبانوں میں جملے کی ساخت اردو سے فرق ہے۔ جیسے حروف جار وغیرہ اس طرح استعمال نہیں ہوتے جیسے اردو میں ہوتے ہیں۔ helping verbs کے قواعد بھی اس طرح مختلف ہوتے ہیں

3۔افعال کے استعمال میں غیر ملکی طالب علم کیا مشکل محسوس کرتا ہے؟

افعال کے استعمال میں بسا اوقات وہ تذکیر و تانیث اور واحد اور جمع کا فرق نہیں رکھ پاتا۔

4۔مطابقت کے کیا کیا مسائل ہیں؟

ہم شکل اور ہم آواز کی مطابقت غیر ملکی طلباء کے لیے کافی مشکلات پیدا کرتی ہیں۔ جیسے پتا اور پتہ، وغیرہ جیسے ملتے جلتے الفاظ میں بھی معنی کا فرق کرنا کافی مشکل ہو جاتا ہے۔

5۔آپ ان مسائل کو کیسے حل کرتے ہیں؟

ان مسائل کو حل کرنے کے لیے مقامی لب و لہجے کے ساتھ مستعمل الفاظ اور جملوں کا حوالہ دے کر بات کو سمجھایا جا سکتا ہے۔

غیر ملکی اساتذہ

نام: لی لین شی
ادارہ : گوانگ دونگ یونیورسٹی آف فارین اسٹاڈز
تجربہ: ۴ سال
مادری زبان: چینی

سننے کے حوالے سے

1۔ بطور غیر ملکی زبان کے استاد آپ سننا سکھانے میں آپ کو کن مشکلات کا سامنا ہے؟

سب سے پہلے میرے لئے سننے کے لئے مواد کو سمجھنا مشکل ہے، اس سے اردو بولنے والوں کی مدد لازمی ہے۔ دوسرا ہے سننے کی کلاس کے لئے مناسب مواد ڈھونڈنا مشکل ہے، ٹی وی ڈرامہ طالب علموں کے لئے زیادہ مشکل ہے، اور اس میں معلومات بکھری ہوئی ہیں، اور اردو کورس کے ڈھانچے سے مطابق نہیں۔

2۔ اردو کی کون سی ایسی آوازیں ہیں جن کو سننا مشکل ہے۔

غ، ر اور ڑ، ت اور دو غیرہ۔

3۔ اردو کی کون سی ایسی آوازیں ہیں جو آپ کی مادری زبان میں موجود نہیں؟

ر، ڑ، ع، غ، ق

4۔ اردو کی مشابہ آوازوں کو سکھانے میں آپ کو کیا مشکلات در پیش ہیں؟

کوئی مشکل نہیں

5۔ اردو سننا سکھاتے وقت آپ مشکل آوازروں یا حروف کو کیسے سکھاتے ہیں؟

پہلے ان حروف کو لکھتا ہوں، بعد میں طالب علموں کے ساتھ بار بار بڑی آواز میں پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد انہیں یہ حروف لکھواؤں۔ جب بھی الفاظ میں ایسے فروف رونما ہوا، تو انہیں دوبارہ آواز پر زور دوں۔

لکھنے کے مسائل:

1۔ بطور غیر ملکی استاد آپ کے خیال میں اردو لکھنا کس حد تک آسان ہے؟

اس کو اچھی طرح لکھنا زیادہ مشکل ہے، لیکن روزمرہ لکھنا مشکل نہیں۔

2۔ آپ کو اردو لکھنے سکھانے میں کس طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں؟

چینی زبان بائیں طرف سے لکھی جاتی ہے اور اردو زبان دائیں طرف سے، طالب علموں کو چینی لکھنے کی عادت پڑ جاتی ہے، تو ابتدا میں وہ بھول جاتے ہیں کہ اردو دائیں طرف سے ہے۔

3۔ اردو لکھنا سکھانے میں طالب علم عام طور پر کس طرح کی غلطیاں کرتے ہیں؟

وہ الگ الگ حروف اچھی طرح لکھ سکتے ہیں، لیکن الفاظ میں جب کوئی دو یا تین چار حروف جوڑے ہوئے نکلیں تو ابتدائی طالب علموں کے لئے بہت مشکل ہے۔ خاص طور پر حروف ک اور ا کا جوڑا یا گ اور ا کا جوڑا مشکل ہے۔

4۔ اردو میں حروف کی کئی شکلیں ہیں ان کو سیکھانا آپ کے لیے کس حد تک مشکل ہے؟

میرے لئے اب کوئی نہیں۔

5۔ اردو کے وہ حروف جو آپ کی مادری زبان میں موجود نہیں وہ سکھانا آپ کے لیے کس حد تک مشکل ہوتا ہے؟

ایسے حروف سکھانے میں لکھنا زیادہ مشکل نہیں، لیکن پڑھنا مشکل ہے۔

6۔ آپ ان مسائل کو کس طرح حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

بار بار مشق کرائیں، اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ملا۔

بولنا سکھانے کے مسائل:

1۔ اردو کیونکہ آپ کی مادری زبان نہیں لیکن آپ اس کے تدریس سے وابستہ ہیں تو آپ کس حد تک روانی سے اردو بول سکتے ہیں؟

روزمرہ گفتگو کے لئے میرا اردو کا بول جال ٹھیک ہے، لیکن اگر کسی موضوع پر گہرائی تک بات چیت کرنا مشکل ہے۔

2۔ اردو کی ایسے آوازیں جو آپ کی مادری زبان میں نہیں ہیں ان کو بولنے سکھانے میں آپ کو کس حد تک مشکل ہوتی ہے؟

سب سے مشکل حرف "ر" ہے، اس کو سکھانا اتنا مشکل ہے کہ فارغ التحصیل کے بعد زیادہ طالب علموں کے لئے اس کو درست پڑھنا ناممکن ہے۔

3۔ اردو الفاظ کا تلفظ سکھانے میں اپ کو کس طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں؟

مذکورہ جواب میں لکھا ہوا ہے۔

4۔ آپ ان مشکلات کو کس طرح حل کرتے ہیں؟

بار بار مشق کرائیں۔

پڑھنے کے مسائل:

1۔ کیا اردو پڑھنا آسان ہے؟

آسان نہیں۔

2۔ اردو پڑھنا سکھاتے وقت آپ کو کون سے حروف کی آوازیں سکھانا مشکل لگتا ہے؟

"غ"، "ر"، "ڑ"، "ق"۔

3۔ اردو پڑھتے وقت طالب علم کس طرح کی غلطیاں کرتے ہیں؟

بیشتر طالب علموں کے لئے نئے الفاظ کا تلفظ کو یاد کرنا تھوڑا سا مشکل ہے، اس لئے جب وہ سبق پڑھ رہے ہیں، غلطیاں بھی نکل آتی ہیں۔ اس کے علاوہ مذکورہ جواب میں ذکر کئے گئے حروف کو صحیح طور پر پڑھنا ان کے لئے بھی مشکل ہے، غلطیاں بھی موجود ہیں۔

4۔ کیا اعراب کے بغیر اردو پڑھنا اور پڑھانا آسان ہے؟

میں یہ سوال سمجھ نہیں سکتا ہوں۔

6۔ آپ ان مسائل کا حل کیسے کرتے ہیں؟

سب سے اہم طریقہ ہے کہ پاکستانی استاد اپنی راہبری کے تحت طالب علموں کے ساتھ پڑھتے ہیں، ایسے تو طالب علم مقامی لوگوں کے لہجے اور تلفظ سیکھ سکتے ہیں۔ دوسرا ہے کہ ہم پاکستانی استاد کو سبق کا ریکارڈ بنوائیں تاکہ کلاس کے بعد طالب علم یہ ریکارڈ سن سکیں۔

قواعد کے مسائل:

1۔ اردو سیکھاتے تذکیر و تانیث کے کیا مسائل کس حد تک طالب علم کو پیش آتے ہیں؟

چونکہ چینی زبان میں تذکیر و تانیث کا فرق موجود نہیں، اس لئے سب چینی طالب علموں کے لئے یہ زیادہ مشکل ہے۔ اسم کے لئے تذکیر و تانیث کا ضابطہ عام لوگوں کے احساس سے اکثر مختلف ہے، جیسے آگ ایک مونث اسم ہے، لیکن چینی زبان میں آگ ماسکیولین (masculine) لحاظ سے ہے، تو اس لفظ کو صحیح طور پر یاد کرنا ہر ایک کے لئے مشکل ہے۔ اس کے سوا، قواعد کے ضابطوں میں طرح طرح تذکیر و تانیث کا نشان موجود ہے، تو جملہ بناتے وقت طالب علم بہت پریشان ہیں۔

2۔ جملے کی ترکیب نحوی میں طالب علم کیا مشکل محسوس کرتا ہے؟

مجموعی طور پر طالب علموں کے لئے اردو زبان کی ترکیب نحوی کے ضابطوں سے روشناس ہونا مشکل ہے۔ مذکورہ جواب میں اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ اسم کی تذکیر و تانیث کی وجہ سے وہ کبھی کبھار غلطیاں کرتے ہیں، جملے میں ترکیب نحوی کے ضابطوں کے مطابق افعال کی گردان یعنی تبدیلیاں بھی مشکل بات ہے۔ یہاں افعال کی تبدیلی کبھی فاعل کے مطابق ہے، اور کبھی مفعول کے مطابق، ایسا ضابطہ چینی طالب علموں کے لئے بھی پیچیدہ ہے۔

3۔ اردو افعال کا استعمال سیکھانے میں آپ کو کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟

افعال کی تبدیلی کا ضابطہ پیچیدہ ہے، عام ضابطہ کے سوا خاص ضابطے بھی موجود ہیں۔ ان چیزوں کو سکھانا مشکل ہے۔

4۔ آپ ان مسائل کو حل کیسے کرتے ہیں؟

مشق کراؤں، زیادہ مشق کراؤں، ایسا ہی ہے۔

ان مسائل کے علاوہ کسی مسئلے کی نشاندہی کرنا چاہیں تو کر دیجیے؟

کوئی نہیں۔

آپ اس کا حل کیسے کرتے ہیں اس کی طرف بھی رہنمائی کیجیے۔

غیر ملکی اساتذہ کے لیے

2

نام: چو یوان
ادارہ :بیجنگ دارن اسٹڈیز یونیورسٹی
تجربہ:۱۳ سال
مادری زبان: چینی

سننے کے حوالے سے

1۔بطور غیر ملکی زبان کے استاد آپ سننا سکھانے میں آپ کو کن مشکلات کا سامنا ہے؟

سننا، طلبا کے لیے سب سے مشکل ہے۔ پہلی وجہ بچوں کی اردو کی بنیادی معلومات کم ہیں۔ ذخیرہ ئ الفاظ زیادہ نہیں۔ اس لیے پاکستانی کی باتیں یا اردو خبریں سمجھنے میں اکثر مشکلات ہیں۔ دوسری وجہ ہے کہ چینی طلبا کے لیے مشق کے مخصوص مواد بہت کم ہیں۔ اور چین میں ان کے پاکستانیوں سے بات کرنے اور تبادلہ کرنے کے مواقع کم ہیں۔ اس لیے مشق بہت کم ہے۔

2۔اردو کی کون سی ایسی آوازیں ہیں جن کو سننا مشکل ہے۔

آوازیں مشکل نہیں ہیں۔ الفاظ نہیں جاننا ایک مسئلہ ہے۔

3۔اردو کی کون سی ایسی آوازیں ہیں جو آپ کی مادری زبان میں موجود نہیں؟

ر،ڑ،ٹ،ق جیسے آوازیں۔ کچھ طالب علم اچھی طرح نہیں پڑھ لیتے، لیکن وہ سن لیتے ہیں۔

4۔اردو کی مشابہ آوازوں کو سکھانے میں آپ کو کیا مشکلات در پیش ہیں؟

بہت زیادہ شمکلات ہیں۔ جیسا کہ "ک" اور "گ"۔ اگر طلبا صحیح طور پر پڑھ نہ سکتے پھر وہ اکثر لکھنے میں غلطیاں کرتے ہیں اور سننے، سمجھنے میں بھی اکثر مشکل ہے۔

5۔اردو سننا سکھاتے وقت آپ مشکل آوازروں یا حروف کو کیسے سکھاتے ہیں؟

میں بار بار پڑھوں، وہ نقل کریں۔

انہیں بار بار بلند آواز سے پڑھنے دیں۔

املا کیا کریں۔

لکھنے کے مسائل:

1۔ بطور غیر ملکی استاد آپ کے خیال میں اردو لکھنا کس حد تک آسان ہے؟

لکھنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ شروع میں مشکل ہے کیونکہ حروف چینی یا انگریزی سے بالکل مختلف۔ لیکن بچے جلد ہی سیکھ لے سکتے ہیں۔

2۔ آپ کو اردو لکھنے سکھانے میں کس طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں؟

جب حروف ملتے ہیں، ان کی شکلیں تبدیل ہوتی ہیں۔ بچوں کو الفاظ الگ کرنے اور حروف ملانے کی مشق بار بار کرنی پڑتی ہے۔

3۔ اردو لکھنا سکھانے میں طالب علم عام طور پر کس طرح کی غلطیاں کرتے ہیں؟

وہ اکثر ہم آواز حروف کو اچھی طرح نہیں بتاتے۔ مثال کے طور پر "مصروف" کو "مسروف" لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بھول جاتے ہیں کہ ایک لفظ میں کتنے نقطے ہیں۔ مثال کے طور پر "بھتیجی" کو "پھنیچی" لکھتے ہیں۔

4۔ اردو میں حروف کی کئی شکلیں ہیں ان کو سیکھانا آپ کے لیے کس حد تک مشکل ہے؟

شروع میں آہستہ آہستی سکھانا ہے، اور ان کی غلطیاں آمنے سامنے ٹھیک کرنی ہیں۔ میرے لیے یہ زیادہ مشکل نہیں ہے، لیکن زیادہ وقت لگتا ہے۔

5۔ اردو کے وہ حروف جو آپ کی مادری زبان میں موجود نہیں وہ سکھانا آپ کے لیے کس حد تک مشکل ہوتا ہے؟

میرے لیے یہ ایک مسئلہ نہیں ہے۔ بس patience یا صبر کی ضرورت ہے۔

6۔ آپ ان مسائل کو کس طرح حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

آہستہ آہستی سکھانا ہے، اور ان کی غلطیاں آمنے سامنے ٹھیک کرنی ہیں۔ انہیں بار بار مشق کرنے دینا ہے۔

بولنا سکھانے کے مسائل:

1۔ اردو کیونکہ آپ کی مادری زبان نہیں لیکن آپ اس کے تدریس سے وابستہ ہیں تو آپ کس حد تک روانی سے اردو بول سکتے ہیں؟

میں روانی سے اردو بول لیتی ہوں۔ اور دونوں زبانوں کے درمیان زبانی ترجمہ کر سکتی ہوں۔

2۔اردو کی ایسے آوازیں جو آپ کی مادری زبان میں نہیں ہیں ان کو بولنے سکھانے میں آپ کو کس حد تک مشکل ہوتی ہے؟

کبھی کبھی کچھ طالبعلم دو ایک آواز نہیں صحیح طور پر بول نہیں لیتے، لیکن میرے خیال میں تلفاظ، یا آواز سب سے اہم چیز نہیں ہے۔ جب لوگ بات کرتے ہیں، کمیونیکیٹ کرتے ہیں، تو معلومات، انفارمیشن سب سے اہم ہے۔ الفاظ اتنے اہم نہیں۔

3۔اردو الفاظ کا تلفظ سکھانے میں اپ کو کس طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں؟

4۔ آپ ان مشکلات کو کس طرح حل کرتے ہیں؟

تلفظ میرے زیادہ تر طالب علم کے لیے مشکل نہیں۔ لیکن روانی سے بولنا یا اپنا خیال اظہار کرنا سب سے مشکل ہے۔ کیونکہ کتاب پڑھنا کم ہے اور بولنے کی مشق کم کرتے ہیں۔

پڑھنے کے مسائل:

1۔ کیا اردو پڑھنا آسان ہے؟

میرے لیے روز مرہ کی خبریں پڑھنا آسان ہے، لیکن اکڈیمک کتابیں پڑھنا زیادہ آسان نہیں ہے خاص کر اردو ادب کے بارے میں۔ یا ناول بھی مشکل ہے۔

2۔اردو پڑھنا سکھاتے وقت آپ کو کون سے حروف کی آوازیں سکھانا مشکل لگتا ہے؟

جو آوازیں چینی میں موجود نہیں ہیں، وہ چینیوں کے لیے مشکل ہیں۔ مثلاً "ر" سب سے مشکل۔ پھر، "ق" "غ" وغیرہ بھی مشکل۔

3۔اردو پڑھتے وقت طالب علم کس طرح کی غلطیاں کرتے ہیں؟

جو آوازیں چینی میں موجود نہیں ہیں، وہ پڑھنا چینیوں کے لیے مشکل ہے۔ مثلاً "ر" "ق" "غ" وغیرہ۔

4۔ کیا اعراب کے بغیر اردو پڑھنا اور پڑھانا آسان ہے؟

اعراب کیا مطلب؟

6۔ آپ ان مسائل کا حل کیسے کرتے ہیں؟

زیادہ پڑھنا، مشق کرنا۔ زیادہ گھر کا کام کروانا۔ بس۔

قواعد کے مسائل:

1۔ اردو سیکھاتے تذکیر و تانیث کے کیا مسائل کس حد تک طالب علم کو پیش آتے ہیں؟

مذکر یا مونث، یہ چینی طلبا اور اساتذہ دونوں کے لیے آسان نہیں ہے۔ یاد کرنا ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے خاصا مشکل ہے، کچھ طلبا اکثر غلطی کرتے ہیں۔

2۔ جملے کی ترکیب نحوی میں طالب علم کیا مشکل محسوس کرتا ہے؟

زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ذرا آسان ہے۔

3۔ اردو افعال کا استعمال سیکھانے میں آپ کو کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟

افعال سب سے مشکل ہے۔ ایک فعل کی بت زیادہ مختلف شکلیں ہیں، اور ان کا استعمال کا طریقہ یاد کرنا ہے، پھر زیادہ مشق کرنا ہے تا کہ اس پر آسانی سے عبور حاصل ہو۔

4۔ آپ ان مسائل کو حل کیسے کرتے ہیں؟

انہیں "جملہ بنانا" کی مشق کروائیں۔ انہیں مضبون لکھوائیں۔ پھر ان کی غلطیاں نکالیں۔

ان مسائل کے علاوہ کسی مسئلے کی نشاندہی کرنا چاہیں تو کر دیجیے؟

آپ اس کا حل کیسے کرتے ہیں اس کی طرف بھی رہنمائی کیجیے۔

ہمارے طلبا اکثر اردو سے واقف نہیں، اس کو ایک کورس کے طور پر سیکھتے ہیں، اور وہ صرف کلاس میں تھوڑی اردو بولتے ہیں، امتحان پر سب سے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ لیکن اردو ایک زبان ہے، اسے ہر وقت بولنا چاہیے، پڑھنا چاہیے، حتی کہ اردو سے سوچنا چاہیے۔ طلبا کو اس طرح کی عادت بنایا چاہیے۔

اور استاد کو بچوں کی مثال بننا چاہیے، کلاس میں اردو بولیں، زندگی میں بھی طلبا سے اردو میں بات کریں۔ اور زیادہ فلمیں یا ڈرامہ انہین متعارف کروائیں۔ تا کہ اردو ان کی زندگی کا ایک اہم حصہ بنے۔

غیر ملکی طلبہ

نام: سعدیہ
یونیورسٹی : Guangdong University of Foreign Studies
کلاس : اردو 1601
ملک: چین
مادری زبان: چینی

بولنے کے حوالے سے:

1۔ کیا اردو بولنا آسان ہے؟

میرے لیے زیادہ آسان نہیں، بہت مشق کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ اردو میں کون سی آوازیں مشکل ہیں؟

حروف میں ر، ڑ، ق، غ، اور کبھی کبھار خ بولنا مشکل ہے، خاص طور پر حرف ر کی آواز۔

3۔ اردو کی کون سی آوازیں آپ کی مادری زبان میں نہیں ہیں؟

ر، ڑ، ٹ، خ، غ اور ق کی آوازیں میری مادری زبان میں نہیں۔

4۔ آپ کے خیال میں ان مسائل اور مشکلات کو کیسے پڑھانا چاہیے؟

زیادہ مشق کروانا، علم بولنے میں طالب علموں کی غلط آوازیں کو وقت پر بتانا اور درست کرنا۔

لکھنے کے حوالے سے:

1۔ کیا اردو لکھنا آسان ہے؟

اگر مجھے الفاظ یاد ہیں تو مشکل نہیں۔

2۔ اردو لکھنے میں سب سے مشکل کیا ہے؟

لکھنے میں گرائمر اور ہجے میں سب سے زیادہ غلطیاں ہو سکتی ہیں. مثلاً ب اور پ, س اور ص, ک اور گ, میں کبھی کبھار بھول جاؤں گی. ساتھ ہی مذکر اور مؤنث کے بارے میں ہی اکثر یاد نہیں کر سکتی. ہجے سے امالہ کا مسئلہ ہو جاتا ہے. اور مجھے انگریزی سے اردو میں بدلنے کا عام طریقہ نہیں جانتی, تو لوگوں اور جگہوں کے نام وغیرہ انگریزی الفاظ کا اردو میں لکھنا نہیں پتہ.

3۔ کون سے ایسے حرف ہیں جن کو لکھنا آپ کے لیے مشکل ہے؟

میرے خیال میں ایسے حروف ہیں جن کی آواز ایک ہی ہیں یا بہت قریب ہیں، مثلاً س اور ص، ت اور د، ر اور ڑ، ب اور پ، ح اور ہ، ک اور گ وغیرہ۔

4۔ کیا آپ ایک جیسی آوازوں کے مختلف حروف کا درست استعمال کر سکتے ہیں؟

جی ہاں، میں درست استعمال کر سکتی ہوں کیونکہ ان کے مختلف مطلب ہیں۔

5۔ اردو الفاظ کو لکھتے ہوئے جوڑ توڑ کے کیا مسائل ہیں؟

(书写乌尔都语时在单词拼写方面有什么问题)

تیسرے سوال کے جواب میں ذکر حروف لکھنے میں بہت آسانی سے غلطی ہو گی۔

پڑھنے میں مشکلات:

1۔ کیا آپ روانی سے اردو پڑھ سکتے ہیں؟

(你能流利地阅读乌尔都语吗？)

جی ہاں، اگر نئے الفاظ کم ہیں۔

2۔ کون سے حروف پڑھنا مشکل ہے؟

ڑ اور ر، د اور ڈ، ک اور گ، جو لکھنے میں ایک جیسا لگتا ہے۔

3۔ کیا آپ اردو پڑھ لینے کے بعد اس کو سمجھ سکتے ہیں؟

جی ہاں، الفاظ کے مطلب جانتی ہوں تو پڑھ کر سمجھ سکتی ہوں۔

4۔ کیا آپ اعراب کے بغیر پڑھ سکتے ہیں؟

(你能在没有单词标اس اُس اِن اُن的情况下阅读乌尔都语吗？)音，如

جی ہاں۔ اعراب کے بغیر ہی مجھے ان الفاظ کے مطلب اور آواز یاد ہیں۔

سننے کے مسائل:

1۔ کون سی آوازیں ایسی ہیں جن کو سننا آپ کے لیے مشکل ہے؟

س اور ص، ر اور ڑ، ک اور گ، ح اور ہ وغیرہ۔

2۔ کیا سننے کے بعد آپ لفظ کے درست املا کو پہچان سکتے ہیں؟

اکثر اوقات پہچان سکتی ہوں۔ سننے کے وقت گفتگو کے موضوعات اور ویڈیو کے تصاویر وغیرہ کی مدد سے۔

3۔ اگر کوئی تیز اور روانی سے اردو بولے تو آپ کتنے فیصد سمجھ سکتے ہیں؟

مختلف موضوعات پر مختلف ہے۔ اگر روزمرہ کی زندگی کے بارے میں تو شاید 80-90 فیصد سمجھ سکتی ہوں۔ اگر اس میں بہت اقتصادی، قانونی، مذہبی اور سیاستی الفاظ شامل ہیں تو کم سمجھ سکتی ہوں۔

غیر ملکی طالب علم کے لیے:
نام: زینب
کلاس : ایم اے اردو
ملک:ایران
مادری زبان:فارسی

بولنے کے حوالے سے:

1۔ کیا اردو بولنا آسان ہے؟

جی

2۔ اردو میں کون سی آوازیں مشکل ہیں؟

ٹ، ڑ، ڈ

3۔ اردو کی کون سی آوازیں آپ کی مادری زبان میں نہیں ہیں؟

ٹ، ڈ، ڑ، دھ، رھ، تھ، ں، ے

4۔ آپ کے خیال میں ان کو مسائل اور مشکلات کو کیسے پڑھانا چاہیے؟

میرے خیال میں بہت سننا چاہیے

5۔ کون سی ایسی آوازیں ہیں جو آپ کی مادری زبان میں نہیں ہیں؟

ں، ے، ٹ، ڑ، ڈ و۔۔۔۔

لکھنے کے حوالے سے:

1۔ کیا اردو لکھنا آسان ہے؟

جی

2۔ اردو لکھنے میں سب سے مشکل کیا ہے؟

میرے خیال میں کوئی مشکل نہیں

3۔ کون سے ایسے حرف ہیں جن کو لکھنا آپ کے لیے مشکل ہے؟

کوئی مشکل نہیں

4۔ کیا آپ ایک جیسی آوازوں کے مختلف حروف کا درست استعمال کر سکتے ہیں؟

جی، کوشش کرتی ہوں

5۔ اردو الفاظ کو لکھتے ہوئے جوڑ توڑ کے کیا مسائل ہیں؟

کوئی مشکل نہیں

پڑھنے میں مشکلات:

1۔ کیا آپ روانی سے اردو پڑھ سکتے ہیں؟

جی، بہت کوشش کرتی ہوں

2۔ کون سے حروف پڑھنا مشکل ہے؟

ٹ، ڑ، ڈ، ں

3۔ کیا آپ اردو پڑھ لینے کے بعد اس کو سمجھ سکتے ہیں؟

جی بالکل

4۔ کیا آپ اعراب کے بغیر پڑھ سکتے ہیں؟

جی، پوری کوشش کرتی ہوں

سننے کے مسائل:

1۔ کون سی آوازیں ایسی ہیں جن کو سننا آپ کے لیے مشکل ہے؟

ٹ، ڈ، ڑ، ں

2۔ کیا سننے کے بعد آپ لفظ کے درست املا کو پہچان سکتے ہیں؟

جی

3۔ اگر کوئی تیز اور روانی سے اردو بولے تو آپ کتنے فیصد سمجھ سکتے ہیں؟

90 فی صد